اسلام پر کیا گذری

دار التصنیف کی دسویں پیش کش

اسلام پر کیا گذری

عہد نبوی سے دورِ عثمان تک

قرآن حدیث اور تاریخ کی زبانی

چوتھا ایڈیشن

بحذف و اضافہ و ترتیب جدید

مرتبہ

محمد باقر شمس لکھنوی

دار التصنیف سی ۳۰ رضویہ سوسائٹی کراچی

عباسی لیتھو آرٹ پریس۔ فریئر روڈ کراچی

مصنف ______________ محمد باقر شمس

____

____

مصنف: محمد باقر شمس

سنہ ۱۹۹۰ء

قیمت: ۶۰ روپے

ملنے کا پتہ: دار التصنیف سی ۳۰۰ رضویہ سوسائٹی کراچی

نذرانۂ عقیدت

بحضورِ

نبوتِ کبریٰ

آنکہ جاں در پیکرِ ہستی دمید
روزگارِ تازہ آئیں افرید
اقبالؒ

ذرۂ خاکِ یثرب و بطحیٰ
شمس

تعارف

از

حضرت عماد العلما علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ مجتہد العصر

جناب محترم مولانا سید محمد باقر شمس دام عزہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے علم و ادب سے ذوق رکھنے والے اور خاص طور پر موصوف کی تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ کرنیوالے انکی وسعت علمی کمال فن۔ ذوق تحقیق۔ اعتدال تحریر۔ تنقید میں انصاف پسندی اور اعلائے کلمۃ الحق میں بے لوثی اور بے باکی سے پوری طرح واقف ہیں۔ خاندانی وجاہت اور موروثی ذہانت تو خداداد ہے مگر اسی کے ساتھ علمی جستجو کی ہمیشہ انہیں عادت رہی ہے۔ پھر موصوف کا ابتدائی ماحول بھی علمی اور تحقیقی رہا اس لئے کہ جس عظیم باپ حضرت مجتہد اعظم سرکار مولانا استاذنا السید سبط حسین النجفی طاب ثراہ کی گود میں پرورش پائی یہی جناب شمس صاحب کی علمی ترقی اور تحقیقی بلندی بنیز ارتقائے ذہن کی روشن بنیاد اور تابناک اساس حیات تھی۔

میں نے بھی موصوف کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے لکھنے کا طریقہ انتہائی دلچسپ معلومات سے بھرا ہوا ہر قدم پر گہری تحقیق اور بغیر کسی فرقہ وارانہ اور بغیر کسی قسم کے بھی تکلف رجحان اور میلان کے اپنی معتدل رائے کا اظہار ہے اور اکثر و بیشتر باتیں موصوف کے بیانات میں ایسی بھی آتی ہیں جو آجتک کسی دوسرے مقالہ نگار نے یا مصنف نے نہیں لکھیں اور کسی کی بھی نظر انکی طرف نہیں گئی۔

اگر موقع ہوتا تو جناب شمس دام ظلہ کی شخصیت اور طرز نگارش پر بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا میری دعا ہے کہ اللہ موصوف کو طول عمر عطا فرمائے تاکہ ہم لوگ انکے فیض علمی سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔

سید محمد رضی الرضوی
۲۳ - ربیع الاول سنہ ۱۹۸۹ ہجری

میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہے
میرا بیان صدق ہے نطق سروش ہے
شمس
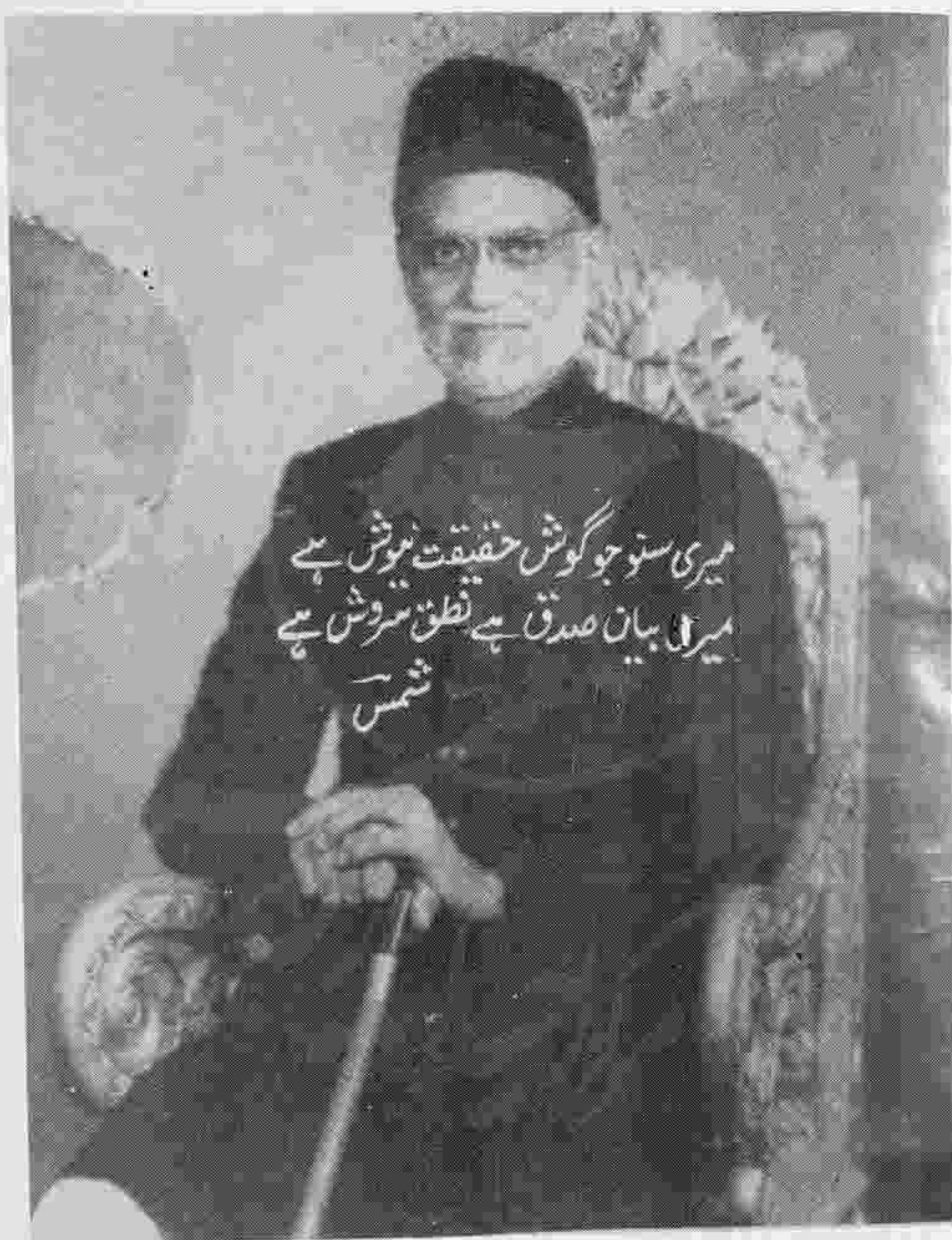
ناظرین سے گذارش

ایک لطیفہ ! اب سے پچاس برس کم و بیش کی بات ہے کہ میں ہندوستان میں اپنے ہندو دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا سب پڑھے لکھے بی۔ ایم تھے شعر و شاعری چھڑی ہوئی تھی ہندی اُردو کے اشعار پڑھے جا رہے تھے کہ ایک صاحب نے کہا کہ انیس بہتر تھے یا تلسی داس ایک پنڈت جی ہندی لکچرار بھی تھے ہم سے اور ان سے کہا گیا کہ آپ دونوں موازنہ کریں۔ میں نے کہا کہ میں ہندی بہت کم جانتا ہوں تلسی داس کے محاسن شعریہ سے ناواقف ہوں پنڈت جی اُردو بالکل نہیں جانتے اس لئے نہ ہم موازنہ کر سکتے ہیں نہ پنڈت جی۔ البتہ کچھ اُصولی باتیں ہم اس بارے میں کہہ سکتے ہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام نقادان شخص کا اس پر اتفاق ہے کہ حزنیہ اشعار کو طربیہ اشعار پر فوقیت ہے تلسی داس کی داستان طربیہ ہے اور انیس کی حزنیہ اس وجہ سے انیس کو تلسی داس پر فوقیت حاصل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انیس نے صبح کا سماں دوپہر کی کیفیت میدان جنگ کا نقشہ جنگ آزماؤں کا ایک دوسرے کے مقابلہ آنا ان کا حلیہ ان کے حرب و ضرب کی تفصیلات تلوار کی تعریف، گھوڑے کی تعریف جنگ کا زور و شور لاشوں پر لاشوں کا گرنا فوجوں کی بھگدڑ ایسے مضامین سے ان کے کلام بہت تنوع پیدا ہو گیا ہے یہ تنوع تلسی داس کی داستان میں نہیں ہے اس وجہ سے انیس کو تلسی داس پر برتری حاصل ہے تیسری چیز یہ کہ تلسی داس نے رام چندر جی کی ایک داستان لکھی ہے۔ انیس نے واقعہ کربلا کو تقریباً ڈھائی سو مرتبہ لکھا ہے اور ہر دفعہ نیا کر دکھایا ہے اس وجہ سے تلسی داس کو انیس سے کوئی نسبت نہیں۔ پنڈت جی نے کہا مولانا کچھ بھی کہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے کہ تلسی داس سے انیس بہتر تھے اس پر ایک قہقہہ پڑا اور بات ختم ہو گئی۔ یہ انہیں پر موقوف نہیں ہر شخص کے مذہبی یا قومی عقائد کے خلاف اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے یا ناظرین سے میری مخلصانہ گذارش ہے کہ وہ خالی الذہن ہو کے اس کتاب کو اس نظر سے دیکھیں کہ ایمیں قرآن و حدیث و تاریخ سے حقائق پیش کئے گئے ہیں یا غلط تعبیروں رکیک تاویلوں سے بات کا رخ پھیر اگیا ہے (ابو شمس۔ یکم جنوری ۱۹۹۰ء)

فہرست مضامین

دیباچہ طبع چہارم

کتاب کا چوتھا ایڈیشن حاضر خدمت ہے اس میں بہت کچھ حذف و اضافہ ہوا ہے اور ترتیب بھی بدل گئی ہے۔

حضرت عمر کے حالات میں شبلی نے الفاروق میں خمس اور سقیفہ پر جو بحث کی ہے اس پر تبصرہ رہ گیا جسکا مجھے افسوس ہے مگر یہ سوچ کر صبر کرلیا کہ ؎

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

یہ میری زندگی کا آخری ایڈیشن ہے چھپنے کے بعد اس کو نہ دیکھو نگا کیونکہ پھر ضائع ہو گئے اور پھر اسکو چھپوانے کی فکر ہوگی اور اب میں الجھن میں اپنے کو مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔

شبلی نے موازنہ انیس و دبیر میں سچ کہا ہے کہ کتاب کا بالکل صحیح چھپنا محال ہے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ایک صاحب کی عنایت سے مسخ ہوگیا دوسرے ایڈیشن میں انکے مسوخات نکالے اور تصحیح کی امید تھی کہ اب غلطیاں نہ ہوں گی مگر کتاب چھپ کے آئی تو معلوم ہوا کہ بہت غلطیاں رہ گئیں ہیں تیسرے ایڈیشن میں بڑی دیدہ ریزی سے تصحیح کی مگر چھپنے کے بعد دیکھا تو غلطیاں موجود تھیں اس ایڈیشن میں تصحیح کی پھر کوشش کی ہے۔ اگر اب بھی غلطیاں رہ گئی ہوں تو ناظرین خود تصحیح فرمالیں فقط

ذرۂ ناچیز
شمس

۱-۷-۸۹

دیباچہ طبع سوم

یہ کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے اس میں بھی کچھ حذف و اضافہ ہوا ہے اور ترتیب بھی بدل گئی۔

بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسمیں کچھ حوالے ثانوی درجہ کے ہیں جو ایک تحقیقی کتاب کی شان کے خلاف ہیں۔ اسکے متعلق عرض ہے کہ مصر میں شیخ محمود شلتوت ڈاکٹر طہٰ حسین۔ محمد حسین ہیکل۔ احمد امین محمد ابو زہرا۔ عبد المتعال الصعیدی اس صدی کے وہ صاحب اطلاع دقیق النظر محقق ہیں جنہوں نے اپنی عمریں دماغی کاوش اور تحقیق میں گذاری ہیں اور مختلف موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے ایسی کتابیں اس سے پہلے نہیں لکھی گئیں یہ قدیم ماخذوں سے زیادہ معتبر ہیں۔ بے شک عقیدہ کے لحاظ سے ان کا ایک خاص مسلک ہے جس کی انھوں نے ہر جگہ حفاظت کی ہے اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن واقعات کی تحقیق میں انکی بے لاگ رائے بہت قابل قدر ہے ہم نے وہی ذرا انکے نقل کئے ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ انکو ثانوی درجہ کہہ کے پایۂ اعتبار سے ساقط کر دینا تحقیق کی توہین ہے اسکے علاوہ سب قدیم ماخذوں سے لیا ہے اور ہر جگہ انکا حوالہ دیدیا ہے۔ فقط

ذرۂ ناچیز

شمس

۶-۶-۱۹۸۱ء

دیباچہ طبع دوم

یہ کتاب جب چھپنے کی منزل میں آئی تو میں نے اپنے ایک دوست کو صاف
کرنے کے لئے دی اور بدقسمتی سے یہ بھی کہہ دیا کہ میں غلط نویس بہت ہوں اکثر الفا
حروف چھوڑ جاتا ہوں جہاں ایسا خلا دیکھئے گا اسے پُر کر دیجئیگا۔ انھوں نے خلا پُر
یا نہیں البتہ بہت سی صحیح لفظیں غلط کر دیں سوا کو سوائے۔ قصا کو قصیٰ۔ افشا کو اف
اور نہیں معلوم کیا کیا اصلاحیں دیں چونکہ کاپی کی تصحیح بھی انہیں کے ذمہ تھی اس و
سے وہ تمام غلطیاں باقی رہ گئیں اس اڈیشن میں کاپیوں کی تصحیح میں نے خود کی ہے
امید ہے کہ انشاء اللہ غلطیاں بہت کم رہ جائیں گی اس کے علاوہ کچھ حذف
اضافہ بھی ہوا ہے اور ترتیب بھی بدل گئی ہے اب یہ کتاب پہلے سے بہتر ہو گئی ہے۔

بعض احباب نے کہا کہ اس کا نام اسلام کے عروج و زوال کی داستان ہونا
مگر اس نام کی اور اس کے علاوہ داستانِ اسلام سرگزشت اسلام وغیرہ نا
کتابیں کثرت سے شائع ہو چکی ہیں جن کا موضوع مسلمانوں کا عروج و زوال ہے اگر
اس طرح کا کوئی نام ہوتا تو اس کا موضوع بھی وہی سمجھا جاتا پھر ایک ہی کتاب کا
ایک ایڈیشن میں کچھ ایک میں کچھ مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اس وجہ سے اس کا وہی پُر
نام باقی رکھا۔ اجداد رسول خدا میں حضرت عبد مناف کا ذکر کتابت میں چھوٹ گیا۔

ذرۂ ناچیز

شمس

۱۵ رمئی سنہ ۱۹۸۶ء

دیباچہ طبع اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام ایک پیغمبرانہ نظامِ حیات ہے جس کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اقتدار کی مسند بوریائے فقر ہے۔ پیغمبر اسلام کا یہی کارنامہ ہے کہ وہ اقتدار کو تختِ شاہی سے اُتار کے مسجد کی چٹائی پر لائے مگر ان کے بعد وہ پھر تختِ شاہی پر پہنچ گیا اس کی یہ تاریخ اسلام سے بغاوت کی تاریخ ہے اور اقوامِ عالم نے اسی تاریخ سے اس کو پہچانا جس میں وہ حق بجانب تھے انھوں نے دیکھا کہ متفرق اور متحارب اعراب نے منظم ہو کے دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کرلیا اور مختلف مقامات پر شاندار حکومتیں قائم کر کے فلک بوس عمارتیں بنوائیں جن سے ویرانی اور شکستگی کے بعد بھی جاہ و جلال ٹپک رہا ہے۔

غرناطہ کا قصر حمراء اور قرطبہ کا قصر زہرا اب تک سیاحان عالم کو اپنی عظمت سے مرعوب کر دیتا ہے۔

بغداد کے قصر الشجرہ میں سونے کے درخت میں یاقوت و زمرد سلیم اور پکھراج کی چڑیاں ہوا کے جھونکوں سے چہکنے لگتی تھیں۔

دروازوں پر سندس و استبرق کے پردوں میں مروارید کی جھالر تھی۔

خلیفہ کی سواری اس شان و شکوہ سے نکلتی تھی۔ اتنی حسین و جمیل کنیزیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ بہادر ایسا کہ ایک ہی حملہ میں فلاں ملک فتح کر لیا۔ سخی ایسا کہ ایک ایک شعر پر لاکھوں انعام دے دیا۔

موسیقی کی اتنی سرپرستی کی کہ اس میں نئے نئے شعبے پیدا ہوئے۔

" یہ مذاق اتنا عام ہوا کہ بیگمات کی محلسرئی میں بھی گانا ہوتا تھا جس میں ماہر فن مغنیہ کی تعداد سو سے بھی زیادہ تھی " البرامکہ ص ۳۲۷

" بعض مغنیوں کو ایک ایک وقت میں چار چار لاکھ درہم انعام دیئے۔ " البرامکہ ص ۳۲۵

حریم خلافت سیلیوں تک چلا گیا تھا جس کے اندر قصر الخلد قصر الذہب اور قصر السلام کو خاص امتیاز حاصل تھا اور خلیفہ انھیں محلوں میں رہتا تھا قصر الخلد اپنی زیبائش و آرائش کے لحاظ سے خلد کا نمونہ تھا۔ اس کا وسطی گنبد اسی گز بلند تھا اور کلس پر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ (بت) تھا۔ تاریخ اسلام حصہ اول ص ۶۱ از مولانا معین الدین ندوی

یہ بادل کی وہ گرج اور بجلی کی وہ چمک ہے جس سے دماغ سُن ہو جاتے ہیں اور بصارت زائل ہو جاتی ہے اور اب تک حالی و اقبال اسی عظمت رفتہ کو اسلام کا کارنامہ بتا کے اس پر آنسو بہاتے فخر کرتے اور اسی فضا میں گم ہو جاتے ہیں۔

اس طرح اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ مخلوط ہو جاتی ہے اس مخلوط داستان کو تو بہت دُہرایا گیا مگر اسلام کے عروج و زوال کی داستان کسی نے نہیں بیان کی جو ہمیں عبرت بھی دلاتی ہے اور اسلام کی اصلی صورت بھی دکھاتی ہے اور یہ بھی بتاتی ہے کہ اسلامی نظام اس بُری طرح کیوں فیل ہو گیا کہ دنیا اس کا صحیح مفہوم بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔

آج ہم آپ کے سامنے اسی داستان کو بیان کریں گے اس کے لئے پہلے اسلام کو اس کی تعلیم سے پیش کریں گے پھر اس کی تاریخ بیان کریں گے مگر اس میں ایک بڑی دشواری حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کی اختلافی شخصیتیں ہیں جن کو حذف کر دینا ممکن نہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں کچھ شخصیتیں تاریخ ساز ہوتی ہیں ان کو اس دور میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مثلاً اسلام کی تاریخ کا پہلا دور عہد رسولؐ ہے جو ان کی وفات پر ختم

ہوتا ہے یہ احکام کے اترنے تعلیم کے پھیلنے اور مخالف قوتوں سے حرب وضرب کا دور ہے جس سے ابوطالب خدیجہ حمزہ جعفر علی اور انصار مدینہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مخالفین میں ابوسفیان ابوجہل اور ابولہب کا ذکر ضروری ہے۔ اس دور میں ابوبکر۔ عمر۔ عثمان کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس عہد میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں وہ مخالفت میں نہ ابوسفیان و ابوجہل و ابولہب کے شانہ بشانہ دکھائی دیتے ہیں نہ موافقت میں علی و حمزہ و جعفر کے پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں لیکن پیغمبر اسلام کے بعد کا دور انھیں سے شروع ہوتا ہے اور یہ لوگ بڑی فعّال حیثیت سے تاریخ اسلام میں نمودار ہوتے ہیں اُس دَور کی یہ عظیم شخصیتیں ہیں۔ اور تاریخ ساز ہیں یہاں سے ان کو حذف کر دینے سے تاریخ گونگی ہو جائے گی مگر اس میں دشواری یہ ہے کہ یہ اختلافی شخصیتیں ہیں حضرات اہل سنّت ان کی کوئی مذہبی حیثیت کو نہ مانتے ہوئے ان کے بے حد معتقد و مداح ہیں اور کوئی برائی یا کمی ان میں ماننے کو تیار نہیں۔ شیعہ ان کی کسی تعریف کے متحمل نہیں۔

میرے خیال میں دونوں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں یہ اختلافی افراد ہمارے آپ کے ایسے آدمی تھے کیا یہ ممکن ہے کہ ان میں کوئی اچھائی نہ ہو یا یہ ہوسکتا ہے ہے کہ سب اچھائیاں ہی اچھائیاں ہوں کوئی برائی نہ ہو دونوں باتیں عقل کے خلاف ہیں مگر کیتے۔ غضب کی بات ہے کہ سنّی برائیوں سے اور شیعہ اچھائیوں سے برہم ہوتے ہیں ہر ایک نے ایک بات اپنی جگہ فرض کرلی ہے اور اس کے خلاف کچھ سننے پر تیار نہیں۔ مان لینا تو بڑی بات ہے اپنے مفروضہ کے خلاف کسی کی بات خاموشی

---

[۱] چونکہ خلافت اہل سنّت کے نقطۂ نظر سے اصول دین میں داخل نہیں نہ یہ شخصیتیں مذہبی طور پر معصوم مانی جاتی ہیں اس لئے ان حضرات کو کوئی مذہبی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ ہم انھیں بزرگ مانتے ہیں۔

سے کسی لیں یہ کبھی ممکن نہیں۔

تعلیم یافتہ ممالک میں خاص و عام اپنے عقیدے یا اپنی تاریخ کے خلاف کسی کی رائے پر برہم نہیں ہوتے۔

گبن نے تخلیق عالم کی تاریخ انجیل کے خلاف لکھی اور کسی نے ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔

آج دو ہزار برس کی انجیلی روایت کے خلاف یورپ میں مشن کے محققین نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ کے باپ یوسف نجار تھے اور کسی نے کچھ نہیں کہا یہی بات اگر یہاں کہہ دی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے۔

یہ کتاب میرے لئے جان مجنوں پر دو گونہ عذاب کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں کچھ باتوں سے سنیوں کو کچھ سے شیعوں کو اور کچھ سے دونوں کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن میں ان کو بیان کرنا تاریخ کا صحیح رخ پیش کرنے کے لئے ضروری سمجھتا ہوں مگر اس میں دونوں کی خفگی کا سامنا ہے۔

میرے احباب میں شیعہ اور سنی دونوں ہیں بلکہ شیعہ کم اور سنی زیادہ ہیں اور مجھے کسی کی دل شکنی گوارا نہیں۔

اگر تھوڑی سی روشن خیالی سے کام لیا جائے یہ بات دونوں کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہونا چاہیئے کہ یہ کتاب نہ شیعہ کی ہے نہ سنی کی بلکہ ایک مورخ کی تحریر ہے جسے نہ شیعہ ہونا چاہیئے نہ سنی کیونکہ تاریخ کی رفتار نہ شیعت کی حدود کی پابند ہے نہ سنیت کی تو اس کو بیان کرنیوالا کس طرح اس کو کسی حد میں رکھ سکتا ہے۔

تاریخ کا تقاضا ہے کہ جو بات جس طرح ہوئی ہے اسی طرح بیان کی جائے چاہے وہ بیان کرنے والے کے عقیدے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو یا پھر دیانت سے ہاتھ اٹھا کے اپنے عقیدے اور طبیعت کے موافق اس کو توڑ مروڑ کے بیان کیا

جائے یہ تدلیس ہے۔

مگر یہاں یہ حقیقت نگاری دل آزاری بن سکتی ہے اور اس سے زیادہ میری شریعت میں کوئی گناہ نہیں اس کا حل صرف یہی ہے کہ ایسی زبان اور لہجہ اختیار کیا جائے جو کسی کے لئے دل آزار نہ ہو اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کے متعلق وہی باتیں کہی جائیں جنھیں اس دور کے مستند علمائے اہلِ سنت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے جیسے محمد حسنین ہیکل کی کتابیں ابوبکر صدیق اکبر، عمر فاروق اعظم یا شبلی کی کتاب الفاروق، طٰہٰ حسین کی الفتنۃ الکبریٰ اور انھیں لوگوں نے ان پر تحقیقی کام کیا ہے۔ میں نے انھیں سے کام لیا ہے اور ان کی اصل عبارتیں نقل کی ہیں وہ میری رائے کے موافق ہیں چاہے شیعوں کو اس سے اختلاف ہو۔ شیعہ احباب سے خاص طور پر معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے ان کے عقیدے کے خلاف حضرت ابوبکر و عمر کی تعریف کی ہے اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اس سے بہت برہم ہوں گے کہ ایک شیعہ کے قلم سے حضرت ابوبکر و عمر کی تعریف دنیا میں پہلی چیز ہے مگر ان کو اس سے مطمئن ہو جانا چاہیے کہ میں نے شیعوں کی ترجمانی نہیں کی ہے اور لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب نہ سُنّی کی ہے نہ شیعہ کی بلکہ ایک مورّخ کی تحریر ہے جو شیعیت یا سُنّیت کے حدود سے آزاد ہے اس طرح یہ کتاب شیعوں کی طرف سے نہیں پیش کی جا رہی ہے۔

حقیقت میں یہ شیعہ اور سُنّی دونوں کے لئے دعوتِ فکر ہے اگر وہ اس کو غور سے پڑھیں گے تو قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں اپنے بہت سے عقائد و خیالات کی اصلاح کر سکیں گے اور غیر مسلم قوموں کے سامنے اسلام کی اصل تصویر آجائیگی یہی اس کی غرضِ تصنیف ہے۔

دوسری معذرت مجھے شیعہ احباب سے یہ کرنا ہے کہ میں نے ان کی کتابوں سے کام نہیں لیا۔ مجھے اس کہنے میں معاف کریں کہ ان کی کوئی کتاب حدیث میں بخاری و مسلم کی ہم پلہ نہیں جس میں ان کے ماننے والوں کے نزدیک کوئی حدیث غلط نہ ہو

بلکہ صحاح کی دوسری کتابوں کی ایسی مستند کتابیں بھی ان کے پاس نہیں۔
تاریخ میں اخبار الطوال طبری ابن خلدون کامل ابن اثیر مروج الذہب طبقات
ابن سعد حبیب السیر تاریخ خمیس کا جواب ان کے یہاں نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ
حضرت علیؑ کی فضیلت کی بھی زیادہ تر حدیثیں خود ان کے طرق سے نہیں ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ "حضرت
علیؑ کے فضائل میں جو حدیثیں اہل سنت نے خوارج کے مقابلہ میں پیش کی ہیں وہی شیعوں
کے پاس ہیں" یہ سنیوں کا بڑا احسان ہے جس کا اعتراف ہر ایماندار آدمی کو
کرنا چاہیئے۔[ل]

شیعوں کا ایک بڑا دور تقیہ میں گذرا ہے جس میں ان کی ساری کوششیں فقہی
حدیثیں جمع کرنے پر منحصر رہی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ شیعہ اور سنی احباب میری معذرتوں کو قبول کر کے اس
کتاب کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں گے اسلام اور اس کی تاریخ کو صحیح طور پر
سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ فقط

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

ذرۂ ناچیز

محمد باقر شمس

یکم جنوری سنہ ۱۹۷۸ء

ل۔ برخلاف اس کے ان حدیثوں کو شیعوں نے علیؑ کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے کے لیے
سنیوں کے مقابلہ میں پیش کرنا شروع کر دیا اور وہ مجبور ہوئے کہ ان حدیثوں کے خلاف
کچھ ایسا کہیں کہ عوام راستے سے نہ ہٹنے پائیں۔

مقدمہ

انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمیشہ سے جس عذاب میں مبتلا ہے وہ زندگی کی ضرورتوں کو بہتر سے بہتر طور پر پورا کرنے کی خواہش ہے۔ اگر یہ اپنی محنت سے ہو تو اتنی عذاب نہ بنے لیکن ہوتا یہ ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے کمائیں اور ہم کھائیں یہی فساد کا وہ بیج ہے جس سے فتنوں کا درخت نکلا۔ حکمرانی، جاگیرداری، زمینداری، سرمایہ داری، سودخوری، چوری، ڈاکہ سب اسی کی شاخیں ہیں جنگ و جدل، جبر و تشدد، قتل و خونریزی، جغرافیائی حدبندی، نسلی امتیاز، طبقاتی تقسیم اس کے برگ و بار اور معاشرہ کے مہلک امراض ہیں ان کو روکنے کی جتنی تدبیریں کی گئیں، وہ اس کا ردِّ عمل تھیں یا انھیں کی تکمیل کی دوسری صورت۔

رہبانیت: فطری خواہشوں کا گلا گھونٹ کے جامعۂ بشری سے علیحدگی ہے جو ہیئت اجتماعیہ اور قانون فطرت کے خلاف ہے۔

بادشاہی: دوسروں کا مال چھپ کے لینے والے چور اور کچھ آدمیوں کی مدد سے چھین لینے والے ڈاکو کہے گئے۔ اس کے مفہوم میں حقارت اس لئے پیدا ہو گئی کہ وہ فرار ہو گئے اور ان کا دباؤ باقی نہیں رہا مگر ایک بڑی طاقت پیدا کر کے لاکھوں آدمیوں کا مال مستقل لوٹنے والوں نے عوام کو سمجھایا کہ ہم تمہاری جان و مال عزت و آبرو کے محافظ ہیں تمھیں آپس میں لڑنے سے روکیں گے تم میں عدل قائم کریں گے۔ اور دوسروں سے تمہاری حفاظت کریں گے مگر خود اپنے کو قیصر و سلطان کہا جس کے مفہوم میں بے انتہا عظمت و وقار کا تصور شامل رہا اور عوام کو رعایا کہا۔ جس کے مفہوم میں پستی موجود ہے۔

ادب و تعظیم کے معیار بنائے اقتصادی حدود قائم کئے رعب و داب اور عام
انسانوں سے ضروریات زندگی میں برتری ضروری اور اپنا جائز حق بتایا جس کے
نتیجہ میں وہ اور ان کے آگے پیچھے رہنے والے بلند اور عام مخلوق پست ہوگئی اس
نظام کو قیام امن کے لئے ضروری بتا کے اس کی بنیاد پہ قانون بنائے اور عوام کو
دبائے رکھنے کے لئے انہی کی گاڑھی کمائی سے فوج اور خزانہ قائم کر کے ان کی خودداری
عزت نفس حریت ضمیر کے سینہ پر اپنی شان و شوکت کا قصر تعمیر کیا اور اس کی بقا پر
انہیں کی جانوں کی قربانی چڑھاتے رہے۔ اور اس طرز قزاقی کا نام بادشاہی رکھا۔
عوام بھی ایک مدت تک اسی حالت میں رہتے رہتے اس کے عادی ہو گئے
اور ہر زبردست کے پنجہ دشمن سے محفوظ رہنے کا واحد علاج اسی کو سمجھے۔

جمہوریت

جمہوریت یا اشتراکیت یا دوسرے اقسام کی حکومت اسی بادشاہی کی
نقل ہے جس میں اس کا پورا نظام سمایا ہوا ہے مگر اس کی بنیاد نسلی
امتیاز اور کھلم کھلا جبر پر نہیں بلکہ فریب پر ہے ہوشیار لوگ عوام کو سبز باغ دکھا کے
اپنا ہم خیال بناتے اور شاہی اختیارات کا ایک بڑا حصہ حاصل کر کے عزت و فخر اور
شاہانہ عیش و عشرت کا سامان فراہم کرتے ہیں اور عوام کو یہ فریب دیتے ہیں کہ تمہاری
بنائی ہوئی حکومت ہے جبکہ ان کا عوام کو اپنے اوپر مسلط کر لینے کے علاوہ اس نظام
میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ وہ اسی بدحالی کا شکار رہتے ہیں۔

اگر علمی ترقی، فوجی قوت امن اور خوشحالی کو حکومت کی کامیابی کا معیار
سمجھا جائے تو بعض زمانوں میں دوسرے طرز کی حکومتیں عذاب بن گئیں اور
اور اکثر بادشاہوں کے زمانے بہتر ثابت ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا
ابھی تک کسی نظام پہ مطمئن نہیں ہوئی ایک سے عاجز آ کے اس کو چھوڑا تو دوسرا
پیدا ہو گیا بادشاہی سے لے کر اشتراکیت تک سب اسی الجھن کی پیداوار

جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نظام کی تعمیر میں خواہشات نفس کی برق خرمن اور دہقان
کا خون گرم مضمر ہے اور یہ نتیجہ ہے۔ انسانی تسلط کا اس بیداری کے زمانے میں
بہتر سے بہتر دستور بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جو قدم آگے بڑھتا ہے اس
سے شخصی تسلط کی بندش ڈھیلی ہوتی ہے مگر اس سے نجات کی کوئی صورت
سمجھ میں نہیں آتی۔

پیغمبری

اگر اس کا کوئی حل ہے تو وہ صرف اسلام ہے جس نے اس فتنہ کو جڑ
سے اکھاڑ دیا۔

یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ
فی الارض فاحکم بین الناس
بالحق ولا تتبع الھویٰ

اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنا خلیفہ
بنایا پس تم لوگوں پر حق کے ساتھ حکومت
کرو اور اپنی خواہش سے کچھ نہ کرو۔

حکمران وقت سے خواہش نفس کے نکلتے ہی انسانی تسلط و برتری
اور شان و شوکت کی ساری عمارت ڈھے گئی فوج ختم ہو گئی خزانہ خالی ہو گیا سب
آپس میں برابر ہو گئے نہ کوئی حاکم رہا نہ محکوم۔ حکومت صرف اللہ کی ہے جو انسان
کے علاوہ ہے تمام انسانوں کو آپس میں مل جل کے امن سے رہنے کے لئے اسی
خالق کائنات نے قانون بنایا جو انسان کی ضرورتوں میں ان کا شریک نہیں اور
اس کے نافذ کرنے والے انسان کو بھیج کے حکم دیا کہ تم اپنی خواہش سے کچھ نہ کرو
ظاہر ہے کہ اس نظام میں جتنا عدل ہوگا، اس سے زیادہ کسی میں خیال نہیں کیا
جا سکتا اور عدل ہی وہ چیز ہے جس سے، جامعۂ بشری مطمئن ہو سکتا ہے۔ معاشرہ
کی تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں اور انسانی حکومت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یہ بات نظری نہیں بلکہ عہد نبوی میں چودہ لاکھ مربع میل کے وسیع رقبہ میں دس
سال تک یہ نظام کامیابی سے نافذ رہ چکا ہے۔ آج بھی دنیا کو اسی سے سکون

حاصل ہو سکتا ہے

جو لوگ کہتے ہیں کہ کوئی نظام جہانبانی خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے قرآن وسنّت کی روشنی میں بنانا چاہیئے وہ اسلام سے نا آشنا ہیں اگر اسلام کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں تو قرآن میں نہ اس کے متعلق کچھ مل سکتا ہے نہ ڈھونڈھنے کی ضرورت ہے

اگر جامعۂ بشری کی پرامن زندگی منشائے خدا ہے تو اس کا پورا نظام قرآن میں ہونا چاہیئے نہیں تو دین کے کامل ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا۔

قرآن وسنّت کی روشنی میں دستور بنانے کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے ایک کام رہ گیا تھا اب اس کی طرف سے وہ انجام دیا جائے گا اور وہ اسے قبول کر کے اسلام کا جزو بنا دے گا۔

حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ایسے ہی موقع پر جب کہ دین میں قیاس کو داخل کیا گیا تو فرمایا۔

کیا اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا؟ یا یہ اللہ کے شریک تھے کہ انھیں اس کے احکام میں دخل دینے کا اختیار ہو اور یہ اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضامند رہے۔

یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اُتارا مگر اس کے رسولؐ نے پہنچانے میں کوتاہی کی۔

اللہ نے تو قرآن میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔ (نہج البلاغہ)

اگر قرآن کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے

اور نظام جہانبانی نوع انسانی کی سب سے اہم ضرورت ہے تو اس کا قرآن میں ہونا ضروری ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کوئی نظام جہانبانی نہیں ہے۔ ان کی غلط فہمی کے دو سبب ہیں۔ ایک دستوری ذہنیت دوسرے غلط مذہبیت۔

دستوری ذہنیت دستوری ذہنیت سے میرا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دماغ میں نظامِ حکومت کا ایک نقشہ ہے اسی پر پھیلا کے وہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور جب وہ سب خانے اس میں نہیں پاتے تو کہدیتے ہیں کہ اسلام کا کوئی نظام جہانبانی نہیں ہے۔

ان کے خیال میں نظام حکومت وہی ہے جو اشتراکیت، اشتمالیت جمہوریت یا بادشاہی کی طرح کی کوئی چیز ہو اسی وجہ سے وہ یہ نہیں کہتے کہ قرآن میں یورپ وامریکہ یا روس کی طرح کا کوئی نظام نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی دستور ہی نہیں اور دستور سازی سے ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ لادینی نظام میں اسلام کے قوانین داخل کریں اس سے وہ نظام اسلامی نہیں ہو جائے گا مگر یہ اسی کو اسلامی دستور کہیں گے۔ وہ خود کچھ نہیں بنائیں گے بلکہ دوسروں کی بنائی ہوئی چیز پر اسلام کا ملمع کریں گے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس کی مذہبی حیثیت ظاہر کرنا عوام کو فریب دینا ہے۔

غلط مذہبیت غلط مذہبیت سے میرا مقصد یہ ہے کہ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے فوراً بعد حضرت ابو بکر نے ان کے نظام میں کچھ تبدیلیاں کیں ان کے بعد حضرت عمر نے اس میں وسعت دی تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ نظام خدائی ہوتا تو اس میں تبدیلیاں کیوں ہوتیں۔ وہ اسے اسلام میں تحریف و ترمیم کے بجائے اسلام کے اس حصہ کو غیر الہامی ٹھہراتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کے عمل کی روشنی میں اسلام کو دیکھتے ہیں۔ اسلام کی روشنی میں ان کے عمل کو نہیں دیکھتے۔

ان تبدیلیوں کے صحیح و جائز ہونے کا یوں قائل ہونا پڑتا ہے۔ کہ عہد نبوی میں فوج اور خزانہ نہیں ملتا اور اس کے بغیر کوئی حکومت نہیں چل سکتی۔

حضرت عمرؓ نے اس کمی کو پورا کیا۔ مسلمان نبی اکرمؐ کے احترام میں ان کے نظام کو ناقص نہیں کہتے اور اس منزل سے خاموش گذر کر کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین کا نظام ہونا چاہیئے۔[1]

اس میں شک نہیں کہ اس نظام میں بڑی جاذبیت ہے ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ معمولی کپڑے پہنے مسجد میں چٹائی پر بیٹھا ہے، ہر شخص آزادی سے جو چاہتا ہے کہتا ہے ایک معمولی آدمی بھی اسے عدل پر مجبور کر سکتا ہے وہ مسائل شرعیہ میں لوگوں سے حدیث رسول پوچھتا اصحاب رسولؐ سے مشورہ کرتا۔ روم و ایران کے مدبروں سے رائے لیتا اور کہتا ہے۔ لا خلافۃ الا عن المشورۃ۔ وہ لوگوں کو اپنے اوپر نکتہ چینی کی دعوت دیتا اور کہتا ہے کہ مجھے ٹیڑھا دیکھو تو سیدھا کردو۔

ایک طرف یہ دوسری طرف پورا نظام حکومت مع فوج اور خزانہ کے موجود ہے۔ فتوحات کا سیلاب بڑھ رہا ہے۔ حدود سلطنت وسیع ہو رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی دولت کے مدینہ میں انبار لگے ہیں مسلمان دنیا کی غالب قوم بن رہے ہیں۔

یہ نظام حکومت کی وہ چمک ہے جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اور آج

---

[1] یہ توسیع بھی غلط ہے۔ خلفائے راشدین ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ اور حسنؓ کہے جاتے ہیں۔ عثمانؓ نے جو کچھ کیا اس کی تعریف آج تک کسی نے نہیں کی۔ علیؓ نے ابوبکرؓ سے لے کر عثمانؓ تک کے تمام قوانین منسوخ کر کے عہد نبوی کا نظام قائم کیا۔ امام حسنؓ نے اس کو باقی رکھا۔ اس طرح خلفائے راشدین کے یہ دو نظام نظر آتے ہیں ایک ابوبکرؓ و عمرؓ کا دوسرے علیؓ و حسنؓ کا نظام نبوی۔ حقیقت یہ ہے خلافت [illegible] کے نظام سے ابوبکرؓ و عمرؓ کا نظام مراد [illegible] ہے۔

کبھی یہ روشنی ہمیں کہیں نہیں دکھائی دیتی اور کچھ ترمیمی تبدیلیوں کے بعد یہ نظام آج کی ضرورتوں کو پورا کرسکتا

ہے۔ اور دنیا کا بہترین نظام بن سکتا ہے مگر یہ سب اسوقت ہے جب یہ مان لیا جائے کہ

یہ تبدیلی اسلئے ضروری ہے کہ حضرات اہل سنت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کے طریقہ پر کسی کو سربراہ مملکت بنانے

کیلئے تیار نہیں۔ مجھے تو یہ طریقہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سیاست داں ایک جگہ جمع ہو کے کسی کو منتخب

کرلیں یا ایک کمیٹی کے سپرد یہ کام کردیا جائے یا سربراہ مملکت اپنے بعد کیلئے کسی بہتر قسم کے آدمی کو نامزد کر جائے

بنا جائے۔ عوام سے رائے حاصل کرنے کیلئے انتخابی مہم چلانا جگہ جگہ جلسے اور تقریریں کرنا بتاتا ہے کہ

عوام کوئی رائے نہیں رکھتے ان طریقوں سے ان کے دماغوں میں رائے پیدا

کی جاتی ہے یہ سب رائے حاصل کرنیوالوں کیطرف سے ہوتا ہے یہ بہت شاطر قسم کے لوگ ہوتے ہیں عوام

کو حکومت سے کیا تعلق وہ تو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ حکومت ان پر قائم کرنیکی یہ ترکیب ہے کامیابی کے بعد

عوام کو وہ اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتے

ایسی صورت میں ہر پولنگ ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اقتدار عوام کو نہیں انھیں سیاستدانوں کو ملتا

ہے اور بجا طور پر ملتا ہے۔ جب عوام حکومت نہیں چلا سکتے تو یہ بہتر ہے کہ یہی سیاست داں

عہدو کیلئے آپس میں چند لوگوں کو منتخب کرلیں سیاستدان بے خبر عوام کو اس میں شریک کریں۔ حضرت ابوبکر نے بھی

یہی کیا حضرت عمر اسی طرح خلیفہ ہوئے مگر اب حضرات اہل سنت اس طریقہ کو اختیار کرنے پر تیار نہیں اور یہ بھی کہتے

ہیں کہ خلفائے راشدین کا طرز حکومت ہونا چاہئے مگر پہلے ہی مرحلہ میں اس طرز حکومت کی مخالفت پر آمادہ نظر

آتے ہیں تو یہ خواہش کس طرح پوری ہوسکتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ حضرات شیعہ کیا کہیں گے مگر وہ کہہ ہی کیا سکتے ہیں۔

وہ تو خود استخلاف کے قائل ہیں جو طریقہ حضرت ابوبکر نے اختیار کیا تھا فرق صرف اتنا ہے کہ شیعہ خدا کے حکم سے

استخلاف کے قائل ہیں مگر آج خدا کا حکم معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ رہ گیا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ حضرت ابوبکر کے

طریقہ کو اختیار کیا جائے یعنی جس طرح وہ خلیفہ ہوئے یا جس طرح انھوں نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا یا حضرت عمر نے

جس طرح اپنے بعد کیلئے خلافت کا انتظام کیا اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند اور لاکھوں

روپیہ برباد ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام میں سربراہ مملکت زندگی بھر کیلئے ہوتا ہے اور اسکے

کوئی خدائی قانون اس بارے میں موجود نہیں ہے۔

اسلام کا مکمل قانون حیات اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہونے کا دعویٰ بتاتا ہے کہ حکومت اس کے حدود سے باہر نہیں۔ اس صورت میں اس کا کوئی نظام بھی ہونا چاہیئے۔ خدا بندوں سے عبادت چاہتا ہے اس کے لئے طریقۂ عبادت بتاتا ہے نیک عمل چاہتا اس کے لئے نظام اخلاق بتاتا ہے لیکن زمین پر اپنی خلافت قائم کرنا چاہتا مگر کوئی نظام نہیں بتاتا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر اسلام کوئی قانون ہے تو وہی آئین حکومت بھی ہے ایسا نہیں ہے کہ اسلام کچھ اور ہو اور اس کا آئین حکومت کچھ اور وہ ایک نظام حیات ہے وہی دستور جہانبانی بھی ہے۔ قانون مذہب بھی ہے۔ آئین تمدن بھی ہے اور ضابطہ اخلاق بھی اور وہ قرآن ہے جو مدون و مکتوبی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے مگر اس کی حیثیت کو صحیح طور پر جاننا ضروری ہے۔

قرآن بتدریج نازل ہوا اور جیسا موقع ہوا اس لحاظ سے نازل ہوا۔ نظام جہانبانی بھی بتدریج نازل ہوا اس وجہ سے وہ کسی ایک جگہ نہیں ہے مختلف مقامات سے اس کو یکجا کرنا ہوگا۔ جن باتوں کی تاکید مقصود تھی ان کو بار بار کہا گیا ہے۔ نماز کی اکتالیس جگہ تاکید ہے زکوٰۃ کی بتیس جگہ اور رسولؐ کو تبلیغ اسلام میں زبردستی کرنے سے بتیس جگہ منع کیا گیا ہے اور ان سب کا موقع اور محل اور الفاظ بدلے ہوئے ہیں اس لئے کہ اس میں کتاب کی ترتیب نہ ڈھونڈھنا چاہیئے۔ جسے فرد یا جماعت لکھ کر عوام پر عائد کرتی ہے۔ یہ ضابطہ فرد اپنی مرضی سے اپنے اوپر عائد کرتا ہے اس لئے اس کو بار بار دھرایا گیا ہے اور تعبیرات میں الجھنے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک مفسر بھیجا گیا جس نے عمل سے ذرا ذرا سی بات سمجھا دی اور اپنا واضح راستہ بتا دیا کہ جہاں تم اس سے انحراف دیکھیں اسے منہاج نبوت کے خلاف سمجھیں۔

قرآن کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مخاطب براہ راست رسولؐ

سے ہے۔ اس وجہ سے اس میں اجمال بھی ہے اور ابہام بھی جس کا مفہوم سوا رسولؐ کے اور کوئی نہیں جانتا یا جن کو رسولؐ نے بتایا مصر کے مشہور عالم احمد امین اس دور کی اہم شخصیت تھے۔ وہ مورخ بھی تھے اور انشاپرداز بھی مفکر بھی اور محقق بھی ان کی کتاب فجرالاسلام ان کی ان تمام حیثیتوں کی جامع ہے۔ ہم نے اس سے اس میں استفادہ کیا ہے قرآن کے متعلق انھوں جو کچھ لکھا ہے وہ مختصر طور پر یہ ہے۔

”قرآن عربی زبان میں عربوں کے اسلوب کلام کے مطابق نازل ہوا اس کے باوجود سارا قرآن تمام صحابہ کی ذہنی اور عقلی گرفت سے باہر تھا۔ یعنی سب میں یہ اہلیت نہیں تھی کہ وہ سارے قرآن کو اجمالاً اور تفصیلاً ایک مرتبہ سن لینے کے بعد فوراً سمجھ سکیں کیونکہ کسی کتاب کا سمجھنا صرف اس زبان کے جاننے پر موقوف نہیں جس میں وہ کتاب لکھی گئی ہے بلکہ اس کے لیے ایک خاص عقلی درجہ کی ضرورت ہے کہ اس کو پڑھنے والوں کی عقل کا درجہ اور اس کتاب کا درجہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو۔

قرآن کے سامنے عربوں کی یہی حالت تھی۔ وہ سب کے سب قرآن کو اجمالاً اور تفصیلاً سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اس دعوے کے ثبوت میں ہمارے لیے وہ روایت کافی ہے جو انس ابن مالک نے بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب سے قرآن کی آیت ”فاکہۃ داب“ کے متعلق پوچھا کہ ”اب“ سے کیا مراد ہے انھوں نے فرمایا ہمیں تکلف اور تعمق سے روکا گیا ہے۔ حضرت عمر ہی سے روایت ہے کہ منبر پر کھڑے ہوئے اور دوران تقریر میں یہ آیت پڑھی

"ویاخذھم علیٰ تخوفٍ" پھر انھوں نے لوگوں سے تخوف کے معنی پوچھے بنی ہذیل کے ایک شخص نے بتایا کہ ہمارے یہاں تخوف کے معنی کم کرنے اور گھستے رہنے کے ہیں۔ اس کی سند میں اس نے یہ شعر پڑھا۔

تخوف الرحل منہا تامکاقرد ؛ کما تخوف عود بالنبعۃ السفن

بڑے بڑے کوہانوں کو کجاوہ گھس گھس کے کم کرتا رہتا ہے جیسے کمان کی لکڑی کو ریتی۔ مزید برآں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے سمجھنے کے لیے محض زبان کے الفاظ اور ان کے اسلوبوں کا سمجھنا کافی نہیں مثلاً "والعادیات ضبحاً والذاریات ذرواً" کے معنی اور یہ کہ "والفجر ولیال عشر" میں دس راتوں سے کیا مراد ہے؟ اس کی بہت سی مثالیں ہیں ان میں بہت سے اشارے ہیں۔ ان چیزوں کی طرف جن کا ذکر توریت میں آیا ہے اور ان کی تردید مقصود ہے ان آیات کو سمجھنے کے لیے محض زبان کا جاننا کافی نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

ھو الذی انزل علیك الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واُخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم	وہ خدا جس نے اے رسول تم پر کتاب نازل کی اس کی کچھ آیتیں محکمات ہیں اور وہی کتاب کی جڑ ہیں دوسری آیتیں متشابہ ہیں جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی غرض سے ان آیات کی تعبیر و تفسیر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ ان کا مطلب سوا اللہ کے اور راسخون فی العلم کے کوئی نہیں جانتا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ تمام صحابہ قرآن سمجھنے میں بڑا تفاوت رکھتے تھے۔" (فجر الاسلام)

علامہ احمد امین کے ان تصریحات سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے مبہمات سمجھنے کا ذریعہ خود رسول ص کے لیے کیا تھا مثلاً حکم ہوا اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو۔ رسول ص نے مخصوص ارکان کے ساتھ نماز قائم کی[1] نصاریٰ نجران سے مباہلہ کا حکم ہوا مگر افراد نہیں بتائے رسول ص مخصوص افراد کو مباہلہ میں لے گئے[2] اور فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا تھا کہ علی و فاطمہ حسن و حسین کی مدد سے مباہلہ کروں[3] یہ حکم قرآن میں نہیں ہے۔

رسول خدا نے پہلے حضرت ابوبکر کو سورۂ براءت کی تبلیغ کے لیے بھیجا اس کے بعد حضرت علی ع کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا کہ وہ ان سے سورہ لے کے اس کی تبلیغ کریں حضرت ابوبکر نے جب اس کی شکایت کی تو فرمایا مجھے خدا نے یہ حکم دیا کہ یا میں خود جاؤں یا اپنے ایسے کسی شخص کو بھیجوں یہ حکم قرآن میں نہیں۔

رسول اللہ نے پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حکم قرآن میں نہیں ہے چودہ برس کے بعد خدا نے قرآن میں فرمایا کہ ہم نے اسے تمہارا قبلہ مقرر کیا تھا۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون رسول ص کی پیروی کرتا ہے اور کون انحراف کرتا ہے۔

وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے علاوہ بھی رسول ص کو وحی ہوتی تھی۔ علما نے

---

[3] علامہ ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں لکھا ہے کہ رسول ص خدا نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا کہ علی و فاطمہ حسن و حسین کی مدد سے مباہلہ کروں یہی لوگ تمام لوگوں سے افضل ہیں اگر خدا ان سے کسی کو بہتر سمجھتا تو انھیں کو مباہلہ میں لانے کا حکم دیتا۔

صحیح بخاری [illegible]

اسے وحی غیر متلو کہا ہے۔ اسی بنا پر قرآن میں ارشاد ہوا۔ ما ینطق عن الھوٰی ان هوالا وحی یوحیٰ اس سے رسول کا ہر فعل اپنا فعل قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ نبی کا ہر قول بحیثیت نبی اور بربنائے وحی ہے اور قرآن ایسی کتاب نہیں جسے پڑھ کر ہم سب کچھ سمجھ لیں اور وہ ہمارے لئے کافی ہو۔ یتلو علیھم آیاتہ کے ساتھ ویعلمھم اسی لئے لگایا گیا کہ صرف آیات کا سنانا کافی نہیں اس کی تعلیم رسول ہی کا کام ہے۔ تدبر فی القرآن کا مطلب یہ ہے کہ رسول کے قول وعمل سے اس کا مطلب سمجھا جائے۔ اپنی رائے۔ اور عقل سے نہیں معلوم ہوا کہ ہمارا دستور قرآن ہے۔ ان تعبیرات کے ساتھ جو رسول یا راسخون فی العلم نے بتائی ہیں اور وہ مکتوبی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

علامہ احمد امین کہتے ہیں کہ صحابہ میں سب یکساں طور پر قرآن سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ مثال میں حضرت عمر کو پیش کیا ہے۔ خلیفہ ہونے کی وجہ سے انہیں بکثرت ایسے مواقع اکثر پیش آئے کہ قرآن وحدیث سے حکم معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی جس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ قرآن وحدیث کا علم نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے علم حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ضرورت پر جو سامنے ہوا۔ اس سے پوچھ لیا۔ کبھی مجمع عام میں دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے جس نے بتائی اُسے قبول کر لیا۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ ایران وروم کے مدبروں کے مشورے سے بہت سے قانون بنائے جس سے دوسری قوموں کی بہت سی باتیں اسلام میں داخل ہو گئیں۔ اب کسی بات کو جاننے کے لئے قرآن کی تعبیرات کو بڑی احتیاط سے سمجھنے کی ضرورت ہے ہم اسی احتیاط سے اسلامی نظام قرآن سے پیش کریں گے۔

دستور کی حقیقت

اسلام کا نظام جہانبانی پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ حکومت کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے۔

نظامِ حکومت جسے آجکل کی اصلاح میں آئین اور دستور بھی کہتے ہیں نام ہے نظامِ تمدن و معاشرت کا یعنی صلح و جنگ شادی بیاہ تجارت و زراعت صنعت و حرفت تہذیب و اخلاق خیر و خیرات سواری و باربرداری وغیرہ کے طریقے اور رسم و رواج تقسیم وراثت اور جرم و سزا کے قانون کو قانونِ تمدن کہتے ہیں چاہے وہ کسی درجہ کا اور کتنے ہی رقبہ میں ہو اس پر کسی کی بالادستی بھی ہوتی ہے کیونکہ کوئی نظام بغیر ناظم کے نہیں چل سکتا اگر ہر شخص کو بے نتھے بیل کی طرح چھوڑ دیا جائے تو نظامِ تمدن درہم و برہم ہو جائے اس لئے ایک ایسی طاقت کا ہونا ضروری ہے جو قاعدے اور قانون کی پابندی پر مجبور کر سکے۔

ابتدائے تہذیب یا قبل تہذیب میں یہ کام پنچائت اور سرپنچ انجام دیتا تھا عربی میں اس کو ندوہ اور شیخ کہتے ہیں۔

غیر تحریری دستور باقاعدہ حکومت قائم ہونے کے بعد پنچ وزیر اور سرپنچ بادشاہ بن گئے جو اپنی طاقت سے عوام کو دبا کے اقتدار حاصل کر لیتے تھے اور ان کے اختیارات خدائی کی حد تک پہنچ جاتے تھے۔

اس دورِ ترقی میں جب قوانین مرتب ہوئے تو پرانی بہت سی باتیں نظامِ حکومت میں داخل کر لی گئیں اس وقت ان کا نام آئین رکھا گیا جن باتوں کو نظامِ حکومت

ج کی گئیں مگر ہر آئین میں پرانے رسم و
میں داخل نہیں کیا گیا وہ رسم و رواج
رواج کو بھی ایک مضبوط حیثیت حاصل رہی اس طرح ان کی بھی قانونی
حیثیت رہی اگرچہ وہ سب آئین میں مذکور نہیں ہوئیں۔

اس نظام میں شخصی یا جماعتی طور پر ترمیم و تنسیخ حذف و اضافہ
حسب ضرورت ہوتا رہتا ہے ایسے آئین کو اصطلاح میں غیر تحریری کہا
جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد قدیم آئینی رواجوں پر ہوتی ہے جو مدتوں تحریر
میں نہیں آتے اور لکھے جانے کے بعد بھی بہت سی باتیں غیر تحریر رہتی ہیں اسے
لچکدار بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں ترمیم و تنسیخ پر کوئی پابندی نہیں برطانیہ
کا قانون ایسا ہی ہے۔

تحریری آئین

تحریری آئین فلسفی یا سیاست داں بناتے ہیں اس
کی بنیاد قدیم رواجوں پر نہیں بلکہ اس پر ہوتی ہے کہ
کیا مناسب ہے اور کیا ہونا چاہیے اس میں ترمیم و تنسیخ آسان نہیں دو
تہائی اکثریت یا رائے عامہ سے تبدیل ہو سکتی ہے اس لئے یہ آئین اصطلاح
میں مستحکم کہا جاتا ہے۔

تحریری آئین میں بھی یہ ممکن نہیں کہ سب کچھ لکھ دیا جائے اور غیر
تحریری بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں کچھ لکھا ہی نہ ہو دونوں تحریری
بھی ہوتے ہیں۔ اور غیر تحریری بھی۔

اسلامی دستور کی نوعیت

دستوروں کے وجود میں آنے کی جو صورتیں ہم نے لکھی ہیں وہ فطری ہیں ان کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اسلام بھی ایسا ہی نظام ہے لیکن اس کا مزاج دنیا کے دستوروں سے الگ ہے یہ تقویٰ و پرہیزگاری کا نظام ہے اور جو نظام خدا کی طرف سے نازل ہو جس کی تبلیغ انبیاء و مرسلین کریں جس کی تکمیل خاتم النبیینؐ پر ہو اور وہ اس کو اپنا نظام حیات بنائیں اور خدا اس کو آپ کا اسوۂ حسنہ کہے اور سب کو اس کی پیروی کا حکم دے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے نظام کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کے حرب و ضرب کے قوانین بھی تقویٰ مبنی ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلامی معاشرہ میں معیار عزت تقویٰ کیوں قرار پاتا یہ آئین غیر تحریری بھی ہے اور تحریری بھی مستحکم بھی ہے اور لچکدار بھی۔

غیر تحریری اس معنی میں ہے کہ اسکی تبلیغ تمام انبیاء کرتے آئے تحریری یوں ہے کہ پیغمبروں پر صحیفوں کی صورت میں نازل ہوا اور خاتم النبیین پر اسکی تکمیل ہوئی جو مکتوبی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ مستحکم اتنا ہے کہ اس کے کسی حکم میں تبدیلی نہیں ہو سکتی لچکدار اس معنی میں ہے کہ ہر حکم کی ادائی میں اس نے ممکن کی شرط لگا کے سہولت پیدا کی ہے مثلاً نماز کھڑے ہو کے پڑھنا واجب ہے اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کے پڑھو بیٹھ کے بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کے پڑھو۔ روزہ رکھنے کی سکت نہیں ہے تو روزہ ساقط ہے جب واجبات میں یہ سہولت ہے تو اور احکام میں کیوں نہ ہوگی مثلاً ذبیحہ کیلئے حکم ہے کہ اس کو قبلہ رو لٹا کے لوہے کے تیز دھار والے آلہ سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے اتنا ذبح کرو کہ شہرگ کٹ جائے اگر اس طرح ذبح نہ کیا تو وہ میتہ ہے اور حرام ہے اب فرض کیجئے کہ ہم نے جنگل میں ایک جانور شکار کیا ہمیں نہیں معلوم کہ قبلہ کدھر ہے جب تک ہم قبلہ کی تحقیق کریں گے اسوقت تک وہ تڑپ کے مر جائیگا اس لئے حکم ہے کہ جدھر گمان غالب ہو اسے قبلہ قرار دیکے ذبح کردو اگر یہ بھی ممکن نہیں ہے تو بغیر قبلہ کی تحقیق کے ذبح کردو وہ ذبیحہ ہے اور حلال ہے انھیں سہولتوں کی وجہ سے شریعت اسلامی شریعت سہلہ کہی جاتی ہے کسی بات میں عسر و حرج نہیں۔

اسلامی معاشرہ

بعثت نبوی کا مقصد ایسے معاشرہ کا قیام ہے جس کی ہر فرد بلند کردار ہو اس معاشرہ میں خدائے واحد تمام طاقتوں کا مرکز سب کا خالق اور حکمران اعلیٰ ہے۔ محمد رسول اللہ پیغمبر خاتم ہیں۔ ان کے قول و فعل کی بنیاد وحی پر ہے جس بات کا وہ حکم دیں اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو ان کی سیرت عمل کا نمونہ ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری کا دستور اور امن سلامتی کا منشور ہے۔ اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو اپنے کو دشمنوں کے سپرد نہ کرو بلکہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم کے لڑو۔

دنیا ایک دن فنا ہو جائے گی اس دن خدا سب کے اعمال کا حساب لے گا اچھے اعمال کے بدلے میں جنت کی ابدی راحت و آرام ہے اور برے اعمال کی سزا جہنم کی دہکتی ہوئی آگ یعنی یہ دنیا دار عمل اور آخرت کے لئے نیک اعمال کا سرمایہ اکٹھا کرنے کی جگہ ہے۔

تمام انسان آپس میں برابر اور بھائی بھائی ہیں اس برابری اور برادری کے جتنے تقاضے ہیں ان کو پورا کرنے کی تاکید ہے۔ بقائے نسل کے لئے شادی کسب معاش کے لئے سعی عمل تہذیب اخلاق کے لئے تحصیل علم تزکیہ نفس کے لئے عبادت۔ بیکار وقت ضائع کرنے لہو و لعب میں مشغول رہنے سامان تعیش بہم پہنچانے دولت جمع کرنے کی ممانعت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید ہے۔

ضرورت سے زیادہ خرچ اسراف اور شیطانی فعل ہے۔ روحانی سکون کے ساتھ جسمانی آسائش کے لئے آرام دہ مکان بنانا جائز

ہے۔ لیکن عالی شان نہیں جس کا مقصد اظہار دولت یا شان و شوکت ہو۔

لباس صاف پاکیزہ ہو مگر مرد کے لئے ریشمی نہیں جس سے تن آسانی اور نمائش ہو۔ ہاں! میدانِ جنگ میں پہن سکتا ہے کیونکہ یہاں نمائش یا تن آسانی کو دخل نہیں بلکہ اس سے تلوار کارگر نہیں لگتی اور زخم کو بھرنے کی موثر دوا ہے۔

ہر طیب غذا جو انسان کو صحت مند اور توانا رکھ سکے کھا سکتا ہے

تمام مفرحات جائز مگر مسکرات حرام ہیں جو کچھ دیر بھی انسان کو عمل سے غافل کر دیں۔

فطری خوش آہنگ آواز سن سکتا ہے مگر فنکار کا گانا نہیں جس سے سامعہ لذت میں ڈوب جائے اور محویت عمل سے غافل کر دے۔

سونے چاندی کے برتن کا استعمال حرام ہے جو دوسروں پر تفوق و برتری اور طبیعت میں رعونت پیدا کریں اللہ پر بھروسہ کرنا کسی سے مدد کا طالب نہ ہونا عدل انصاف وفائے عہد صدق مہمان نوازی قرابت داروں پڑوسیوں یتیموں بیواؤں مسافروں مسکینوں کی خبر گیری بیماروں کی عیادت ایثار و قربانی سخاوت رحمدلی، تواضع و خاکساری مزاح و ظرافت مصافحہ معانقہ پاک جسم اور پاک لباس میں رہنا سر میں تیل لگانا خط بنوانا کنگھی کرنا۔ اس معاشرہ کے اجزا ہیں اس تمدن کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے نماز روزہ زکوٰۃ حج جہاد امر بالمعروف نہی عن المنکر واجب کیا ہم ہر ایک کو اسی ترتیب سے پیش کریں گے۔ یہ اسلام کا نظام جہانبانی ہے۔

اسلامی دستور

(۱) نماز

ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر

الصلوٰۃ عمود الدین (حدیث) الصلوٰۃ معراج المؤمن

اسلامی آئین کی یہ پہلی دفعہ جو انسان کو منشائے خدا کے موافق ایک مفید شہری بناتی ہے۔ اس عمل سے انسان اسلامی معاشرے میں داخل ہوتا ہے قرآن میں ہے کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے اور حدیث میں ہے کہ نماز دین کا ستون ہے ایک دوسری حدیث میں اسے مومن کی معراج کہا ہے۔

دین اسلامی زندگی ہے۔ ایسی زندگی جس میں خدائے واحد کے سوا کسی کی قوت وطاقت کو تسلیم نہ کیا جائے اسی کے سامنے جھکے اور اسی سے مدد چاہے۔ عدل۔ صدق وفائے عہد۔ اخوت۔ مساوات سخاوت۔ ایثار رحم وکرم تواضع وانکسار شعار ہو اور یہ سب خدا کے لئے ہو۔ یہی عملی زندگی میں انبیاء ومرسلین شہدائ صدقین کا راستہ ہے جن پر خدا کی نعمتیں نازل ہوئیں قرآن میں انھیں کی عملی رفاقت کا حکم ہے اور نماز اسی سانچے میں ڈھلنے کی دعا ہے جو خدا کے سامنے کھڑے ہو کے دل کی گہرائیوں سے دن میں پانچ دفعہ پاک جسم پاک لباس پاک جگہ قبلہ رو خدا کی کبریائی کے تصور واعلان کے بعد اس طرح پڑھی جاتی ہے۔

شروع کرتا ہوں خدا کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریف اس خدا کے لئے ہے جو سب کا پالنے والا۔ سب سے زیادہ رحم کرنے والا روز قیامت کا مالک ہے میں فقط تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور صرف تجھ سے مدد چاہتا ہوں مجھے سیدھے راستے کی ہدایت کر وہ راستہ جس پر چلنے والوں کو تو نے نعمتیں عطا کیں اُن لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تو غضبناک ہوا نہ وہ راستہ جو گمراہوں کا راستہ ہے۔

اس کے بعد گھٹنوں تک جُھک کے کہے ، میرا پالنے والا عظیم اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے میں اس کی حمد کرتا ہوں پھر سر اُٹھا کے کھڑا ہو اور کہے :۔ خدا ستائش کرنے والے کی ستائش سُنتا ہے اس کے بعد پیشانی کو خاک پر رکھ کے کہے ۔ میرا پالنے والا سب سے بلند ہر عیب و نقص سے پاک ہے میں اسی کی حمد کرتا ہوں۔ اس کے بعد سجدے سے سر اُٹھا کے بیٹھے اور کہے ۔ میں اپنے پالنے والے سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں پھر یہ کہتا ہوا کھڑا ہو۔ میں خدا ہی کی طاقت سے اُٹھتا اور بیٹھتا ہوں۔ جو شخص خدا کے حضور میں اپنے کو حاضر سمجھ کے گڑگڑا کے عاجزی اور خاکساری کے ساتھ کھڑے ہو کر گھٹنوں تک جُھک کے خاک پر پیشانی رکھ کے ہر چار گھنٹے کے بعد یہ التجائیں کرتا ہے اس پر ایک ایسی کیفیت عبودیت طاری رہنا چاہیئے کہ وہ اپنے عمل سے اپنی التجاؤں کا مجسمہ بن جائے اور جتنی نمازیں پڑھے اتنا ہی اس کیفیت میں اضافہ ہو۔ یہی منشائے نماز ہے اور یہ کیفیت جس میں پیدا ہو جائے وہ ایسا مفید شہری بن جاتا ہے جس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے آدمیوں کی بستی جہاں بس جائے وہاں نہ پولیس کی ضرورت ہے نہ فوج کی

اسلام ہر فرد کو ایسا ہی بنانا چاہتا ہے اسی لئے اس نے نماز کو ہر شخص پر واجب کیا ہے اول مسؤل کہا ہے دین کا ستون بتایا ہے اور معراج مومن قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسان اس سے عمل کی ان بلندیوں تک پہنچتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ مقرب بارگاہ الہٰی ہو جاتا ہے۔

اگر نماز سے یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا نماز پڑھنے والا غیر خدا کو بھی قوت و طاقت سمجھتا ہے۔ اس سے مدد چاہتا ہے خدا پر بھروسہ صدق۔ عدل وفائے عہد اخوت۔ مساوات۔ ایثار مرضی الہٰی کا خیال اس کی زندگی نہیں تو اس کے پاس دین نہیں۔ اس کی نماز ایسا ستون ہے جس پر چھت نہیں آج کل کی نماز ایسی ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اسلامی معاشرہ نے اتنی قوتیں اور طاقتیں پیدا کر دی ہیں کہ ان کو تسلیم نہ کرنا اور ان سے رجوع نہ کرنا عملی زندگی میں ہر شخص کے لئے آسان نہیں رہا۔

جھوٹ، بے انصافی۔ بدعہدی۔ معاشرہ کا شدید عیب نہیں۔ اخوت و مساوات ایثار و قربانی کا کہیں وجود نہیں۔ اس نے نماز کو ایک جھوٹا عمل بنا دیا ہے۔ یعنی نماز پڑھنے والا خدا کے سامنے دن میں سترہ مرتبہ جو کچھ کہتا ہے

وہ سب جھوٹ ہوتا ہے۔ اس کے دلمیں کوئی ایسی خواہش نہیں ہوتی جس کا وہ اظہار کرتا ہے۔
اس نے نماز کو ایک رسمی عبادت سمجھ لیا ہے جس کا تعلق عمل سے نہیں وہ منتر کی طرح
نماز کو جپتا ہے۔ اور اپنے خیال میں فرض ادا کر دیتا ہے۔ اس کا قلب اس کی نماز
میں شریک نہیں ہوتا۔ اس کے معنی کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی۔ یہ نماز کے مقصد کے
خلاف ہے۔ خدا نے قرآن میں صاف کہا ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کر لینا کوئی چیز نہیں۔
ایک دوسری جگہ فرمایا ہے کہ نماز میں کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی نماز کے
مطابق ہوتی ہے۔

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون

والذین ھم عن اللغو معرضون

ایک طبقہ وہ ہے جو نماز کے معنی ہی نہیں سمجھتا۔ اسے نہیں معلوم کہ ہم کیا کہہ
رہے ہیں۔ یہ منشائے نماز کے خلاف ہے۔

(۲) روزہ!

لعلکم تتقون

سال کے ایک خاص مہینہ میں پورے مہینہ بھر روزہ رکھنے کا حکم ہے
اور اس سے متقی بن جانے کی توقع ہے ظاہر ہے کہ صبح سے شام تک کھانے پینے
سے پرہیز تقویٰ نہیں پیدا کر سکتا۔ اس کے کچھ لوازم اور بھی ہونا چاہییں اور وہ یہ ہیں۔

اذا صمت فلیصم سمعک وبصرک ولا یکون صومک یوم

فطرک اب صرف کھانا پینا نہیں بلکہ تمام برائیوں سے پرہیز کا نام روزہ
ہے۔ اس طرح کہ کان۔ آنکھ۔ زبان۔ یہاں تک کہ کھال کو بھی روزہ دار ہونا
چاہیئے۔ اس طرح انسان اپنی بہت سی جائز خواہشوں کو روک کے نفس پر قابو حاصل کرتا ہے

جو شخص پورے مہینہ بھر ایسی زندگی گزارے گا یقیناً اس کی عبادت پڑ جائے گی اور پھر اس کو برائیوں کے ارتکاب پر اسے کو شدید جنگ کے بعد آمادہ کرنا پڑے گا جس کی وہ ضرورت نہیں سمجھے گا بلکہ اس طرح کے روزے سے اس کو ایسا روحانی لطف اور سکون حاصل ہوگا کہ اس کا ہر روز روزہ ہو جائے گا۔ اور اس کی زندگی مثالی بن جائیگی۔ مستحب روزے اور ان کا ثواب اسی لئے ہے کہ واجب روزوں کے بعد بھی اگر طبیعت آمادہ ہو تو روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ اگر فاقے تک محدود ہوتا تو اس میں عبادت گزاروں کو لطف ہی کیا آتا اور صائم النہار کیوں بنتے۔ صرف فاقہ کونسی عبادت ہو سکتا ہے۔ جو لوگ روزے کو اس کے مقصد کے موافق نہیں رکھتے وہ فاقہ ہی کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

کم من صائم لیس حظہ من الصیام الا الظماء

کتنے روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزہ کا حاصل فاقے کے سوا اور کچھ نہیں۔

---

(۳) خمس وزکوٰۃ

اسلام میں حقِ ملکیت

جائز طریقوں سے جتنا کمائے وہ کاسب کی سوجھ بوجھ اس کی محنت کا ثمر اور اس کی ملکیت ہے جسے وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کا پورا حق رکھتا ہے لیکن مرد کو ریشمی کپڑے اور سونا پہننا حرام ہے کھانے پینے میں بہت صرف کرنا عالیشان عمارت بنوانا اس کو آراستہ کرنا یہاں تک کہ مسجد کے گنبد مینار بنانے اور اس کو آراستہ کرنے کی اجازت نہیں۔ سونے چاندی کے برتن کا استعمال حرام ہے۔ اسراف سے بچتے ہوئے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے بعد اس میں سے خمس و زکوٰۃ نکالنا واجب ہے جس طرح فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ اس سے زیادہ دینا سخاوت اور اپنی ضرورت کو روک کے دینا ایثار ہے جو خدا کو بہت پسند ہے۔

یہ اس لئے ضروری ہے کہ انسان کی فطری صلاحیتیں برابر نہیں ہوتیں کوئی بہت کماتا ہے کوئی اپنی ضرورتیں بھی پوری نہیں کر سکتا مگر وہ قوم کا ایک عضو ہے اور اپنے وجود سے پوری قوم کو فائدہ پہنچا رہا ہے جہاد میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ اگر قوم کو اس کے وجود سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے تو قوم کے مال میں اس کا حق ہے جس کا وہ احسان مند نہیں اس کی رقم جب واجب الادا ہو جائے تو فوراً نکال دینا چاہیئے کہ وہ اپنے مال کے نہ ملنے سے تنگی میں رہے گا۔ واجبات نکالنے والے کا بیان معتبر ہے کیونکہ یہ معاملہ ایمان کا ہے اور مومن پر جھوٹ کا شبہ جائز نہیں اس صورت میں نہ کسی دفتر کی ضرورت ہے نہ دفتری کی اس میں ہر شخص کا اتنا ہی حصہ ہے جتنی اس کو احتیاج ہے یہی عادلانہ تقسیم ہے

کسی کو اس کی ضرورت سے زیادہ دینے کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے کے حصہ یا
ہیں سے دیدیا اور جس کا حق ضائع ہوا اس کا مواخذہ دینے والے پر ہے
اور جس کو ضرورت سے زیادہ دیا اس کو اسراف فضول خرچی سامان تعیش
ہم پہنچانے یا دولت جمع کرنے کا موقع فراہم کیا جس کی اسلام اجازت
نہیں دیتا اس بارے میں حضرت علی علیہ السلام کا عمل یہ تھا کہ
وہ اتنا ہی دیتے تھے جتنے میں آدمی معمولی زندگی بسر کر سکے۔ حضرت عقیل نے ایک
دفعہ آپ کی دعوت کی کھانے کے بعد آپ نے پوچھا کہ اس میں کتنا آپ کا صرف
ہوا انھوں نے رقم بتائی فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اتنی رقم آپ
کے وظیفہ سے کم کر لی جائے تو آپ بسر کر سکتے ہیں اور دوسرے مہینہ
اتنی رقم کاٹ لی۔

ایک دفعہ انھوں نے اپنی تنگدستی بیان کر کے کچھ زائد لینا چاہا تو آپ
نے فرمایا رات کو آیئے گا وہ سمجھے کہ کچھ چھپا کے دیں گے۔ جب رات کو
آئے تو انکو بازار لے گئے اور ایک دوکان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا
کہ اس کا قفل توڑ کے مال نکال لیجئے انھوں نے کہا یہ تو چوری ہے فرمایا
آپ بھی تو مجھ سے یہی چاہتے ہیں۔

ایک دفعہ اپنی ناداری کا اظہار کر کے کچھ رقم طلب کی آپ نے لوہے
کی سلاخ لال کر کے کہا اس کو پکڑ لیجئے انھوں نے کہا جل جاؤں گا فرمایا
آپ دنیا کی آگ سے اتنا ڈرتے ہیں اور مجھے جہنم کی آگ میں ڈالنا چاہتے
ہیں یہ تھا عمل امیر المومنین جس میں اسلام کی روح دوڑ رہی ہے دوسروں
کو تو وہ اتنا بھی دیتے تھے کہ معمولی زندگی بسر کر سکیں اور اپنے لئے
اتنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ پیوند دار لباس پہنتے تھے اور اس کو اس وقت

اتار دئے تھے جب وہ پیوند قبول کرنے سے انکار کر دیتا تھا جو کی روٹی نمک سے کھاتے تھے کسی نے کہا کہ آپ کو لڑائیاں درپیش ہیں مقوی غذا کھایا کیجئے فرمایا کہ میں اس پر خوش ہو جاؤں کہ لوگ مجھے امیر المومنین کہتے ہیں۔ مومنین کی تلخیوں میں ان کا امیر نہ بنوں۔

زکوٰۃ کا منشا یہ ہے کہ اپنے بھائی کی تکلیفوں میں کام آؤ۔ یہ اچھا نہیں کہ وہ فاقہ کرے اور تم روپیہ جمع کرو وہ تمہاری ملکیت سہی مگر چھوڑ کے چلے جانے یا زمین میں دفن کر دینے اور لوگوں کی تکلیفوں میں کام نہ آنے میں کوئی عقلی پہلو نہیں ہے۔ یہ معاشرہ کے ساتھ غداری اور خدا کے ساتھ خیانت ہے۔ اس کا حکم ہے کہ اپنی آمدنی کو فضول نہ خرچ کرو۔

نوٹ :- ایک مستحق کو کتنی زکوٰۃ دی جائے فقہا نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اس صورت میں کسی ایک رائے کو بے وجہ اختیار کر لینا درست نہیں اس لئے ہم نے تقسیمِ زکوٰۃ کی فقہی حیثیت کو چھوڑ دیا ہے۔ اور عملِ امیر المومنین کو اختیار کیا ہے اور وہی قرینِ صواب ہے۔

فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

وآت ذی القربی حقہ والمسکین ابن السبیل۔ والمبذر تبذیراً ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

دولت کے معاملہ میں صاف طور پر یہ حکم ہے ۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وبن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ ان دیہات والوں سے اپنے پیغمبر کو جو اللہ نے دلوا ہے وہ اس کے رسول اور (رسول کے ذوی القربیٰ) یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ تم میں جو اغنیاء ہیں انہیں میں دولت گھومتی نہ رہے۔ حدیث میں ہے توخذ من اغنیاء ھم فترد الی فقرائہم ۔ دولت مندوں سے لو اور غریبوں کو دیدو لیکن ان سے چھین کے غریبوں کو دینے کا حکم نہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ خوشی سے اپنا مال غریبوں کو تقسیم کر دیں اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو اس کا مواخذہ خدا نے قیامت پر اٹھا رکھا ہے ۔ قرآن میں دولت کو منجمد کرنے کا مواخذہ ہے والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھہم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم

۱؎ جو لوگ امور خیر میں زر کثیر خرچ کرتے ہیں اور تجارت کے لئے روپیہ جمع رکھتے ہیں وہ اس آیت کی زد سے باہر ہیں کیونکہ اگر وہ سب روپیہ غریبوں کو بانٹ دیں تو نہ تجارت کر سکتے ہیں نہ امور خیر جاری رکھ سکتے ہیں۔

فذوقوا ما کنتم تکنزون دن جو لوگ سونا چاندی جمع رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو اس دن جبکہ ان کا جمع کیا ہوا سونا چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا اور ان سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائیگا کہ یہ وہی ہے جسے تم نے جمع کیا تھا اب اس کا مزہ چکھو۔

حج (۴)

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

جو لوگ تمکن رکھتے ہیں وہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ ان مقامات پر جائیں جہاں خدا کے حکم پر راضی ہونے اور اس کو بجالانے کا عظیم واقعہ رونما ہوا اور زمین پر اللہ کی عبادت کا پہلا گھر بنا اس واقعہ کو عملی طور سے بجالائیں عبادت خانہ کا طواف کریں اور وہی اسپرٹ اپنے میں پیدا کریں جو اس واقعہ کی اسپرٹ ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو وہ حج ایک فرض کی ظاہری ادائی سے آگے نہیں بڑھتا۔

اس کے علاوہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو حج ایک جگہ پر جمع کر دیتا ہے اگر وہ اس سے فائدہ اٹھائیں تو اپنے قومی اور سیاسی معاملات میں ہم آہنگی پیدا کرکے ایک بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ اتنے بڑے اجتماع سے یہ فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

جہاد

اسلام کا عسکری نظام

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے اسمیں جنگ کی قطعی ممانعت
ہے صرف حملہ آور سے جنگ کی اجازت ہے قرآن میں ہے وَقَاتِلُوا فِی
سَبِیلِ اللہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِینَ
اللہ کی راہ میں صرف انھیں سے قتال کرو جو تم سے قتال کریں اور اسمیں کبھی زیادتی
نہ کرو زیادتی کرنیوالوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ دوسری جگہ فرمایا ہے فلا
عدوان الا علی الظالمین ظالموں کے سوا کسی پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:۔

اسلام ایک دین امن وصلح ہے ان حالتوں کے سوا جن میں اسکی بقا کیلئے مدافعت
ناگزیر ہو جائے کبھی قتل وخون کی اجازت نہیں دیتا   انتخاب الہلال

جامعہ ازہر مصر کے استاد عبدالمتعال الصعیدی لکھتے ہیں:۔

اسلام میں جنگ کو محض دفاعی حیثیت حاصل ہے ناحق کسی کا خون
بہانا اور ناجائز طور پر اموال چھیننا اسلام کی رو سے حرام ہے اسلامی تعلیمات
کی رو سے اسی فریق سے جنگ کی اجازت ہے جو ان سے آمادہ پیکار
ہو اور اس کو تباہ کرنے کے درپے ہو (اس صورت میں بھی) زیادتی
کرنیوالوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ اسلامی سیاست صـ ۲۳۵

مولانا ابوالکلام نے زیادتی کی یہ صورتیں بتائی ہیں:۔

دشمنوں کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا انکے ناک کان کاٹ کے بطور
ہار گلے میں پہنے جاتے تھے۔ باندھ کے قتل کیا جاتا تھا کھانے پینے کیلئے راستہ

میں لوٹ لینا معمولی بات تھی اسلام نے جنگ کی حقیقت کو دفعتاً بدل کے ان
وحشیانہ افعال کو مثلاً آگ میں جلانے سے قطعاً روک دیا لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ
اِلَّا رَبُّ النَّارِ آگ کا عذاب صرف خدا دے سکتا ہے اور
غارت مال و متاع سے خاص طور پر مسلمانوں کو روک دیا۔

انتخاب الاول مطبوعہ ادستان لاہور صفحہ ۳۹۰

شبلی نعمانی نے ابو داؤد کے حوالہ سے یہ روایت لکھی ہے :۔
ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ مہم پر گئے اور
تنگ حالی و مصیبت پیش آئی اتفاقاً بکریوں کا ایک ریوڑ
نظر آیا سب اس پر ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں آنحضرت کو خبر ہوئی آپ
موقع پر تشریف لائے گوشت پک رہا تھا اور ہانڈیاں ابالی جا رہی تھیں آپ
کے ہاتھ میں کمان تھی اس سے ہانڈیاں الٹ دیں اور فرمایا لوٹ کا مال
مردار گوشت کے برابر ہے۔ (سیرۃ النبی)

حالتِ جنگ کے قوانین :۔

(۱) دشمن کے حملہ کرنے پر ہر شخص پر جہاد اور فنون جنگ میں مہارت
حاصل کرنا واجب ہے۔

(۲) عورتوں نابالغ لڑکوں اور معذوروں سے جہاد ساقط ہے۔

(۳) جہاد واجب کفائی ہے اگر کچھ لوگ دفاع کر رہے ہیں اور وہ
کافی ہیں تو دوسروں سے جہاد ساقط ہے۔

(۴) مجاہد رضا کار ہے تنخواہ دار کی جنگ نہ جہاد ہے نہ مال غنیمت میں

اس کا حصہ ہے نہ مرنے پر وہ شہید ہے۔

(۵) جنگ میں کامیابی کے بعد دشمن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کی اجازت نہیں

(۶) مغلوب دشمن کو قید کر کے یا تاوان جنگ لے کے چھوڑ دینا یا قیدی بنالینا یا احسان کر کے چھوڑ دینا جائز ہے۔

(۷) جنگ سے غیر متعلق لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے ان کو لوٹنے، ان کی کھیتیاں برباد کرنے کی اجازت نہیں۔

(۸) چونکہ اسلام میں جنگ دفاعی ہے اس وجہ سے اگر دشمن صلح کی پیش کش کرے تو دفاع کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس کی پیش کش کو مسترد کرنے کی اجازت نہیں۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذالک بانہم قوم لا یعلمون۔

اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ طلب کرتے تو اس کو پناہ دو تاکہ وہ کلام اللہ سنے پھر اس کو اس کی جائے امن پر پہنچا دو کیونکہ یہ لوگ نادان ہیں۔

اس کے بعد ہے فما استقاموا لکم فاستقیموا لہم ان اللہ یحب المتقین اگر وہ تم سے سیدھی طرح پیش آئیں تو تم بھی اُن سے سیدھی طرح پیش آؤ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ یہ ہے اسلام میں امن وسلامتی اور خون انسانی کا احترام اس دور بیداری میں دنیا اس حد تک نہ پہنچ سکی۔ عام انسانوں سے نیکی کا برتاؤ کوئی اہمیت نہیں رکھتا حملہ آور دشمن سے انصاف کا برتاؤ اسلام کے سوا کس قانون میں ہے۔ ایٹم بم گرا کے شہروں کو برباد اور نسلوں کو تباہ کر دینا ابھی کل کی بات ہے۔ اور

ہتھیار ہی آبادی پر ہم گرانا تو اصول جنگ میں داخل ہے اگر اسلام پر عمل کیا جائے تو صفحۂ ہستی سے جنگ کا خاتمہ ہو جائے۔

فوجی ٹریننگ

آنحضرت کے زمانہ میں ہر شخص بطور خود فنونِ جنگ میں مہارت حاصل کرتا تھا پوری قوم سپاہی تھی ضرورت پر لوگ جہاد میں شریک ہو جاتے تھے مستقل فوج کی ضرورت نہ تھی لیکن اب فوجی حکمت عملی مستقل فوج رکھنے پر مجبور کر رہی ہے اس میں جہاد کی روح باقی رکھنے کیلئے رضاکار فوج ہی کو اعلیٰ تربیت دیکے ضروری مقامات پر متعین کرنا چاہیئے اور دوسری رضاکار فوج زیر تربیت رہے جب وہ تربیت حاصل کرلے تو پہلی فوج ریٹائرڈ کر دی جائے وہ زیر تربیت اور ڈیوٹی پر حاضر فوج کے مصارف حکومت برداشت کرے اور یہ سلسلہ چلتا رہے اسطرح پوری قوم سپاہی بن جائے گی اور تنخواہ کی رقم بچ جائے گی جو اسلحہ کی خریداری پر خرچ کی جائے اور آج کی فوجی حکمت عملی کے مطابق اسلحہ فراہم کیا جائے اسلام اسکی اجازت دیتا ہے آنحضرت نے جہاد کے موقعوں پر اکثر لوگوں کو اسلحہ دیا ہے۔

اسلام کا عدالتی نظام

کسی بات پر نزاع ہو کے دو فریق بن جانا ہر زمانے میں رہا ہے اور اس کے فیصلہ کی کوئی نہ کوئی صورت بھی رہی ہے اسلام نے اسکو باقاعدہ محکمہ بنتی اور ایک مدون قانون دیا کہ اس کے مطابق فیصلہ ہوا کرے۔

قانون شہادت: قانون شہادت بنایا گواہی چھپانے کو حرام قرار دیا گواہ
کا معیار بتایا کہ کن صفات کے آدمی کی گواہی قبول کی جانا چاہیئے اور کس طرح کے
آدمی کی گواہی نہ قبول کرنا چاہیئے۔

نصاب شہادت: نصاب شہادت بتایا کہ کس معاملہ میں کتنے گواہوں کی ض
کس طرح کے مقدمات کا فیصلہ قسم پر کیا جاسکتا ہے اور کس دعویٰ کا فیصلہ مدعی کے
ثقہ ہونے پر کیا جاسکتا ہے چاہے وہ اپنے فائدہ ہی کیلئے کیوں نہ ہو۔ کس جرم کا جرما
(کفارہ) ہے۔ کس جرم کی کیا سزا ہے۔

رشوت: رشوت لینے اور دینے والے کو جہنمی قرار دیا اس کے علاوہ ایسے قانو
بھی بنائے جو اسلام سے پہلے نہ تھے۔

قانون شفعہ: یہ اتنا معقول اور ضروری تھا کہ آج ساری دنیا میں رائج ہے۔

شبہ مفید ملزم: دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے یہ قانون بنایا کہ اگر ارتکاب ج
میں شبہ ہو جائے تو ملزم کو سزا نہیں دی جانا چاہیئے۔ آج یہ قانون ساری دنیا نے قبول کر

قمار: قمار کو سب سے پہلے اسلام نے جرم قرار دیا ہے۔

قصاص: قصاص کا قانون ایسا عادلانہ ہے جس کی معقولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا
فمن اعتدا علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ
جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اتنی ہی زیادتی اس پر کرو جتنی اُس نے تم پر کی ہے اور اللہ
ڈرو جان رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْن
اگر بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہیں ستایا گیا ہو اور اگر صبر کرو تو وہ بہتر ہے۔
پھر فرمایا۔
وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلها فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔

بُرائی کا بدلا اتنی ہی بُرائی ہے جتنی کی گئی ہو اور جو معاف کردے اس کا اجر اللہ پر ہے۔ کتنا عادلانہ قانون ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کا قانون نہ صرف غیر عادلانہ ہے بلکہ غیر معقول اور بہت حد تک احمقانہ ہے مثلاً کسی نے ایک شخص کی ناک کاٹ لی اسلامی قانون میں اس کی ناک بھی اتنی ہی کاٹی جائے گی دنیا کے قانون میں ناک کاٹنے کی سزا چھ مہینہ جیل ہے جس کی ناک کٹی اس کا چہرہ زندگی بھر کے لئے مسخ ہو گیا اور ناک کاٹنے والا چھ مہینہ کی جیل بھگت کے مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا گھوم رہا ہے کیا یہ انصاف ہوا۔

شریعت موسوی میں برابر کا قصاص تو ہے مگر عفو نہیں ہے

عیسوی شریعت میں عفو ہے قصاص نہیں اسلام نہ قصاص کے حق سے محروم کرتا ہے نہ عفو کے اجر سے وہ دونوں کا جامع ہے۔

(۷) امور خیر
پبلک ورکس

اسلام کی زبان میں پبلک ورکس کا نام امور خیر ہے۔ ان کی نہ کوئی تعداد ہے نہ نام ہے جس کی فہرست بنائی جا سکے۔ ہر وہ کام جو کسی فرد یا جماعت کی بھلائی کے لئے کیا جائے امر خیر ہے۔ یہاں تک کہ جانوروں کی خدمت بھی امر خیر ہے۔ بے شک کچھ باتیں ایسی ہیں جن کو بہت اہمیت حاصل ہے ان کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم میں انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔

جن کا مہیا کرنا حسب ضرورت و بقدر امکان ہر شخص پر واجب اور حکومت کی پہلی ذمہ د
اور ملک کی آمدنی کا پہلا مصرف ہے اور وہ سات ہیں۔
(۱) غذائی اشیاء کی فراہمی (۲) آب رسانی (۳) لباس کی فراہمی (۴) طبی ا
(۵) تعلیمی سہولت (۶) مکان (۷) شادی کا محکمہ جس میں جہیز اور مہر وغیرہ کے قوانین بنا
ثانوی درجہ کے امور خیر جن کو اہمیت حاصل ہے وہ پانچ ہیں۔
(الف) مواصلات ریل ہوائی جہاز بس سروس (ب) رسل و رسائل ڈاک
تار ٹیلیفون (ج) سڑکوں کی تعمیر ان کی صفائی اور روشنی (د) ٹریفک پولیس
(ھ) فائر بریگیڈ یہ سب عبادت بھی ہیں اور تجارت بھی مسافروں کی خدمت
کرنے کا بڑا اجر ہے اور سڑک بنانے کی اتنی اہمیت ہے کہ شیر خدا نے
اپنے زمانہ تعطل میں ۷ میل لمبی سڑک تعمیر بنائی اور ہر میل پر پتھر نصب کیا جس
پر لکھا تھا ھذا میل علیؑ اس میں کتنے دن لگے ہوں گے اور کتنا وقت صرف ہوا
ہوگا اگر یہ بہت بڑی عبادت نہ ہوتی تو وہ روزمرہ کی عبادت چھوڑ کے
اتنا وقت کیوں صرف کرتے۔ حدیث میں راہ سے پتھر اور کانٹا ہٹانا کو
ایک طرح کا صدقہ کہا گیا ہے جس سے بلا رد ہوتی ہے علماء نے کہا ہے کہ
فی سبیل اللہ میں سڑکوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔
یہ سب جدید تمدن کی پیداوار ہیں مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے
ہوتی ہے سفر جو سقر کا نمونہ تھا اب تفریح سے بدل گیا۔ کے۔ ایم
کے۔ ایس۔ سی۔ کے ڈی اے ٹریفک پولیس فائر بریگیڈ سب خدمت
خلق و رفاہ عام کے ادارے خدا و رسول کی خوشنودی کا باعث

(۶) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلامی احکام انسانی ضمیر کو بیدار کرتے ہیں اور جرم کا تعلق صرف ضمیر سے ہے۔ جس کا ضمیر بیدار ہو جائے گا وہ کبھی جرم نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد چھپ کے گناہ کرنے کا بھی ایک نگراں ہے جس سے چھپنا اور اس کی گرفت سے بچنا ممکن نہیں جرائم پر سخت پہرے بٹھانے کے بعد برائیوں سے روکنا اور اچھائیوں کا حکم دینا ہر فرد پر واجب کیا معاشرہ کو صحت مند رکھنے کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ والمومنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر مومنین و مومنات آپس میں ایک دوسرے کے نگراں ہیں اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں یہی اسلام کا امتیاز ہے کہ اس نے ایک کو دوسرے کا نگراں بنایا ہے اور ہر شخص کو پولیس سے زیادہ اختیارات دیئے ہیں اور واجب کیا ہے کہ اچھائیاں کرنے کا حکم دو اور برائی کرنے سے روک دو۔

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ" تم بہترین امت اس لئے ہو کہ اچھائیاں کرنے کا حکم دیتے ہو اور برائیاں کرنے سے روک دیتے ہو، جو کسی کو برائی کرتا دیکھے اس کو قاضی کے سامنے پیش کر کے سزا دلوا سکتا ہے۔

حضرت عمر کے زمانہ میں ان کے سالے قدامہ بن مظعون نے شراب پی جارود نے حضرت عمر سے شکایت کی انھوں نے کہا میں تحقیق کر دونگا اس نے کہا تم اپنا سالا ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑنا چاہتے ہو اور گواہ پیش کر کے اپنے سامنے حد جاری کرا کے اٹھا جب نگرانی کی یہ صورت ہے تو پولیس کی کیا ضرورت ہے اسلامی نظام میں پولیس نہیں ہے۔

تولاّ و تبرّا

قرآن میں جتنی تولا و تبرا کی تکرار ہے اتنی کسی بات کی نہیں۔

فطری حیثیت سے سخاوت شجاعت، صدق و انصاف انسانیت کا زیور ہے انہیں سے کچھ اوصاف اگر کسی میں ہوں تو وہ ہر دل عزیز ہو جاتا ہے اور لوگوں میں محبت کا مرکز بن جاتا ہے بخلاف اسکے بزدلی، کذب، ظلم، غضب چوری انسانیت کو مسخ کر دیتے ہیں ایسے لوگ معاشرہ میں نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں جن میں ارادہ و مصلحت کو دخل نہیں ہوتا یہ قلبی کیفیت ہے جس پر انسان مجبور ہے۔

انصاف کی رو سے اچھے محبت اور برے نفرت کے مستحق ہیں مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر بُروں کو اچھا کہا جائے تو اچھوں کے لئے ہمارے پاس کیا رہ جاتا ہے؟

احادیث کے لحاظ سے اسکو نظام تمدن میں بڑی اہمیت حاصل ہے یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے زیادہ معاشرہ کی اصلاح کا ضامن ہے اچھوں سے محبت اور بروں سے نفرت کا اظہار بروں کو ذلت کا احساس پیدا کر کے اپنی اصلاح کی طرف مائل کرے گا

یہ ہدایت و اصلاح کی ذات کا موثر عمل ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور آخر

نتیجہ نکالا ہے:

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ اخلاق نرمی و آشتی اور عفو و محبت،

نام ہے اور کسی کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا اخلاق کے اصول کے

خلاف ہے۔ وہ اخلاق کے نام سے ایسی بد اخلاقی کی تعلیم دنیا کو دینا چاہتے ہیں کہ

اس پر ایک لمحہ بھی عمل کیا جائے تو دنیا شیطان کی تخت گاہ بن جائے

اور اعمال صالحہ کا نظام درہم و برہم ہو جائے قانون اخلاق

حسن و قبیح نور و ظلمت کی تمیز اور حق و باطل کی تفریق کوئی

خدا کو خوش کرنے والی چیز دنیا میں باقی نہ رہے۔

یاد رکھو کہ ہر محبت کے لئے ایک بغض لازمی ہے کوئی

محبت نہیں کر سکتا جب تک کہ متکبر و مغرور نہ ہو نیکی کو پسند

کرے گے تو اسکی خاطر بدی کو برا کہنا ہی پڑے گا۔ خدا کو خوش

کرنا ہے تو شیطان کی دشمنی کی پروا نہ کرو۔"

یہ ہے قرآنی تعلیم اور دین فطرت کا اہم اصول جو

مسلمان کے ایمان کا جزو ہے۔

تعلیم

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم — اطلبوا العلم ولو کان بالصین

اسلام سے پہلے دنیا میں علم پھیلانے کا رواج نہ تھا ہر جگہ مخصوص گھرانوں اور ذاتوں میں علم محدود تھا اسلام نے علم حاصل کرنے اور اسکو عام کرنے کی تاکید کی قرآن نے رسولؐ کو بھیجنے کی غرض تعلیم کتاب و حکمت بتائی ہے علم کی فضیلت علما کی منزلت علم حاصل کرنے اور اس میں مدد دینے کو ثواب بتایا مسلمانوں نے علم حاصل کیا اور دنیا میں پھیلایا آج جو علم کی روشنی ہے وہ مسلمانوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے بہت سے علم ایجاد کئے فن تاریخ و سیر کی ابتدا مسلمانوں نے کی اور اپنے عہد کو تاریخی عہد بنایا ہے جیسے انگریزی میں ہسٹاریکل پیریڈ کہا جاتا ہے۔ سائنس کے موجد امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ انھوں نے اپنے شاگرد جابر بن حیان کو سائنس پر بہت سے مقالے لکھوائے جن کی مجموعی تعداد تقریباً دو ہزار صفحے جابر نے اسے کتابوں کی شکل میں الگ الگ مرتب کیا ان میں سے ستائیس کتابیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں اور جابر کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں اکثر لاطینی اور جرمنی زبان میں ترجمہ ہو کر ۱۴۷۳ اور ۱۶۱۰ء کے درمیان نوربرگ اور فرینکفرٹ (بلاد جرمنی) میں شائع ہوئی ہیں۔ چند کتابیں عربی میں لیدن (ہالینڈ) کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ فرانسیسی مستشرق کرا ڈی واکا بیان ہے کہ ہمارے کتبخانہ میں جابر کی بائیس تصنیفیں عربی میں موجود ہیں۔ ان کتابوں کی مدد سے جابر نے سائنس میں بڑا تجربے کئے جو موجودہ کیمسٹری کی بنیاد ہیں۔ نامیٹرک [illegible] ایسڈ، ہائیڈروکلورک ایسڈ ایجاد کئے تیزاب کے استعمال کیمیا میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں سونے اور چاندی کی ماہیت اسی نے دریافت کی کاسٹک پوٹاش۔ امونیا سالٹ جز جہنم (سلور نائٹریٹ) راسب احمر یعنی (Red oxide of Mercury) ترشیح تقطیر۔ تصعید۔ تبلور اور تکلیس کے اصول سب سے پہلے اس نے قائم کئے اور جو کچھ تجربہ کیا وہ کسی چیز کو راز میں نہیں رکھا انسانی خلق کے حساب سے اسی کی بنیاد پر آج تجربے کئے جا رہے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ سائنس اسمان پہنچ گئی مگر جسقدر تجربہ کیا راز میں رکھا کیونکہ آج کے اہم تجربے نفع انسانی خلق کیلئے نہیں بلکہ خلق خدا کی جان لینے کیلئے ہیں اور تجربہ کرنیوالے چاہتے ہیں کہ ہم دنیا کی زیادہ سے زیادہ جان لے سکیں اور کوئی دوسرا ہم سے آگے نہ بڑھنے پائے یہ ہے انسانیت کی فلاح کے علمبرداروں کا عمل مسلمانوں کے تجربے

مساوات

مخلوقات عالم کی جتنی قسمیں ہیں ان کی ہر فرد آپس میں برابر ہے ان
میں انسان اپنے اوصاف کی کثرت سے سب پر اشرف ہے لیکن اپنی نوع میں سب
کے برابر ہے اگر کسی کو فوقیت ہوسکتی ہے تو اوصاف کی بلندی سے۔
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اسلامی معاشرہ میں معیار عزت تقویٰ ہے۔
لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی ذہنی وجسمانی صلاحیتیں برابر نہیں ہوتیں۔ انبیاء ورسل
برابر نہیں۔ خود اللہ نے کہا ہے کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی تو عام برابری کیسے
ممکن ہے؟[1]
حقیقت یہ ہے کہ خدا کا منشاء عام مساوات ہے۔ خدائی قانون کی بنیاد مساوات
پر ہے جو عدل کا تقاضا ہے۔ ہوا۔ پانی۔ روشنی سردی گرمی۔ بھوک۔ پیاس۔ توالد و
تناسل صحت ومرض وموت وحیات کا قانون سب کے لئے یکساں ہے۔ پیغمبر کو سب
کی ہدایت کیلئے بھیجا احکام اسلام سب کے لئے یکساں ہیں جہاں ہم مساوات کے خلاف دیکھتے
ہیں وہ انسانی دست برد کا نتیجہ ہے مثلاً ہوا۔ سردی گرمی پر انسان تسلط نہیں حاصل
کرسکا وہ سب کے لئے یکساں ہے۔ پانی کے استعمال میں جہاں انسانی دست برد کا دخل
ہوگیا وہاں مساوات نہیں رہا۔ زبردست نے کمزور کا حصہ چھین لیا۔ یہی زمین کیلئے
ہوا اور منشائے قدرت کے خلاف ہوا۔ اسلام میں زمین اللہ کی ہے افتادہ زمین کو

---

[1] بیٹا بالکل باپ کی طرح نہیں ہوتا۔ ایک باپ کے کئی بیٹے صورت اور فطرت میں یکساں نہیں ہوتے
اس کی وجہ یہ ہے کہ انعقاد نطفے کے زمانے میں جو حالات اور خیالات ہوتے ہیں اس کا اثر نطفے
پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو آدمی شکل وصورت عادت اور خصلت میں ایک سے نہیں ہوتے
ہر ایک کے دماغ بلکہ تمام اعضاء وجوارح کی قوتیں مخصوص ہوتی ہیں یہانتک کہ ہاتھ کی لکیریں تک
ایک کی دوسرے سے نہیں ملتیں۔ آدمی ایک حالت پر نہیں رہتا ہر لمحہ اس کو متغیر کرتا ہے جس لمحہ میں
استقرار حمل ہوتا ہے ویسا ہی بچہ ہوتا ہے مستثنیات سب میں ہوتے ہیں۔

جو شخص جس حد تک مصرف میں لے آئے وہ اس کی ہے۔

نضفلنا بعضھم علیٰ بعض کا مطلب یہ نہیں کہ خدا نے بے وجہ کسی کو فضیلت دے دی۔ بلکہ ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق درجہ دیا۔

ذہنی و جسمانی قوتوں میں مساوات نہ ہونے کا ذمہ دار بھی انسان ہے۔ ماں باپ خاندان۔ گرد و پیش کے حالات اور تربیت کا اثر انسان پر ہوتا ہے جیسا وہ خود ہوتا ہے ویسا ہی اس کا خون ہوتا ہے ویسے ہی جراثیم ہوتے ہیں ویسا ہی نطفہ ہوتا ہے اور اس کے مطابق اس کی فطرت ہوتی ہے۔ ہزاروں برس سے بہت سی قومیں پستی میں پڑی ہیں اعلیٰ صلاحیت کا آدمی اعلیٰ ہی خاندان میں پیدا ہوتا ہے اسے خدا کی طرف سے سمجھنا درست نہیں اگر وہ بھی اپنے اخلاق کو بلند کریں علم حاصل کریں تو بلند ہو جائیں مگر چونکہ ان کے نطفہ میں پستی ہے اس وجہ سے ان کی فطرت بھی پست ہے وہ اپنی حالت پر مطمئن ہیں اور اس سے نکلنے کی کوشش نہیں کرتے اس کی ذمہ داری خدا پر عائد نہیں ہوتی اس نے سب کو بلند اخلاق اختیار کرنے اور تحصیل علم کی تاکید ہے جو اس پر عمل نہیں کرے گا وہ آپ سے آپ پستی میں رہے گا۔

اخوت

انما المومنون اخوۃ !

مساوات اسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب آپس میں اخوت کا برتاؤ ہو۔ ایک کی تکلیف دوسرا نہ دیکھ سکے اپنے کھانے میں بھوکے کو اور مال میں تنگ دست کو شریک کرے ایسا نہ ہو کہ ایک فاقہ کرے اور ایک چاندی سونے کے ڈھیر پر بیٹھا رہے

غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

اسلام نے سب کے ساتھ حسن خلق سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ ہر مذہب کے معزز لوگوں کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے غیر مسلم اگر مہمان ہو تو اس کا اکرام کرنے کا حکم دیا ہے پڑوسی ہو تو اس کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اور اگر غیر مسلم برسر پیکار نہ ہوں تو ان کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔

لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین الممتحنۃ

جن لوگوں نے تم سے دین کے لئے جنگ نہیں کی تم کو گھر سے نہیں نکالا ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آنے کو اللہ منع نہیں کرتا ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ کیونکہ اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

"حضرت علی نے اپنے ایک عامل کو وہاں بھیجا جہاں غیر مسلموں کی آبادی زیادہ تھی ان سے فرمایا کہ میں تمھیں ایسی جگہ بھیج رہا ہوں جہاں کچھ تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور کچھ صورت شکل میں تمہارے بھائی ہیں ان سے اس طرح چشم پوشی اور درگذر کرنا جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے ساتھ کرے یہ ہے اسلام میں انسان دوستی کا سبق" بقول جاج جرداق کسی مذہبی پیشوا نے دوسرے مذہب والوں کے لئے یہ بات نہیں کہی۔ آج تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے مگر چودہ سو برس پیچھے ہٹ کے دیکھیے تو ساری دنیا میں انسانیت فریادی نظر آئے گی اگر آج کی طرح انسانیت کا احترام ہوتا تو نہ قرآن میں عام لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم ہوتا نہ حضرت علیؑ کو اپنے گورنر سے یہ کہنے کی ضرورت ہوتی اسوقت کی تاریکی میں روشنی پھیلانے کی ابتداء اسلام نے کی

جزیہ

دوسری قومیں اسلام میں جزیہ کے قانون کو بہت برا سمجھتی ہیں کیونکہ وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ان کا خیال ہے کہ غیر قوموں کو اپنے مذہب پر باقی رہنے کا جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے ایسا نہیں ہے جزیہ اسلام سے پہلے نوشیرواں نے اپنے مذہب والوں پر لگا رکھا تھا وہ ہر طرح کا ٹیکس بھی لیتے تھے اور جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کے معاوضہ میں جزیہ بھی لیتے تھے اسلام میں جزیہ کی نوعیت اس سے مختلف ہے وہ غیر مذہب والوں سے کوئی اسلامی ٹیکس نہیں لیتا نہ ان پر جہاد کا فریضہ عائد کرتا ہے وہ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے پر امن زندگی بسر کریں اگر وہ اپنی جان و مال کی ذمہ داری حکومت سے چاہتے ہیں تو فی کس ایک معمولی رقم ادا کرنے کے عوض میں حکومت

ان کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اس کی صورت بالکل انشورڈ پالیسی کی ہے بلکہ اس سے زیادہ جزیہ میں حقوق حاصل ہوتے ہیں، انشورڈ پالیسی ایک بڑی رقم ہر ماہ لے کے کسی ایک نقصان کو پورا کرنے کا ذمہ لیتی ہے جزیہ سال میں ایک معمولی رقم لے کے ہر طرح کے نقصان کو پورا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اس سے زیادہ آسان اور منصفانہ بات کیا ہوگی غیر مسلم مسلمانوں سے زیادہ فائدہ میں رہتا ہے مسلمان ہر طرح کے اسلامی ٹیکس ادا کرتا ہے جو جزیہ کی رقم سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔

ہر مہذب معاشرہ ایک مدون قانون کا محتاج ہے اسلام نے اس معاشرہ کے لئے ایسا وسیع جامع اور مدون قانون پیش کیا جس میں انسانی زندگی کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کے لئے قانون نہ ہو حد یہ ہے کہ پیشاب کرنے اور پیخانہ پھرنے تک کا قانون موجود ہے ایسا قانون نہ کسی مذہب میں ہے نہ کسی ملک میں نہ ایسا قانون بنانا کسی انسان کے بس کی بات ہے۔ آپ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ اسلام نے معاشرہ کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری اور انسان دوستی پر رکھی ہے وہ انسانی خون کا بہت احترام کرتا ہے اور کسی کا خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا جو ان سے جنگ نہ کرے اس سے بھلائی اور نیکی کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیتا ہے۔

عہدوں کا معیار

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں :-

کسی قبیلے نے جب اسلام قبول کیا تو آپ نے کسی فطین و ذہین نوجوان کو اس کا سردار مقرر کیا۔ انہیں معیار یہ تھا کہ اسلامی اصول و شریعت سے کون زیادہ واقف ہے۔ نماز پڑھنے کے لئے قرآن شریف کی سورتیں کس کو زیادہ یاد ہیں۔ دیگر امور مثلاً مال و دولت و وجاہت و تجربہ پیش نظر نہ تھا ایک صحابی کا بیان ہے کہ جب میں اپنے قبیلے والوں کے ساتھ مسلمان ہوا تو میری عمر بہت کم تھی لیکن قرآن پاک کی سورتیں زیادہ یاد ہونے سے آنحضرت ؐ نے مجھے میرے قبیلے کا امام مقرر کیا۔ ایک بہت چھوٹی سی تہبند کے سوا میرے پاس کپڑے بھی نہ تھے۔ آخر ایک دن قبیلے کی ایک عورت نے ہمارے مجمع سے مخاطب ہو کے کہا کہ اجی اس لونڈے کو کچھ کپڑے بنا کر دو ورنہ خواہ مخواہ ہماری نماز خراب ہوتی ہے۔ قبیلے والوں نے چندہ جمع کر کے مجھے ایک جوڑا بنا دیا۔

آنحضرت ؐ نے ذاتی صلاحیتیں دیکھ کر مختلف نوجوانوں کو فنی تخصیص کا موقع دیا چنانچہ حضرت زید بن ثابت حساب کے ماہر تھے اس لئے تقسیم ترکے کے ریاضیاتی فن کا

امام قرار دیا کسی کو تجوید و قرأت ماہر کسی عام مسئلہ مسائل اور فقہ
کا مستند عالم قرار دیا اور حکم دیا کہ جکو ان فنون کے متعلق پوچھنا ہو
وہ ان ماہرین سے پوچھے۔ غالباً ترمذی میں وہ روایت ہے جس میں
انا مدینۃ العلم و علی بابہا کہہ کے علی کی عام عظمت کو سراہا گیا ہے

(عہد نبوی کا نظام حکمرانی ص ۱۴۴)

تنخواہوں کا معیار

انما الصدقت للفقراء والمساکین والعاملین علیہا (التوبہ)
صدقت فقراء و مساکین کیلئے ہے قرآنی حکم کی رو سے حکام کو اتنی ہی تنخواہ دیجائیگی
جتنے میں وہ اوسط زندگی بسر کرسکیں ⊙ قرآن ضرورت سے زیادہ خرچ اسراف اور فضول
کو تبذیر کہتا ہے یہانتک کہ کھانے پینے میں بھی ضرورت سے زیادہ اسراف کلوا
واشربوا ولا تسرفوا فضول خرچ کرنیوالوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے
لہو لعب میں مشغول رہنے سامان تعیش بہم پہنچانے عالیشان
مکان بنانے اس کو آراستہ کرنے کی اجازت نہیں۔ ایک صحابی
نے اپنے مکان پر گنبد بنوایا اس پہ آنحضرت نے خفگی کا اظہار
کیا اور جب تک اس نے گنبد گرا نہیں دیا اس وقت تک اس سے
راضی نہ ہوئے۔

امیر معاویہ نے قصر خضراء بنوایا تو حضرت ابوذر غفاری
نے کہا اگر تم نے اپنے مال سے بنایا تو اسراف کیا اور مال مسلمین
سے بنایا تو خیانت کی۔

حضرت عائشہؓ نے دروازے پر پردہ لٹکایا تو آنحضرتؐ نے یہ کہہ کے اتروا دیا

تم درو دیوار کو کپڑے پہناتی ہو۔

اس نے ریشمی کپڑے اور سونا پہننے چاندی سونے کے برتن استعمال کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

یہ چیزیں انسان کو فضول خرچ مسرف اور تن آسان بنا دیتی ہیں طبیعت میں رعونت پیدا کرتی ہیں اور اسلام نہیں چاہتا کہ مسلمان ایسا ہے یہ مساوات پر بھی ضرب کاری ہے وہ چاہتا ہے کہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے بعد جو بچے وہ غریبوں پر تقسیم کردو۔ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنی روزی خود کماتے ہیں۔ یعنی ان کو اپنے مال میں بھی ان باتوں کی اجازت نہیں۔ اس صورت میں وہ کسی کو اتنی تنخواہ کیونکر دے سکتا ہے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس روشنی میں عہدوں کے فرق سے تنخواہ نہ ہونا چاہیئے مثلاً ایک آدمی دو سو روپیہ ماہوار میں اوسط زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ایک چپراسی کے اگر سات متعلقین اور ایک وہ خود ہے تو اُس کو سولہ سو روپیہ ماہوار ملنا چاہیئے۔ صدر مملکت کے اگر تین متعلقین ہیں ایک وہ خود ہے تو اُس کو آٹھ سو روپیہ ماہوار ملے گا۔

صدر اپنی علمی اور ذہنی برتری سے صدر بنا ہے اور چپراسی اپنی علمی اور عقلی بے بضاعتی سے چپراسی ہوا دونوں کو عہدہ علم و عقل کے مطابق ملا لیکن ضروریات زندگی میں صدر کو چپراسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ اس کو سامان تعیش بہم پہنچانے۔ شان و شوکت دکھانے یا روپیہ جمع کرنے کے واسطے زیادہ تنخواہ نہیں دی جاسکتی۔

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جہاد میں ایک شخص سپہ سالار بننے کی اہلیت رکھتا ہے ایک معمولی سپاہی کی میدان جہاد میں وہ حاکم اور

یہ محکوم ہو گا۔ لیکن مال غنیمت میں دونوں کو برابر کا حصہ ملے گا کیونکہ دونوں نے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کوشش کی سپہ سار کو زیادہ اس لیے دیا جائے گا کہ وہ میدان جہاد سے نکل کے شان وشوکت اور عیش و عشرت اختیار کرے۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانے میں لوگوں کی تنخواہیں مقرر کرنا چاہیں تو اصحاب رسولؐ سے پوچھا حضرت علیؑ نے کہا معمولی کپڑے اور کھانے کے بقدر تنخواہ ہونا چاہیے۔ یہی اسلام کا منشا ہے کہ معاشرہ میں پست و بلند کا فرق نہ رہے۔ اور معیار بلندی تقویٰ ہو اور وہ عیش و عشرت اور شان وشوکت سے پیدا نہیں ہو سکتا۔

شوریٰ

آنحضرتؐ نے اکثر موقعوں پر لوگوں کو جمع کر کے ان سے رائے طلب کی ان میں مسلم بھی تھے اور منافق بھی۔ اس سے دھوکا ہوا کہ پیغمبرؐ لوگوں کے مشورے سے اپنا لائحہ عمل معین کرتے تھے اور اس کی تائید میں قرآن کی بعض آیتیں بھی پیش کی جاتی ہیں یہ صحیح نہیں۔

رسول اللہ کا کسی معاملہ میں پیغمبرانہ طریقہ کار معلوم کرنے کے لئے انبیائے مشورہ
تو صحیح ہو سکتا ہے لیکن ان اعراب سے جو ابھی اسلام کو اچھی طرح نہیں سمجھے۔ ان
سے زندگی کے کسی عملی اقدام میں مشورہ منصب رسالت کی توہین ہے۔ زندگی
کی مختلف راہوں میں چل کے دکھانے ہی کے لئے تو پیغمبر کی بعثت ہوئی۔ اسی کو
ان کا اسوہ حسنہ کہہ کے اس کے اتباع کا حکم دیا اور وہ معین ہوتا ہے۔ اعراب کے
مشورہ سے توہین رسولؐ کی ضرورت ہی کیا ہے۔

واقعات بتاتے ہیں کہ رسولؐ کبھی رائے عامہ کے پابند نہیں ہوئے
بلکہ اس کے خلاف عمل کیا۔ سب سے مشہور واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے جس میں تمام
اصحاب مخالف تھے مگر آپ نے کسی کی پروا نہ کی۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا خیال ہے کہ:۔

آنحضرتؐ ہر امر میں حسب احکام قرآن مشورہ فرمایا کرتے تھے جس کا
منشاء نوجوانوں کی تربیت تھا۔ وہ واقعات اور گتھیوں سے
واقف ہوتے اور آنحضرتؐ کے فیصلے کو آخر میں سنتے۔

میجر جنرل محمد اکبر خان نے ان مشوروں کی ایک نوعیت یہ بھی بتائی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہر معاملہ میں صحابہ اور اہل الرائے مسلمانوں
سے مشورہ کر لیا کرتے تھے اور ہر غزوہ سے پہلے بھی آپ نے
مشورے کئے اور ان مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے مثلاً
غزوہ بدر سے پہلے بھی آپ نے جو مشورہ فرمایا اس کی بڑی
غرض یہ تھی کہ کمزور دلوں اور ڈانواڈول قسم کے لوگوں کا
پتہ چل جائے پھر آپ ایسے لوگوں کے ساتھ دشمن سے لڑنے
والے تھے جن کے عزیز و اقارب دشمن کے ساتھ تھے پرانے اصولوں

کی پابندی کرانا چاہتے تھے۔ جنگِ اُحد سے پہلے مشورہ کی غرض یہ تھی کہ مخبروں اور جاسوسوں کی اطلاعات کی صحت معلوم ہو جائے۔ مشورہ میں عبداللہ ابن ابی سلول کی شرکت اور اس سے آنحضرتؐ کا استفسار خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عبداللہ منافق تھا اور اس کے ساتھ تقریباً تین سو آدمی کی جمعیت تھی۔ آنحضرتؐ کو اس کا علم تھا کہ وہ دشمن کا آدمی ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتا ہے مگر آپ نے مشورہ کیا اور اسو جہ سے کیا کہ دشمن کے منصوبہ کا پتہ چل جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب اس نے کہا کہ آپ کو مدینہ کے باہر نکل کر لڑنا چاہیئے تو آپ کو مشرکین کے نقشہ جنگ کا بخوبی اندازہ ہو گیا۔

حدیث دفاع میجر جنرل محمد اکبر خان ص ۲۰۱

بعض بے بصیرت لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ بعض موقعوں پر حضرت عمرؓ نے رسولؐ خدا کے خلاف رائے دی اور ان میں سب سے اہم واقعہ جنگ بدر کے بعد اسری کو تاوانِ جنگ لے کے چھوڑ دینا ہے۔ جو حضرت عمر کی رائے کے خلاف تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ سب کو قتل کر دیا جائے۔ اس پر عمل نہ کرنے پر عتاب الٰہی ہوا۔ اس سے زیادہ منصب رسالت کی توہین کیا ہو سکتی ہے لیکن مسلمانوں پر خدا کا ایک بڑا فضل ہے کہ جہاں ان کی کتابوں میں ایسی گمراہ کن باتیں ہیں وہاں حق کے متلاشی کے لئے ہدایت بھی موجود ہے جیسا کہ اس واقعہ کے متعلق جناب سعید احمد اکبر آبادی جو مستند عالم اور مصنف ہیں۔ اپنی کتاب صدیق اکبر میں لکھتے ہیں :۔

اس میں شک نہیں کہ یہ آیت عتاب الٰہی پر دلالت کرتی ہے لیکن اس عتاب کا سبب قیدیوں کو قتل نہ کرنا اور زرِ فدیہ

لیکے رہا کر دینا نہیں بلکہ مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو جانا ہے، درآں حالیکہ ابتک مالِ غنیمت سے متعلق احکام نہیں آئے تھے چنانچہ امام مسلم نے اس واقعہ سے متعلق حضرت عمر فاروق کی جو روایت نقل کی ہے اس میں صاف الفاظ ہیں۔

پھر جب خدا نے آیت ما کان لنبی نازل کی تو خدا نے مال غنیمت آپ کے لیے حلال کر دیا (باب امداد ملائکہ فی البدر)

اگر یہ صحیح ہے کہ زر فدیہ لیکے چھوڑ دینے پر عتاب ہوا تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جنگ حنین میں رسول اللہ کس چھے اونٹ لیکے پھر قیدیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور جو تاوانِ جنگ نہیں دے سکتا اس کی طرف سے خود دیتے ہیں اور سب سے بڑھ کے یہ ہے کہ خود قرآن میں فدیہ لے کے چھوڑ دینے کا حکم ہے۔

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداءً (سورہ محمد)

جب تم کافروں سے مقابلہ کرو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب تم انھیں زخموں سے چور کر ڈالو تو انہیں قید کر لو پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کے چھوڑ دو۔

جنگی قیدیوں کو قتل کر دو نہ قرآن میں ہے نہ دنیا کے کسی قانون میں ہے۔

قانون سازی

اسلام میں کوئی مجلس قانون ساز نہیں یہ کام خدا کا ہے اور اس کی تعبیر و تشریح اس کے نفاذ میں مالیات حدود و سیاست اور عدلیہ صلح و جنگ کے موارد کی تشخیص خمس و زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم پیغمبرؐ کا اور ان کے بعد منتقین علماء کا کام ہے جن کی فرد اکمل معصومین ہیں جبکہ ان تک رسائی ہو۔

اجتہاد آج کے لئے امام حسنؑ عسکری علیہ السلام نے قانون بنانے والے کی یہ تعریف کی ہے۔ حافظاً لدینہ صائناً لنفسہ مطیعاً لامر مولیٰ مخالفاً لھویٰ فللعوام ان یقلدوہ۔ ”دین کے حافظ نفس کے محافظ امر الٰہی کے مطیع خواہش نفس کے مخالف شخص کی پیروی عوام کو کرنا چاہیئے۔

مگر اصول اسلام یا منصوصات اور واضح احکام میں نہیں بلکہ جہاں شرعی حکم واضح نہیں ہے یا تمدن کی ترقی سے نئی صورت پیدا ہوگئی ہے مثلاً ہوائی جہاز کے سفر میں اوقات نماز اور اس طرح کے نئے حالات میں دلائل و قواعد شرعیہ پر غور کر کے حکم دیگا اس لئے وہ حکم خدا ہے۔ یہ بات جمہوریا ان کے نمائندہ یا کسی ڈکٹیٹر کو حاصل نہیں ہے اس وجہ سے ان کا بنایا ہوا قانون اسلامی نہ ہوگا۔ بیشک بہت سی باتیں جدید تمدن کی پیداوار ہیں جیسے ریل ڈاک تار۔ ٹیلی فون ٹیلکس۔ وائرلیس۔ ٹریفک پولیس فائر بریگیڈ۔ کے ایم سی۔ کے ڈی۔ اے۔ کے ایس سی۔ پی ڈبلو ڈی۔ تعلیمی نظام محکمہ صحت بینکنگ اگر نفع نقصان کی بنا پر ہو۔ یہ سب خدمتِ خلق اور رفاہ عام ادارے ہیں ان کے انتظام کے لئے اسمبلیاں بھی قائم کی جاسکتی ہیں اور قانون بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ مگر ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا جس سے اسلام کا کوئی قانون معطل ہو جائے جیسے پولیس کے نظام سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام معطل ہو جاتا ہے۔

اسلامی سیاست

سیاست کے معنی

سیاست کے معنی ہیں ایسی تدبیریں جو ایک جمعیت کے نظم و اصلاح کے مقصد میں کامیاب کردیں۔

دُنیاوی سیاست

اگر دُنیا کو حاصل کرنے کے لیے کی جائیں تو وہ دُنیاوی سیاست ہے اس میں مکر و حیلہ فتنہ و فساد سب کچھ جائز ہے۔ جو اس میں کامیاب ہوگیا وہ کامیاب سیاستداں کہا جاتا ہے۔

دینی سیاست

اسلامی سیاست دین کو قائم کرنے کی تدبیروں کا نام ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبہ میں مرضی الٰہی کے مطابق عمل ہے اس میں کامیابی یہ ہے کہ دین کی کسی حد سے تجاوز نہ ہونے پائے کیونکہ دین پر قائم رہنا ہی اسلامی سیاست ہے اگر اس سے تجاوز ہوگیا تو دینی سیاست میں ناکامی ہے۔ دنیاوی اور دینی سیاست میں اتنا تضاد ہے کہ دونوں کبھی ایک جگہ جمع نہ ہوسکیں ایک کا وجود دوسرے کی موت ہے اسلامی سیاست میں جو شخص جتنا کامیاب ہے اسی اعتبار سے وہ سیاست داں اور اسلامی معاشرہ میں معزز ہے۔

اسلامی سیاست کی روح علیؑ کے اس قول و عمل میں دیکھئے جب لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ دشمنوں سے حکمتِ عملی سے کام لیجیے۔ خلافت مستحکم ہونے کے بعد انھیں برطرف کردیجئے گا تو آپ نے فرمایا دنیاوی اعتبار سے تمہارا مشورہ صحیح ہے مگر جو بات غلط ہے اسے ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کروں گا یاد رکھو جس کے دل پر گناہ غالب آگیا وہ فاتح نہیں اور جو عمل بد کے ذریعہ غالب آئے وہ حقیقت میں مغلوب ہے۔

قانونِ اسلامی کے امتیازی خصوصیات

اسلام کے معتقدات اور عبادات سب حرکت و عمل کے محرک۔ عزتِ نفس و آزادیِ ضمیر کے حامی ہیں۔

اس نے توحید سے ایک مرکز پر لاکر جامعہ بشری کو ایک قوم اور ایک برادری بنایا جس میں رنگ نسل اور علاقہ کی کوئی قید نہیں۔ خدا کو رب العالمین اور نبیؐ کو رحمۃ اللعالمین بتایا اور اس کی اطاعت کی تاکید کرکے انسانی تکبر و برتری کو مٹا کے عام انسانوں کو مساوی قرار دے کے احساس کمتری سے بچایا اور ذہنی بلندی کی اس معراج تک پہنچایا جس کے آگے بڑھنے کی کوئی حد نہیں سوا اس کے کہ انسان پیغمبریؐ یا خدائی کا دعویٰ کرنے لگے۔

اللہ پر بھروسہ کرنے سے متوکل کسی مخلوق کی قوت و طاقت تسلیم نہ کرنے سے خود اعتماد علم و حکمت کی تحصیل سے عاقل و دانا بنایا۔ تاہلی زندگی لازم کرکے گوشۂ تنہائی سے نکالا اور بُرے راستے بند کرکے کسب و کوشش پر مجبور کیا۔ لہو و لعب، عیش و عشرت کاہلی اور تن آسانی فضول خرچی۔ رقص و سرود اور شراب کی ممانعت کرکے قوائے عمل کو اضمحلال اور وقت کو ضائع ہونے سے بچایا اور فرمایا لیس اللانسان الاما سعٰی

صلح و آشتی سے امن کا محافظ، دفاع سے سپاہی نماز سے وقت کا پابند،

روزے سے تکلیف برداشت کرنے والا۔ زکوٰۃ سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا اخوت سے ہمدرد، ایثار و قربانی سے، دوسروں کا مددگار صدق و عدل وفائے عہد سے خوش معاملہ اور درست کردار اللہ پہ بھروسہ رکھنے سے متوکل تولا سے بلند کرداروں کا رفیق اور تبرا سے بردوں کا دشمن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے معاشرہ درستی کا ذمہ دار اسلام ہر فرد کو ایسا ہی دیکھنا چاہتا ہے، اس طرح کے انسانوں کی بستی جہاں بس جائے وہاں نہ فوج کی ضرورت ہے نہ پولیس کی، اسلام کا منشا یہ ہے کہ انسان کے کردار کو بلند اور ایک کو دوسرے سے اس طرح وابستہ کر دیا جائے کہ جامعہ بشری ایک خاندان بن کے پُر امن اور خوشحال زندگی بسر کرے۔

یہ تعلیم کا نیا طریقہ حکومت کا نیا دستور اخلاق کا نیا نظام اقتصادیات کا نیا پروگرام جامعہ بشری کی فلاح کا نیا قانون مذہب کا نیا مفہوم عالم انسانیت کی نئی اصلاح ہے جو صلح و آشتی سے امن و سلامتی کا مذہب ہے فطری قوتوں کے صحیح استعمال سے دین فطرت ہے، عمل میں آسانیوں سے شریعت سہلہ ہے نوع انسان میں برابری اور برادری قائم کرنے عدل و صدق وفائے عہد دیانت عزیزوں پڑوسیوں۔ فقیروں یتیموں اور مسافروں کی خبرگیری سے نظام تمدن ہے۔ معاشرے کو ایک قانون کے تحت چلانے سے آئین حکومت ہے، خدا کا حکم سمجھ کے ہر کام کرنے سے عبادت ہے اطاعت خدا کی وجہ سے اسلام ہے اس کے ماننے والے قوائے طبیعی کے معتدل استعمال سے امت وسط ہیں۔ حکمائے یونان عقلائے مصر فلاسفہ ہند بانیان مذاہب ہزاروں برس سوچتے رہے مگر ایسا قانون سمجھ میں نہ آیا اور پیغمبر

اسلام [illegible]

چودہ لاکھ مربع میل کے فرمانروا کی زندگی

کچی دیواروں پر سیف خرما کی چھت کا حجرہ مہبط وحی د کاشانہ نبوت تھا کم قیمت اور پیوند دار لباس معلم کتاب و حکمت کا ملبوس اور مسجد کی چٹا کی مسند رسالت تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

ایک صحابی ایک شاہی عبا لے کر آئے چونکہ آنحضرت کی خدمت میں عرب کے مختلف حصوں سے وفود حاضر ہوا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ آپ اسے خرید لیں تاکہ جب دوسرے شہروں اور ملکوں کے وفود آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ اسے زیب تن فرمائیں۔ یا جمعہ کے دن جو گویا مسلمانوں کے دربار عام کا دن ہے اسے پہن لیں۔ اس وقت حضرت عمر کی نظر اسلام کے لئے اس ظاہری جاہ وجلال اور تزک و احتشام پر گئی جن کے شاہان وقت عادی تھے۔ آپ نے فرمایا۔

جو شخص اس کو پہنتا ہے آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ سیرت النبی ج مطبوعہ

جو کی روٹی غذا تھی بیشتر اپنا کھانا محتاجوں کی نذر کردیا اور بھوک کی شدت ہوئی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ بیٹی کو جہیز میں لکڑی کا ایک پیالا مٹی کے دو گھڑے ایک مشک ایک چکی دو تکیے ایک کمبل ایک چمڑے کا بستر ایک چرخا دیا۔ اصحاب کے مجمع میں اس طرح بیٹھے کہ باہر سے آنے والے کو پوچھنا پڑتا کہ تم میں محمد کون ہے۔ مسجد بنانے خندق کھودنے پتھر اٹھانے میں سب کے ساتھ برابر کے شریک

سیرۃ النبی مطبوعہ اعظم گڑھ

رہے لوگوں نے منع کیا۔ فرمایا مجھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کام کرتے بھی امتیاز پسند نہیں۔

فقیروں خستہ حالوں کو عزت سے بٹھاتے۔ غلاموں اور فقیروں کی دعوت خوشی سے قبول کرتے اور فرماتے "فقیر جالس فقیرا" اپنی تعریف کرنے اور تعظیماً لوگوں کو آگے پیچھے چلنے سے منع کرتے۔ آنے والے کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے اور جب تک وہ خود نہ بیٹھتا خود بھی نہ بیٹھتے۔ مصافحہ میں اپنا ہاتھ پہلے نہ کھینچتے خادم کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اپنا سارا کام (کپڑے دھونا پیوند لگانا جوتا سینا) خود کرتے غلام سے کبھی کام نہیں لیا کبھی ایسی بات نہیں کہی جو اسے ناگوار ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس کے چچا نے اس کو مانگا تو آپ نے خوشی سے دے دیا مگر اس نے چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا بیماروں کی عیادت کے لئے دور دور جاتے تھے اگر نماز پڑھتے میں کوئی آگیا تو نماز جلد تمام کر کے اس کی بات سنتے تھے۔ کل کے لئے کبھی کوئی چیز نہیں رکھی۔ پڑوسیوں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کی خبر گیری کرتے تھے۔ عورتوں کو انھوں نے بھول کیا اور دنیا میں ان پر جو سختیاں ہوتی تھیں اس کو روکا اور اُن کی حرمت کی تاکید کی۔ حاجتمندوں کی حاجت فوراً پوری کرتے اُن کی شفقت صرف انسانوں پر ہی نہ تھی بلکہ جانوروں پر بھی شفیق تھے دشمنوں پر مہربانیاں کیں جب دشمن چڑھ کے لڑنے آئے تو اینٹوں اور پتھروں سے ان کا مقابلہ کر کے شکست دی اور قید کر لیا مگر ساری رات ان کی خدمت میں گذاری سخت بندشیں ڈھیلی کرائیں لطف و رحمت سے پیش آئے اور تاوان جنگ لے کے چھوڑ دیا۔ خدا پر بھروسہ رکھنا کسب معاش اور درستی اخلاق میں مشغول رہنے کی تلقین فرماتے رہے اور یہ بھی فرماتے رہے کہ اگر تم سے دین کے لئے کوئی جنگ کرے تو جس حالت میں ہو کھڑے ہو جاؤ۔ اور خود

اس پر عمل کر کے دکھا دیا سخت سے سخت معرکہ میں قدم پیچھے نہیں ہٹا یا سب بھاگ گئے مگر خود اپنی جگہ جمے رہے خود کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی مگر صف جنگ میں اگر آگے رہے۔ اس مضبوط ارادے اس بے جگری اس شجاعت اور ان کامیابیوں کے باوجود خود کسی قوم پر بلا مصلحت سمجھے حملہ نہیں کیا۔ جب کسی نے حملہ کیا اور مصالحت کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو اپنے کو دشمن کے سپرد نہیں کیا بلکہ مردانہ وار مقابلہ کیا اور کامیابی کے بعد کسی کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا کیونکہ اس جنگ کا مقصد دفاع تھا فتح مندی کے بعد ان سے اسلام کا مطالبہ مدافعت کے مقصد کے خلاف دین میں جبر اور کامیابی کا ناجائز استعمال ہوتا اگر دشمن خود سے لڑنے نہ آتا تو اسلام کی تلوار سے انسانی خون کا کوئی قطرہ زمین پر نہ گرتا۔ عدن۔ زبید۔ رنجبر۔ ہمدان۔ مضحیح۔ بحرین اور عمان ایسے دور دراز علاقے اسلام لائے اور ان میں کوئی فوجی کارروائی نہیں کی گئی۔ اسی زندگی کو قرآن نے اسوہ حسنہ کہا ہے اس کے اتباع کا سب کو حکم دیا ہے یعنی اس پیغمبرانہ نظام حیات کے سانچے میں ڈھلنے کی خدا سب کو ہدایت کرتا ہے۔

رسولؐ کی وفات تک "تیرہ لاکھ مربع میل" کے علاقہ میں یہ نظام پھیل چکا تھا اتنے بڑے رقبے میں ایسے عظیم ملکوں اور ایسے خونریز دشمنوں سے گھری مملکت کامیابی سے چلتی رہی اور کسی کو اس کے نظام عدل سے شکایت کا موقع نہیں ملا۔

رسولؐ کے بعد کیا ہونا چاہیئے؟

اب تھوڑی دیر کے لئے حقیقت پسندی کی خاطر اسے بھول جائیے کہ کیا ہوا؟ اور بالکل خالی الذہن ہو کر سوچئے کہ اب جبکہ پیغمبرؐ اسلام دنیا سے اٹھ رہے ہیں تو کیا ہونا چاہیئے؟

میں تو ایسا ہی محسوس کرتا ہوں کہ فارغ البال ذہن سے سوچئے پر ہر شخص یہی فیصلہ کریگا کہ اب پیغمبر خدا کے بعد ایسا ہی شخص ہونا چاہیئے جو پورے طور پر اس نظام کا عالم اور اسی پر عامل ہو جو نظام رسولؐ اسلام کے ہاتھوں قائم ہوا ہے۔

اوّل تو ایسے شخص کو اس کی محبت میں نہیں بلکہ اپنے نظام کی محبت میں جو خالق کی طرف سے رسولؐ کے سپرد تھا اور جسے انھوں نے اتنی محنت شاقہ اور اتنی قربانیوں کے ساتھ قائم کیا تھا خود پیغمبر خدا کو نامزد کر دینا چاہیئے تاکہ مسلمان گمراہی میں نہ پڑیں اور اگر فرض کیجیئے کہ پیغمبر کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکیں اور نہ کریں تو مسلمانوں کو خود اس معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے مناسب شخص کو تلاش کرنا چاہیئے کہ جو ڈھرا حکومت اسلامیہ کا بندھا ہوا ہے وہ اسی شکل میں آگے بڑھے اور اس میں تبدیلی نہ ہو۔

شیعہ سنّی اختلاف

اس مرحلہ پر مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں شیعہ اور سنّی میں اختلاف

پیدا ہو جاتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے مستقبل کا انتظام کیا اور ایسی شخصیت کو نامزد کیا اور سنی کہتے ہیں کہ نہیں حضرتؐ نے کوئی انتظام نہیں کیا۔

اب یہاں پھر کھلے دل و دماغ سے سوچنا چاہیئے کہ کونسا نقطۂ نظر صحیح ہے نوع انسانی کے لئے ایک نظامِ حیات کی ضرورت تھی اس کو کتابی صورت میں نازل کرنے کے لئے پیغمبرؐ کی بعثت ہوئی نظامِ حیات مکمل تھا اس وجہ سے نبوت ختم ہو گئی نہ اب کسی کتاب کی ضرورت ہے نہ کسی نبیؐ کی لیکن یہ کتاب فلسفہ و منطق کی کتاب نہیں جس کا سمجھا دینا کافی ہو اس کا تعلق سیرت و کردار سے ہے جو کتاب سے نہیں انسان سے ظہور میں آتا ہے اس وجہ سے رسولؐ کو عمل کا نمونہ قرار دیا۔ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اگر ان کی شریعت زندہ ہے تو اس کو جاری رکھنے کے لئے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو انھیں کی طرح کارِ رسالت جاری رکھ سکے اس کی تربیت پیغمبر ہی کر سکتا ہے یہ اس کے فرائض میں داخل ہے اگر اُس نے ایسا نہیں کیا اور اُمت کو بے راہ پر چھوڑ گیا تو اس نے اپنے فرض میں کوتاہی کی اس کے بعد ذہنی انتشار لازمی ہے۔

اس کے علاوہ بحیثیت ایک سربراہ خاندان پیغمبر کا فرض ہے کہ وہ اپنے اہلبیتؑ کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ خصائص نبوت کے سوا ہر بات میں ان کے مثل بن جائیں کلکم راع وکلکم عن رعیتہ مسئول تم میں سے ہر ایک کی ایک رعایا ہے اور اس کے بارے میں تم جواب دہ ہو۔ رسولؐ کو اس میں بھی عمل کا نمونہ ہونا چاہیئے سب کو سیرت رسولؐ کے اتباع کا حکم ہے اگر ان کے اہلبیتؑ اس سے مستثنیٰ نہیں تو انھیں اتباع رسولؐ میں سب سے آگے ہونا چاہیئے اگر رسولؐ اور ان کے اہلبیت نے اپنے فریضہ میں کوتاہی نہیں کی تو ان کے اہلبیت کو سیرتِ رسولؐ کا نمونہ ان کا سینہ علم رسول کا گنجینہ ان کی زندگی تفسیر قرآن وہ راسخون فی العلم معلم کتاب و حکمت حامل مکارم اخلاق قرآن ان کے ساتھ اور وہ

قرآن کے ساتھ ہوں - اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کوئی شخص تھا یا نہیں، اگر تھا تو
کون تھا اس سلسلے میں ہم لبنان کے ایک عیسائی محقق جارج جرداق سے آپ کا تعارف
کراتے ہیں حدیث و تفسیر تاریخ و سیر میں اس کی نظر اتنی وسیع و عمیق ہے کہ مسلمان علمار
بھی کم اس کے درجے تک پہنچ سکتے ہیں اس نے ایک کتاب الامام علی صوت العدالت
الانسانیہ پانچ جلدوں میں لکھی ہے جس کی پہلی جلد کے اقتباسات مختلف مقامات سے
مسلسل و مرتب صورت میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ جارج جرداق کی نظر میں

اپنے گوش ہوش کو تاریخ عالم پہ لگاؤ تو ایسے امر عظیم کی خبر سنو گے کہ
دسیوں صدیاں گذرنے کے بعد بھی اس کا جواب نہیں پیدا ہو سکتا ہے دل و دماغ سے
واقعات دنیا کا جائزہ لو تو ایک ایسی شاندار شخصیت تم کو ہمہ تن جذب کرلے گی
کہ اس کے بلند خیالات کے سامنے ہر چیز پست نظر آئے گی نہ اس کے نزدیک دنیا
اور زندگانی دنیا نہ اولاد و اعزا دوست و سلطنت کی کوئی حقیقت ہے۔
یہ ہستی اتنی بلند و بالا ہے کہ اس کو معمولی انسانوں کی صف میں نہیں بٹھایا
جا سکتا اور اس کی نگاہ عقل اتنی گہری ہے کہ اس کو آدمیوں کی عقل و فکر
سے صرف نام کی شباہت ہے۔
تاریخ مشرق پر ایک نگاہ ڈالو اور فہم و ادراک کی اس عظیم طاقت کا
پتہ لگاؤ جو ہر دائرہ فکر کا مرکز اور ہر صحیح دلیل و منطق کی اصل ہے زندگی دنیا
اور آخرت کے بارے میں ہر جدید تحقیق اور نئی رائے اس سے وابستہ ہے
بشری نظام و قوانین تمدنی اصول اور اخلاقی قواعد میں جو گہرا نظریہ تمہارے
علم میں آیا ہو وہ اسی سرچشمہ سے جاری ہوا ہے یہ قاعدے جماعت انسانی

کے باہمی ارتباط اور شرکت کار پر مبنی ہیں کونسی قوت فکر ہے جس نے حکمت میں ایک نیا مسلک اور تازہ روش اختراع کر کے لوگوں کے سپرد کی اور اگلے لوگوں نے اس کو پیچھے آنے والوں تک پہنچایا؟ ہر شخص نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن ابھی تک کوئی اس کے حقیقی فلسفے اور گہرائی تک نہیں پہنچا ضرورت اس کی ہے کہ دوسرے دماغ اور دوسری عقلیں ان مطالب سے تازہ ترین انکشافات کریں۔

کونسا وہ روشن خیال ہے جو خود رنج و تعب میں ہے اور دوسرے لوگ اس کی وجہ سے آرام و راحت میں ہیں؟ جس نے دوست اور دشمن دونوں کے لئے راستہ تیار کیا اور کر رہا ہے ایسا دانشمند جو ہر چیز کے اسباب و نتائج سے بحث کر کے دوسروں کے لئے کشف و وضاحت کے لئے دل و جان سے آمادہ ہے۔

ایک ایسا باریک بین عالم جس نے ہر مطلب میں غور و خوض کیا ہے اور کسی چیز کا علم اس سے پوشیدہ نہیں ہے یہاں تک کہ جو کام لوگوں نے ابھی انجام نہیں دیئے ہیں بلکہ دماغوں میں ان کا تخیل قائم ہوا ہے وہ بھی اس کو معلوم ہیں زور طبیعت ایسا کہ مشرق میں جو علم اس کے بعد ظاہر ہوا وہ بھی اسی سے وابستہ ہے بلکہ سب کا سرچشمہ اور بنیاد وہی ہے۔

کبھی تم نے ایسی رسا اور کامل عقل دیکھی ہے جس نے بزرگ ترین حقیقت کو پہچان لیا ہو اور وہ حقیقت اجتماعی رشتہ کی اصل جماعت کی تشکیل کا سبب اور ہر ایک کے اپنے ایک مخصوص راستہ پر چلنے کا باعث ہے۔

اس مطلب کو جسے حضرت نے تیرہ سو سال قبل سمجھ لیا تھا آج اس کو مشرق اور مغرب کے علماء نے اپنی بحث کا جدید موضوع قرار دیا ہے اس سے میری مراد وسائل زندگی کی ضرورت اور سامان معیشت ہے جس کو پانے کے لئے لوگ مختلف راہوں میں دوڑ رہے ہیں۔

کیا تم اس عقل کو پہچانتے ہو جو ایک ہزار سال پہلے اس حقیقت کو معین کر جائے جو ہزاروں اوہام باطلہ کو منسوخ کرنے والی ہو اور کہہ جائے کہ اگر کوئی شخص بھوکا رہتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ اس کا حصہ دوسرے نے لے لیا ہے اور پھر بتائے کہ ہم نے ایسی وافر نعمت نہیں دیکھی جس کے ساتھ کوئی ضائع شدہ حق موجود نہ ہو، اپنے ایک عامل کے پاس احتکار کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کام میں عام لوگوں کا نقصان اور حکام کے لئے عیب ہے لہذا احتکار سے منع کر دو۔

ہمارے عقائد و خیالات کی بنیاد یہی ہے کہ ایک حقیقت مطلق موجود ہے اور بحث و نظر کی بنیاد اسی پر قائم کرنا چاہیے اس حقیقت مطلق کو علیؑ ابن ابی طالب نے پالیا اور اپنے دل و دماغ سے یقین کر لیا کہ جس چیز کی بنیاد حق پر قائم ہو وہ متزلزل نہیں ہوتی چنانچہ آپ خود اسی استقلال کا نمونہ تھے فتح ہو یا شکست آپ دونوں حالتوں میں اپنے کو غالب پاتے تھے جنگ کا میدان ہو یا سیاست کا ہر مقابلے میں غالب یا مغلوب ہونا آپ کے نزدیک برابر تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ حقیقت میرے ساتھ ہے اور آپ خود ہی اس کی میزان اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے تھے۔

ہمارے کرۂ زمین کی تاریخ میں ایسے مستحکم عقیدے کا کوئی جوانمرد نہیں مل سکتا جس میں کسی قسم کی سستی پیدا نہ ہو اور بغاوت کی آتش فشانی اسے لرزہ بر اندام نہ کر سکے۔

دنیا کی بزرگ ہستیوں کے درمیان جو شخص محبت و وفا میں سب سے آگے تھا وہ علیؑ تھا۔ وہ ان کی سرشت و عادت اور ان کی جان و دل میں پیوست تھی۔ لوگوں سے محبت رکھتے تھے لیکن اس کو خود اپنی ذات سے وابستہ نہیں کرتے تھے اپنا عہد پورا کرتے تھے وفاداری ان کی ذات کی حقیقت تھی انھوں نے اپنی فطری اور گہری ذہانت سے دریافت کر لیا کہ آزادی سب سے مقدس

چیز ہے ساری دنیا اس کی خواہاں ہے اور کسی نعمت کو اس کے برابر نہیں سمجھتی صحیح قوتِ فکر اور اچھی خصلت آزاد آدمیوں میں ہوتی ہے اور سچی محبت اور خالص وفاداری بغیر آزادی کے ممکن نہیں۔

کیا تم کسی ایسے فرمانروا کو پہچانتے ہو جس نے ہمیشہ پیٹ بھر کے روٹی کھانے سے اس لئے پرہیز کیا ہو کہ اس کی رعایا میں اکثر لوگوں کو شکم سیری نصیب نہیں ہے نفیس کپڑا اس وجہ سے نہیں پہنا کہ بہت سے انسان موٹی کملی اوڑھ کر بسر کرتے ہیں پیسہ کبھی اس سبب سے جمع نہیں کیا کہ فقیر اور حاجتمند بہت ہیں۔

مسلمانوں کے بیت المال سے بغیر استحقاق مطالبہ کرنے پر اپنے بھائی کو ایک دینار دینے سے انکار کر دیا اپنے عمال سے رشوت میں ایک روٹی وصول کرنے پر سخت بازپرس کرتا تھا چنانچہ ان میں سے ایک شخص کو ان الفاظ میں تنبیہ کی اور بیت المال میں خیانت کرنے سے باز رکھا کہ خدا کی قسم اگر تم نے لوگوں کے مال میں کچھ بھی خیانت کی تو تم پر ایسی سخت کارروائی کروں گا کہ مفلوک الحال گراں بار اور بے آبرو ہو جاؤ گے۔ ایک دوسرے کو لکھا مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے زمین پر جھاڑو پھیر دی جو کچھ تمہارے زیر قدم تھا اس پر قابض ہو گئے اور جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں آیا اس کو کھا گئے بس اپنا حساب میرے پاس بھیجو۔ ایک رشوت خور کو لکھا خدا سے ڈرو اور لوگوں کا مال اُن کو واپس کر دو اگر تم نے واپس نہ کیا اور خدا نے مجھ کو تم پر قابو دیا تو خدا کے روبرو جو میرا فرض ہے تمہارے بارے میں اس کو انجام دوں گا اور تم پر وہ تلوار لگاؤں گا کہ میں نے جس پر بھی اس کا وار کیا وہ جہنم واصل ہو گیا۔

تم نے کوئی ایسا بادشاہ سنا ہے جو اپنے ہاتھ سے چکی پیسے اور اس سے اپنے خوراک کے لئے جو کی روٹی تیار کرے۔

اپنے ہاتھ سے اپنی جوتیوں میں پیوند لگاتے مالِ دنیا سے کچھ بھی پس انداز نہ کرے

کیونکہ اس کا مقصد سوا مصیبت زدوں، مظلوموں کی امداد کے اور کچھ نہیں تھا تاکہ ظالموں سے انکا حق وصول کرے اور ان کی زندگی کو خوشحال بنائے۔ کبھی کھانے پینے اور چین سے سونے کی فکر میں نہ رہا کیونکہ اس کے ملک میں بعض آدمی ایک ایک روٹی کو محتاج تھے بہت سے بھوکے اور جگر بریاں تھے۔

جس کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ ہے اور کیا کہنا اس فقرہ کی بلاغت کا۔ "آیا میں صرف اس بات پر قناعت کرلوں کہ لوگ مجھ کو امیرالمومنین کہتے ہیں اور زمانے کی سختیوں میں ان کا شریک نہ بنوں۔"

ملک اور بادشاہی اگر حق کو قائم کرنے اور باطل کو زائل کرنے کے لئے نہ ہو تو وہ علیؑ کے نزدیک دنیا کی پست ترین چیزوں سے بھی زیادہ پست ہے

ان تمام انسانوں کے اندر جو عدالت میں مشہور ہوئے کون بزرگ ایسا ہے کہ اگر ہفت اقلیم کے سارے باشندے اس کے خلاف اجتماع کرلیں تب بھی یہ کہنا لازم ہے کہ وہ حق پر ہے اور سارے مخالفین باطل پر کیونکہ اس کی راستی اور عدالت اکتسابی نہیں بلکہ ذاتی تھی جس کے بعد دوسروں نے اس سے سبق حاصل کیا۔

اس کے قوانین سیاست و حکومت کے بنائے ہوئے نہیں تھے بلکہ حکومت و سیاست خود ان قوانین کی بنیاد پر قائم تھی قصداً کوئی ایسا راستہ اختیار نہیں کیا جو اس کو مسند حکومت تک پہنچادے بلکہ وہ راہ اختیار کی جس سے پاک و صاف دلوں میں اپنی جگہ بنائے عدالت اس کی روح کا جزو اور اس کے قلب میں پیوست تھی جس نے دوسرے فضائل و کمالات کو بھی اپنے ساتھ سمیٹ لیا تھا اس کے لئے عدالت سے ہٹنا اور اپنے فطری تقاضے سے اختلاف ممکن نہ تھا عدالت ایک ایسا مادہ اور عنصر تھی جو اس کے

اعضاء جوارح اور عناصر بدن میں شامل اور خون کے مانند رگوں میں دوڑتی ہوئی تھی ۔

تم نے صفحات تاریخ پر کسی ایسے دلیر ایسے جنگ آزما کا پتہ لگایا ہے جو اپنے دشمنوں سے بھی انتہائی محبت رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ اُن کو انسانی صفات سے متصف دیکھے دشمنوں کے ساتھ اس کی مہربانی اس حد تک پہنچ جائے کہ اپنے ساتھیوں کو ان کے بارے میں اس طرح ہدایت فرمائے کہ جب تک وہ خود لڑائی شروع نہ کریں تم ان سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا جب بحکم خدا ان کو ہزیمت ہو تو جو شخص میدان سے پیٹھ دکھائے اُس کو قتل نہ کرنا بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا مجبوروں اور زخمیوں کو قتل نہ کرنا عورتوں کو کو تکلیف نہ پہنچانا ۔

جب گیارہ ہزار دشمنوں کی فوج جو ناحق اس کے خون کی پیاسی تھی اس پر پانی بند کر دے تاکہ وہ پیاس سے دم توڑ دے اور وہ ان سنگدلوں کو بھگا کر دریا پر قبضہ کر لے تو انھیں لوگوں کو دعوت دے کہ جس طرح ہم اور ہمارے ساتھی پانی لے رہے ہیں اور پرندے پیاس بجھا رہے ہیں تم بھی پانی لیجاؤ اور سیر و سیراب ہو فرماتا تھا کہ جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے اس کا اجر اس آدمی سے زیادہ نہیں جو انتقام لے سکتا ہو پھر بھی درگذر کرے جس وقت ایک شقی نے اس کے سر پر ضربت لگائی اور وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو قاتل کے بارے میں اصحاب سے فرمایا کہ اگر اس کو معاف کر دو تو یہ تقویٰ اور پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے ۔
ایسا دلیر جنگ آزما جس نے اپنی بے نظیر شجاعت کو شفقت و مہربانی کے ساتھ جمع کر رکھا تھا دشمنوں کے اس گروہ کے لیے جو مخالفت میں یک زبان

تھے صرف زبانی عتاب پر اکتفا کی حالانکہ اگر چاہتا تو ایک ضرب شمشیر سے اس کو خاک میں ملا دیتا۔ عتاب اور فہمائش کے موقع پر بغیر سلاح جنگ کے سر برہنہ ان کی ملاقات کو گیا البتہ وہ اسلحہ میں اس طرح غرق تھے کہ ان کے چہرے خود اور زرہ کے سوراخوں سے بمشکل نظر آتے تھے اس کے بعد ان کو پرانی دوستی اور برادری کی یاد دلائی اور شدت سے گریہ کیا کہ انھوں نے یہ غلط راستہ کیوں اختیار کیا جب اچھی طرح سمجھ لیا کہ ان کے دلوں پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور سوا میرا خون بہانے کے کچھ اور نہیں چاہتے تب بھی خود سے جنگ کا آغاز نہیں کیا بلکہ اسقدر تاخیر کی کہ انھیں لوگوں نے جنگ شروع کر دی اور اسوقت مظلوموں کی خاطر تلوار کھینچی اور ایسا ابر حملہ کیا کہ انکے اعضا میں بکھر بکھری پڑگئی طوفان کی طرح ان کو درہم برہم کر دیا۔ ریگ بیابان کی طرح فضا میں منتشر کر دیا ان کی آرزوؤں کو برباد کر دیا ان ... پرور ظالموں کو خاک و خوں میں غلطاں کر دیا پھر فتح و کامرانی کے بعد ان کے کشتوں پر زار زار گریہ کیا باوجودیکہ وہ خود غرضی اور دنیا پرستی کے مارے ہوئے تھے اور بدترین حرص و ہوس نے ان کو اس درطہ ہلاکت میں ڈالا تھا۔

شاہان دنیا کی تاریخ میں تم نے کوئی بادشاہ سنا ہے جس کے لیے فرمانروائی اور ثروت کے وہ سارے اسباب فراہم تھے جو دوسروں کو حاصل نہ تھے پھر بھی اپنے لیے رنج و افسوس کا انتخاب کیا۔

نسل و نسب کا بلند تھا لیکن کہا کہ کوئی شرف تواضع و انکسار کے مانند نہیں۔

ایک جماعت اس کو دوست رکھتی تھی تو اس سے فرمایا جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہے وہ فقیری اختیار کرے۔

دوسرا گروہ اس کے دشمنوں کا تھا اس نے گالی دی اس کے دوستوں نے انھیں بھی گالی دی تو فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم میرے دوست

ہو کر کالی بکو۔ اپنے بھائی کے ساتھ احسان کر کے اس کی تنبیہ کرو۔ تمہارا بھائی جہر دا (لعنت) کا رشتہ توڑنے میں تم سے زیادہ طاقتور نہیں اگر تم اس کو جوڑنے کی کوشش کرو۔ اور وہ ظلم و ایذا رسانی میں تم سے زیادہ تیز دم نہیں۔ اگر تم نیکی اور احسان کا برتاؤ کرو۔

اگر ایک فرقہ نے اس کو اپنا خدا سمجھ لیا تو ان کو سخت ترین سزا دی لوگوں نے ترغیب دی کہ ظالمین کے ساتھ لطف و مدارات کا برتاؤ کرے تاکہ اس کی سلطنت مستحکم ہو جائے تو فرمایا تمہارا دوست وہ ہے جو تم کو برائی سے باز رکھے اور تمہارا دشمن وہ ہے جو تم کو برے کام کی ترغیب دے۔ پھر فرمایا سچائی اختیار کرو چاہے اس میں تمہارا نقصان ہی کیوں نہ ہو اور جھوٹ سے پرہیز کرو چاہے اس سے تم کو فائدہ ہی پہنچتا ہو۔

تم کسی ایسے دینی پیشوا کو جانتے ہو جو اپنے حکام کو ان الفاظ میں ہدایت دے کہ لوگ یا تو دین میں تمہارے بھائی ہیں یا خلقت میں تمہارے مساوی ہیں لہٰذا ان سے اس طرح سے درگزر اور چشم پوشی کرو جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے ساتھ کرے۔

مشرقی دنیا کے ادبا میں تم نے نہج البلاغہ کو پڑھا ہے کتنے بلیغ اور موثر انداز میں اپنی فکر و قوت متخیلہ اور جذبہ انسانیت سے کیسے کیسے نادر اور انوکھے خفرات اخذ کر کے ان کو باہم ترتیب دیا ہے۔ اور جب تک زمانے میں انسان کا وجود باقی اور فکر و خیال اور انسانی جذبات موجود ہیں اس کتاب کی جاذبیت قائم رہے گی سارے موزوں اور ایک دوسرے سے مربوط اجزائے کلام نگاہ احساس میں انتہائی خوش آئند اور نظر عقل میں بہت ہی عمیق اور پر معنی ہیں پورے جوش اور ولولے کے ساتھ حقیقت اور واقعیت کو بیان کیا ہے

اور ماورائے عالم کی خبر بھی دی ہے نادر مطالب کو حسین عبارت میں ضم کیا ہے اور جمال صورت کو کمال معنی کے ساتھ اکٹھا کر دیا ہے اس کو اپنے سامنے رکھو تو ایک سیلاب عظیم اور طوفانی سمندر نظر آئے گا یہ حوادث روزگار کے مانند ہے جس کو بدلنا ممکن نہیں ہے اور ایک حرف بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو بات کچھ کی کچھ ہو جائے اس کا حسن بیان گوش خرد میں سرور انگیز نغمے سے کہیں زیادہ روح افزا ہے اور اس کا ظاہری جمال نگاہ عقل میں زنگارنگ اور دل آویز نقوش سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے ایک نوادر و عجائبات سے بھری ہوئی دنیا ہے جو ہر قسم کی خوبصورت چیزوں سے پاٹ دی گئی ہے۔

چشم و گوش کے لئے لذت اور عقل و ہوش کے لئے آزمائش ہے اگر زبان ملامت کھولی ہے تو آندھیوں اور طوفانوں میں اس کے تحمل کی تاب نہیں۔ اگر زجر و توبیخ میں لب کشائی کی ہے تو گویا ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بادلوں کی سی گرج کے ساتھ مجرمین کے سروں پر چنگاریوں اور بجلیوں کی بارش کر رہا ہے اگر منطقی استدلال پر توجہ کی تو ہوش و خرد کو مسخر کر لیا اور رسوا اپنی قائم کی ہوئی حجت و برہان کے ہر دلیل کا دروازہ بند کر کے تمہارے دل کو کسی حقیقت تک پہنچا دیتا ہے نیز اس کی تحقیق کے لئے تمہاری ساری طاقت اکٹھا کر دیتا ہے۔

بلاغت میں ساری بلاغتوں سے بلند ایک ایسا قرآن ہے جو اپنی منزل سے تھوڑا سا نیچے آگیا ہے عربی زبان کے تمام محاسن جو اس وقت تھے یا آئندہ ایجاد ہونے والے تھے اس کے بیان میں فراہم ہو گئے ہیں چنانچہ اس متکلم کے لیے کہہ دیا گیا کہ اس کا کلام خدا کے کلام کے نیچے اور مخلوقات کے کلام سے بالاتر ہے عقل کا ایسا سرمایہ علم کا اتنا بلند پایہ اس حد کی بلاغت اور ایسی کامل پختگی

جس کے ساتھ ایسی محبت و عنایت ہو کہ اس کی کوئی حد ہی تصور میں نہ آ سکتی ہو اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی کو حاصل ہو جائے تو انسان کی آنکھیں خیرہ کر دینے کے لیے کافی ہے تو اگر ایک ہی فرد بشر کے اندر ان کا اجتماع ہو جائے تو کیا عالم ہو۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ مفکر و ادیب دانشمند و متکلم حاکم و سپہ سالار وقتی سارے انسانوں حاکموں اور جنگی سپاہیوں سے کنارہ کش ہو کر اور محبت و عنایت کا طریقہ اختیار کر کے اس طرح گوشہ نشین ہو جاتا ہے کہ کسی کے ساتھ سروکار نہیں رکھتا صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانی خصوصیات میں تحریک پیدا کرے اور احساسات کو برانگیختہ کرے دل کے کانوں میں ان لطیف و عمدہ باتوں کو جو گرمی محبت اور شدت جذبات کی دلیل ہیں بہت نرمی اور آہستگی کے ساتھ پہنچاتا ہے کہ دوستوں کا نہ ہونا بمنزلہ غربت ہے دوسروں کی مصیبت پر خوشی نہ مناؤ۔

مزاج کی نرمی

نرمی اور بخشش کے ذریعہ اپنے کو لوگوں سے قریب کرو جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے درگذر کرو جو شخص تم سے اپنی بخشش کو الگ رکھے تم اپنی بخشش سے اس کو محروم نہ کرو جو شخص تم سے رشتہ منقطع کرے تم اس سے نیا رشتہ قائم کرو اور جو شخص تمہارے ساتھ دشمنی کرے تم اس کے دوست رہو۔

فکر کی بلندی

ایسا بزرگ انسان جو بلندی فکر میں دنیا کے مفکروں سے خیر خواہی میں زمانے کے نیکوکاروں سے علم کی زیادتی میں عالم کے دانشمندوں سے دقت نظر میں عرصہ گیتی کے محققین سے عطوفت و مہربانی میں سارے محبت کرنے والوں سے ترک دنیا میں تمام پرہیزگاروں

سے بعد اتنی نظریات میں قوم کے جملہ مصلحین سے آگے نکل گیا ہے درد مند دل
کا شریک غم مصیبت میں مظلوموں کا ساتھی دنیا کے ادیبوں کو ادب سکھانے
والا اور دلیروں کے لئے سبق آموز تمدیح حق کے لئے جان کو ہتھیلی پر لئے
ہوئے ہے ہر انسانی فضل و کمال کی بلند ترین منزل سے بھی اونچا جا چکا
ہے اور ان تمام صفات میں اس کا قول و عمل یکساں ہے کسی نیک کام کا اتنا شوقین
نہیں ، اور ہر ایک میں پیش پیش رہا ہے یہ انسان اس قدر بزرگ و برتر تھا
کہ اس پر دشمنوں کا غلبہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور دوسروں کی
نیچا دکھانے کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی اس لئے کہ اس کے زمانہ میں ہر چیز
الٹی ہو گئی تھی داہنا ہاتھ بائیں کی جگہ اور بایاں داہنے کی جگہ تھا پست و
بلند نور و ظلمت اور زمین آسمان سب اپنی جگہ برعکس صورت میں نظر آتے تھے
علیؑ کی حیثیت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تاریخ ان کو پہچانے
یا نہ پہچانے اور اس کی وجہ سے ان کی شان میں زیادتی یا کمی معلوم ہو
ان حالات کے باوجود تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ علیؑ فکر بشری
کی عمیق ترین منزل تھے حق و حقیقت کی راہ میں اپنی جان قربان کی
شہیدوں کے باپ عدالت کے منادی اور مشرق کے وہ یکتا انسان تھے
جو ہمیشہ کے لئے زندہ اور باقی ہیں۔ خاندان ابوطالب میں ایک انتہائی
پاکیزہ روح موجود تھی جو پیغمبرؐ اور علیؑ میں بہت قوی تھی۔

علیؑ کی تعلیم و تربیت

ان دونوں ہستیوں میں بہت مضبوط رشتہ تھا کیونکہ علیؑ نے بچپن سے عہدِ شباب تک
انھیں کی آغوش میں پرورش پائی جب ہم نے مان لیا کہ اخلاق حسنہ
کا کسی قلب و روح میں فطری طور پر راسخ ہونا ممکن ہے تو ہم کو

کہنا پڑتا ہے کہ علیؑ محمدؐ کی نبوت پر ایمان اور ان کی حمایت لے کے پیدا ہوئے تھے اس لیے کہ خاندان ابو طالب کے وہ خصوصیات و فضائل جن میں پیغمبرؐ نے پرورش پائی تھی ان کے ابن عم کی طرف پیدائشی طور پر منتقل ہوئے تھے اس علیؑ کی خصلت ابو طالبؑ کے خاندانی فضائل و کمالات کے ساتھ ابھری، یہی وہ جگہ تھی جہاں انھوں نے پہلی بار محمد صلعم کی باتیں سنیں اور یہیں سے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہوئی۔

علیؑ کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں گذری تھی کہ محمدؐ صلعم نے ان کو اپنی ذات سے وابستہ کر لیا۔ علیؑ علیہ السلام خطبہ قاصعہ میں خود اپنی ذات پر محمدؐ صلعم کی توجہ کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں :۔

> مجھ کو بچپن ہی سے اپنے سایہ عاطفت میں رکھا اپنے سینے سے لگاتے تھے اپنے بستر پر سلاتے تھے میرا جسم ان سے متصل رہتا تھا میں ہمیشہ ان کی خوشبو سونگھتا تھا انھوں نے کبھی میری گفتگو میں جھوٹ اور میرے کردار میں غلطی نہیں پائی جس طرح اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اسی طرح میں ان کی پیروی کرتا تھا وہ ہر روز ایک علم بلند کرتے تھے اور مجھ کو اپنی متابعت کا حکم دیتے تھے۔

بچپن ہی کا وہ زمانہ ہے جب بچے کے اندر اخلاق فاضلہ قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے۔

علیؑ نے رسول خدا کے ساتھ کافی زندگی خلوت میں بسر کی ان کے طرز عمل کی پیروی کی اور اپنی قوم سے الگ رہے جو جہالت کی تاریکی میں سرگرداں اور اپنی موروثی عادتوں میں سختی سے جکڑی ہوئی تھی۔

علیؑ برسوں اپنے ابن عم کے سایۂ عاطفت میں رہ کر اس پاکیزہ فضا میں سانس لیتے رہے اور ان کے نزدیک انتہائی ممتاز اور محبوب تھے پیغمبرؐ کے اصحاب اور پیروؤں سے کسی کو کبھی سوا علیؑ کے چولی دامن کا ساتھ اور بھائی چارہ نصیب نہیں ہوا علیؑ نے انھیں کے راستہ پر آنکھیں کھولیں جوان کے ابن عم نے کھولا تھا خدا کی پرستش کو محمدؐ کی نماز سے سیکھا اور ان کی مہربانی شفقت اور برادری سے بہرہ اندوز تھے محمدؐ سے ان کو وہی نسبت ہے جو ابو طالبؑ سے محمدؐ کو حاصل تھی علیؑ کے دل نے پہلی بار جب محبت کا احساس کیا تو اپنے پسر عم سے محبت کی ان کی زبان جب پہلی مرتبہ گویائی سے آشنا ہوئی تو محمدؐ سے گفتگو کی اور اظہار ہمت و مردانگی کی پہلی ہی منزل میں نصرت پیغمبرؐ پر کمر بستہ ہو گئے۔

محمدؐ صلعم کے انصار ان کو دوست رکھتے تھے اور دشمن بھی آپ کی فضیلت کو پہچانتے تھے علی علیہ السلام ان کے ایسے پروردۂ آغوش شاگرد تھے کہ پیغمبرؐ کے نفس اور ان کے اجزائے وجودی میں سے ایک جزو بن گئے تھے۔

آغاز رسالت میں بزرگان قریش کا ایک گروہ جو بت پرستی سے بیزار تھا عقل کے فیصلے سے ان کا گرویدہ ہوا۔ غلاموں اور بے آسرا لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے عدل و انصاف کی خواہش میں ان کا اقرار کیا۔ پیغمبر کی فتح و کامرانی کے بعد تیسرا گروہ ان سے ملحق ہوا کیونکہ اب اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا اکثر بنی امیہ اسی طبقے میں سے تھے یہ لوگ مختلف اوقات میں مسلمان ہوئے جو اگرچہ اطاعت و انقیاد کے اظہار میں ایک دوسرے سے مشابہ تھے لیکن ان کے ایمان کا وزن الگ الگ تھا۔

علی کا ایمان | علی بن ابی طالب کی ولادت اور نشو و نما چونکہ معدن رسالت

میں ہوئی تھی لہٰذا ان کا ایمان پیدائشی اور فطری تھا وہ بطن مادر سے اسلام کی صفت لے کے متولد ہوئے تھے ان کے ایمان لانے کا سبب دوسروں کے مانند نتیجہ حادثات زندگی یا عمر سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا انھوں نے اپنے باطن قلب اور حقیقت و روح سے اسلام کا اظہار کیا کیونکہ علیؑ کا اسلام اس سے کہیں زیادہ مستحکم تھا کہ حوادث عمر اس پر اثر انداز ہو سکیں بلکہ جس طرح پانی اپنے قدرتی چشمے سے اُبلتا ہے اور جواہرات کان سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح علیؑ کا ایمان باطن روح سے جوش مارتا تھا اس لئے کہ جس عمر میں بچہ اپنے ذہنی تصورات کو بیان نہیں کر سکتا انھوں نے نماز کا فریضہ ادا کیا اور خدا و رسولؐ کی گواہی دی بغیر اس کے کہ کسی سے حکم حاصل کریں یا کسی سے صلاح و مشورہ کریں صدر اول کے مسلمان ابتدا میں قریش کے بتوں کو سجدہ کرتے تھے لیکن علیؑ نے پہلی ہی بار محمدؐ صلعم کے خدا کا سجدہ کیا یہ اس شخص کا ایمان ہے جس کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ پیغمبرؐ کی خیر خواہی اور ہمدردی میں نشوونما پائے اور ان کے بعد حق پسندوں کا پیشوا ہو اور حادثات زمانہ کی خوفناک موجوں میں کشتی نجات کا ناخدا بنے۔

یہ میرا بھائی ہے

اس یقینی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ اس کی تائید میں چند حدیثیں پیش کر دوں تاکہ بخوبی معلوم ہو جائے کہ پیغمبرؐ اور ان کے ابن عم کے درمیان باطنی اخوت کس منزل پر تھی فضائل پیغمبرؐ علیؑ کو کس حد تک میراث میں پہنچے علیؑ کی روح نے کس طرح نبوت کا رنگ اختیار کیا آپ پیغمبرؐ کے نزدیک کس قدر عزیز و محبوب تھے۔ اور آپ نے قلب و زبان سے کہاں تک حضرت کی تعظیم و تکریم کی ہے اس کے بعد ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ

ان عملی قوانین کے ماتحت جو دین کے استحکام کا سبب بنے علی علیہ السلام کے لئے خلافت کا راستہ ہموار کر رہے تھے اس لئے کہ آپ علیؑ کے آئینہ میں اپنی صورت دیکھ رہے تھے اور جو اخلاق حسنہ اور فضائل و مکارم پیغمبرؐ کے اندر تھے وہ علیؑ کے اندر جلوہ گر تھے جیسا کہ ہم آگے تفصیل سے لکھیں گے طبرانی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ..... ان حدیثوں سے اور ان کے علاوہ جن کا ہم نے تذکرہ نہیں کیا ہے ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرؐ علیؑ کو اپنا بھائی سمجھتے تھے اور علیؑ بھی اس برادری سے بہت خوش تھے نیز پیغمبرؐ ایک انسان کامل کے ان خصوصیات و فضائل کی طرف جو علیؑ کی شخصیت میں مجسم ہو گئے تھے لوگوں کو متوجہ کرتے رہتے تھے تا کہ سب جان لیں کہ وہ بہترین انسان ہیں جو آپ کے بعد شرائط رسالت کو انجام دے سکتے ہیں۔

صحیح روایات میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ فطری حالات بھی محمدؐ اور علیؑ کی ہم آہنگی میں مساعدت کرتے رہے اور واقعات و ماحول کی اس طرح تشکیل کرتے رہے کہ علی علیہ السلام سے ایسے خصوصیات ظاہر ہوں جن میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہ ہو۔

ایک یہ کہ علیؑ کعبہ میں پیدا ہوئے جو مسلمانوں کا قبلہ ہے اور ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب دعوت اسلامی صرف محمدؐ کی روح میں پل رہی تھی آپ کا قیام علیؑ کے پدر بزرگوار ابو طالبؑ کے گھر میں تھا علیؑ نے آنکھیں کھول کر محمدؐ صلعم اور خدیجہ کو نماز پڑھتے دیکھا اور یہ پہلے شخص تھے جو ایمان لائے حالانکہ ابھی نوجوان بھی نہیں ہوئے تھے جب لوگوں نے ان پر عتاب کیا کہ تم نے بغیر اپنے باپ سے پوچھے کیوں اسلام قبول کیا ہے تو فوراً جواب دیا کہ خدا نے مجھ کو پیدا کیا بغیر اس کے کہ ابو طالب سے پوچھے پس کیا ضرورت ہے کہ اس کی بندگی و اطاعت کے لئے

میں اپنے باپ سے اجازت لے لوں۔ یہ بچے کا جواب ہے جو ایک کہنہ سال فلسفی نہیں دے سکتا۔

نصرت اسلام

جس روز پیغمبرؐ نے اپنے خاندان والوں کو دعوت دی اور کہا تم میں سے کون میری مدد کرتا ہے؟ لوگوں نے انکار کیا کہ اتنے میں علیؑ نے جو ابھی بچے تھے اور سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اٹھ کر کہا یا رسولؐ اللہ میں آپ کا مددگار ہوں اور جو شخص آپ کے مقابلہ پر آئے گا گا اس سے جنگ کروں گا بنی ہاشم ہنسنے لگے اور قہقہے کی آواز بلند ہوئی اس کے بعد ابوطالبؑ اور علیؑ کو دیکھ کر مذاق اڑاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ہر لڑائی میں پیغمبرؐ کا عَلم علیؑ کے ہاتھ میں رہا انھوں نے اپنی شجاعت و مردانگی اپنے خون اپنے قلب و زبان اور اپنی ہستی کو اپنے ابن عم پیغمبرؐ اور ان کے دین کی فتح و فیروزی کے لئے وقف کر دیا محمدؐ صلعم کے دشمنوں کو عاجز کر دیا اور عین موقع پر جوانمردی سے دریغ نہیں کیا۔

جنگ خندق میں جب دشمن کے خوف نے اصحاب پیغمبرؐ کو بیقرار اور ان کے دلوں کو مضطرب بنا رکھا تھا تو علیؑ علیہ السلام سرداران قریش کے مقابلہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو گئے اور وہ کام کر دکھایا کہ مسلمانوں کو اپنی فتح کی امید بندھ گئی قریش اور ان کے پہلوانوں کو شکست اٹھانا پڑی۔

خیبر میں علیؑ کا جہاد بہت زبردست اور حیرت انگیز تھا۔ شب ہجرت البتہ علیؑ ابن ابی طالب کا معاملہ ان سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے انھوں نے محمد بن عبداللہؐ کے اور اپنے عقیدے کی حمایت اخوت کی رعایت اور حق کی راہ میں اپنے کو ایسے خطرہ میں ڈال دیا جس سے عجیب تر اور بہتر واقعہ تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا۔ جو ان دونوں بزرگواروں کی یگانگی اور

ہم آہنگی کی سب سے روشن دلیل ہے۔

علیؑ علیہ السلام نے اس خطرناک منزل میں محمدؐ صلعم کی تقلید کی اور اپنے عم بزرگوار کے فرزند سے یہ قوت مقاومت سیکھی یہ خوفناک مرقع ہمارے لئے امام کی طبیعت اور خصلت کو بے نقاب کرتا ہے کہ ان کے اعمال بغیر کسی تصنع کے ان سے صادر ہوتے تھے جیسے موتی صدف سے باہر آتا ہے نیز ان کی قوت فکر و دماغی طاقت اور باریک بیں عقل کو پہنچواتا ہے کیونکہ اتنی عمر میں دعوت اسلامی کی حقیقت کو کما حقہ سمجھ لینا کسی کے لئے ممکن نہیں۔

اس کارنامے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ دنیاوی زندگی سے کس قدر بے اعتنا تھے آپ انتہائی صدق اور مکارم اخلاق کے سوا کسی اور چیز پر التفات نہیں فرماتے تھے اور پیغمبرؐ کی تبلیغ رسالت انجام کو پہنچنے تک ہر مرحلہ کو سہل و آسان سمجھتے تھے اور اس میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے وفاداری پاکبازی شجاعت اور دوسرے صفات انسانی علیؑ میں جمع تھے یہ فداکاری ان کی آئندہ جانفشانیوں کا ایک نمونہ تھی دعوتِ اسلامی کی پیروی کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ان کی باہمی شرکت کار اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جب سے محمدؐ نے ابوطالب کو پہچانا اور علیؑ نے محمدؐ صلعم کو جس وقت یہ تینوں ہستیاں ایک گھر میں ساکن ہوئیں جس گھر کی بنیاد فضیلت و تقویٰ کی شرافت پر رکھی گئی تھی تو یہ خانہ ابوطالبؑ کے خصوصیات سے تھا کہ علیؑ اور خود ابوطالبؑ اس مقام پر محمدؐ کی منزلت سے آگاہ ہوئے اسی چیز نے ابوطالبؑ کو شفقت و مہربانی اور علیؑ کو فکر دقیق محبت عمیق اور حد اعجاز تک فداکاری کے لئے تیار کیا رسولؐ خدا نے خود بھی اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور علیؑ کو عزیز رکھتے تھے پھر تنہا اپنی محبت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ برابر دوسرے لوگوں کے نزدیک بھی ان کو محبوب

بناتے تھے تاکہ آپ کے بعد ان کے لئے خلافت کا راستہ صاف رہے آپ
چاہتے تھے کہ لوگ علیؑ کو انھیں صفتوں کے ساتھ پہچان لیں اور آپ کی رحلت
کے بعد معتقد رہیں کہ علیؑ خود محمدؐ ہیں اور گویا آپ بعدِ وفات بھی زندہ ہیں۔

شکل و شمائل قد و قامت معتدل اور معمول طور پر نیچا تھا صاف گندمی
رنگ اور محاسن سفید و بلند تھے آنکھیں کشادہ اور
اور سیاہ خوش رو خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے گردن بلند تھی گویا کہ نقرئی
چاندی کی ایک صراحی تھی، شانے چوڑے تھے ہاتھ کے جوڑ بند ایسے تھے جیسے
شیر غراں کے بازوؤں اور کلائیوں میں زیادہ امتیاز نہیں تھا بلکہ ایک
دوسرے سے بالکل ملے ہوئے تھے ہاتھ اور پنجے سخت فربہی میں اوسط درجے
کے اور بھرے ہوئے پنڈلیوں کا گوشت بھرا ہوا نیچے کا حصہ باریک اور
اسی طرح شانوں کا گوشت بھی پیغمبرؐ کی طرح آپ کی رفتار بھی پُر سکون تھی
جب جنگ کے لئے بڑھتے تھے تو تیز چلتے تھے اور کسی دوسری طرف مڑ کے نہیں
دیکھتے تھے۔

قوت و طاقت جسم کی طاقت اتنی کہ عقل اس کو سمجھنے سے قاصر تھی
اکثر سورماؤں کو جو آپ کے چنگل میں آجاتے تھے
بغیر کسی زحمت کے ایک خرد سال بچے کی طرح ہاتھ سے اٹھا کر زمین پر
ٹپک دیتے تھے اگر کسی پہلوان کا بازو پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس بھی نہیں
لے سکتا تھا مشہور ہے کہ آپ نے کسی شہسوار سے مقابلہ نہیں کیا مگر یہ
کہ اس کو زیر کر دیا چاہے وہ کتنا ہی قوی ہیکل اور پہلوانی میں شہرۂ آفاق
رہا ہو کبھی میدانِ جنگ میں ایسا نعرہ مارتے کہ دلیر بہادروں کا پتہ پانی
ہو جاتا چاہے وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ ہوں آپ کے مزاج میں تکلیفوں

کی قوت برداشت ایسی تھی کہ گرمی اور سردی سے نقصان پہنچنے کا خوف نہ تھا
جاڑوں کے کپڑے گرمیوں میں پہنتے تھے اور گرمیوں کے جاڑے میں۔

عبادت اگر کوئی شخص امام کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا دقت نظر سے
مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ آپ سیاست اور حکومت
کی طرح عبادت میں بھی اپنا ایک مخصوص طریقہ رکھتے تھے جس میں بہت مضبوط
اور جس کا اسلوب سخت اور مستحکم تھا۔

علیؑ اس شاعر کے مانند جو جمال فطرت میں ہمہ تن محو ہو گیا ہو ایک مطلق
اور غیر محدود ہستی کے سامنے کھڑے ہو کر پاکیزہ نفس اور تہِ دل سے مکمل توجہ
کے ساتھ اس سے راز و نیاز میں مشغول ہوتے تھے۔

حضرت کا یہ کلام آزاد عبادت گزاروں اور بزرگان اہل تقویٰ کے
لئے ایک بڑی ہدایت ہے کہ:۔

> ایک گروہ نے عذاب الٰہی کے خوف سے عبادت کی جو غلاموں
> کی عبادت ہے۔ ایک گروہ نے نعمتوں کی امید میں عبادت
> کی جو تاجروں کی عبادت ہے۔ میں تیری عبادت نہ جنت کی
> طمع میں کرتا ہوں نہ دوزخ کے ڈر سے میں تو تیری عبادت
> اس وجہ سے کرتا ہوں کہ تو عبادت کے لائق ہے۔

بزرگ لوگ جب رونق عالم وجود مطلق اور لا متناہی مبدا ہستی کے سامنے
کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں اپنے کو عجز و بندگی پر مجبور پاتے ہیں اس
عبادت کی اصل و بنیاد عقل و وجدان اور معرفت قلب کا کمال ہے۔

زہد جس شخص کے نزدیک عبادت ایسی ہی ہو جیسی علیؑ کے نزدیک
تھی تو وہ لامحالہ زندگی کو اسی نظر سے دیکھے گا جس نظر سے

علیؑ نے دیکھا وہ زندگی کو دنیاوی فوائد اور فانی لذتوں کے لئے نہیں ڈھونڈتا بلکہ مکارم اخلاق کے حصول اور ان مقاصد کو انجام دینے کے لئے تلاش کرتا ہے جو اس کے نفس کے ساتھ میل کھاتے ہوں اس جہت سے علیؑ نے زہد اختیار کیا لذتِ دنیا سے اسی طرح بے رغبت تھے جس طرح اسباب سلطنت و لوازم حکومت اور ان چیزوں سے بے پروا تھے جس پر دوسرے لوگ نظریں جمائے ہوئے تھے اور جن کی کشش ان کی رگ و پے میں پیوست تھی اپنے بیٹوں کے ساتھ ایک جھونپڑی میں رہتے تھے اور اسی گھر میں رہ کر فرمانروائی بھی کرتے تھے۔ جَو کی روٹی نوش فرماتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ خود ہی آسیا گردانی فرماتے تھے باوجودیکہ مومنین کے امیر تھے پھر بھی ایسی خشک روٹی تناول فرماتے جو فقیر بھی نہیں کھا سکتا تھا۔ سخت سردی میں جاڑے سے بچانے والا کپڑا آپ کے پاس مہیا نہ ہوتا۔ رعایا میں آپ سے زیادہ قناعت سے گزارنے والا ایک شخص بھی نہیں تھا یہاں تک کہ اسی حالت میں دنیا سے اٹھ گئے حالانکہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔

دنیا سے اس قدر بے اعتنائی درحقیقت آپ کی شجاعت و مردانگی سے مرتبط تھی بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں صفتیں ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن ایسا نہیں ہے آپ کی شجاعت و مردانگی دراصل روح کی بزرگی اور بلند مقصد کی راہ میں سعی و کوشش کا نام اور اپنے ذاتی فائدے سے ہٹ کر دوسروں کے نفع مجبوروں اور مظلوموں کی امداد نیز پنجۂ ظلم سے ان کی رہائی کے لئے تھی ایسی صورت میں آپ ہرگز اس پر تیار نہیں تھے کہ جس شہر میں بہت سے فاقہ کش اور پریشان حال اشخاص بستے ہوں وہاں آپ دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں۔

قصرا بیض میں بیٹھنے سے
انکار کر ؟ حالانکہ انھیں کے لئے بنایا گیا تھا تاکہ ان کا گھر فقیروں سے بہتر نہ ہو جو کوفہ
کی جھونپڑیوں میں رہتے تھے آپ کا یہ ارشاد آپ کے طرزِ زندگی کا آئینہ دار ہے
کہ کیا میں اتنے ہی پر اکتفا کر لوں کہ لوگ مجھ کو امیر المومنین کہتے ہیں اور مصائب
میں ان کا امیر نہ بنوں۔

جوانمردی ہر پہلو سے علیؑ کے اندر مجسّم اور ہر اس خوبی کو جمع کئے ہوئے تھی
جو اس صفت کے لئے مناسب ہے عالی ظرفی چشم پوشی یہ دونوں مردانگی کے جوہر امام
کی ذات میں داخل تھے۔ اسی سبب سے کسی کو تکلیف پہنچانا پسند نہیں کرتے تھے
حالانکہ جانتے تھے کہ وہ آپ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔

دشمنوں کے ساتھ درگذر اور چشم پوشی میں تاریخ کے اندر آپ کی نظیر نہیں
ملتی لڑائی کے موقعوں پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے تھے کہ جب دشمن بھاگ
کھڑا ہو تو اس کو قتل نہ کرو جو مجبور اور زخمی ہو اس کی مدد سے دریغ نہ کرو
کسی کو برہنہ نہ کرو اور کسی کا مال اس سے نہ چھینو۔ جنگِ جمل میں دشمنوں
کے کشتوں پر نماز پڑھی اور ان کے لئے خدا سے استغفار کی جس وقت آپ نے
انتہائی سخت دشمنوں عبداللہ بن زبیر مروان اور سعید بن عاص پر قابو پایا
تو ان کے ساتھ معافی اور نیکی کا سلوک کیا اور ان کو سزا دینے سے اپنے
احباب کو باز رکھا آپ کی چشم پوشی کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس وقت
عمرو عاص پر غالب آئے تو باوجودیکہ وہ خطرہ میں معاویہ سے کم نہ تھا لیکن
منھ پھیر لیا اور اس کو اسی حال میں چھوڑ دیا (برہنہ ہو کر لیٹ گئے) عمرو عاص
نے تو احسان کے بعد بھی علیؑ سے دشمنی کرنے میں کوتاہی نہیں کی عمرو نے جب
ذوالفقار کو اپنے سر پر دیکھا تو اس کو امید تھی کہ اس خاص حرکت سے جس کو وہ

عمل میں لایا علیؑ اپنی آنکھیں بند کر لیں گے اور اس کو چھوڑ دیں گے اگر علیؑ اس وقت عمرو کو قتل کر دیتے تو مکر و حیلہ اور معاویہ کا سارا لشکر ہی نیست و نابود ہو جاتا۔

روز جمل جب دشمنوں نے آپ پر ہجوم کیا تو آپ نے اپنے ہمراہیوں کو ہدایت کی جب تک حجت تمام نہ کر لو کوئی تیر نہ پھینکنا نہ نیزہ لگانا نہ تلوار چلانا۔

جور و ظلم سے الگ رہنا علیؑ کا اخلاقی اصول اور آپ کی عادت و فطرت تھا عہد و پیمان نہیں توڑتے تھے پرانے دوستوں سے دشمنی نہیں کرتے تھے جب تک وہ عہد شکنی یا محبت کے عوض دشمنی نہ کریں۔

دوستی کی بہترین صورت اور وفاداری کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی پہلوان میدان جنگ میں کھڑا ہو کر اپنے پرانے دوست ملاقاتیوں کو جواب دشمن ہو کر اس سے لڑنے آئے ہیں اسی برادرانہ نظر سے دیکھے ان کو صلح و آشتی کی دعوت دے اور سابق کی محبت یاد دلائے کہ شاید عہد شکنی اور خباثت سے باز آجائیں کیونکہ ایسے دشمن جو پہلے دوست رہ چکے ہوں ان سے ایکدم سے جنگ نہ شروع کر دینا چاہیئے شاید پچھلے زمانہ کی یاد اس کے دل کو نرم کر دے اور جنگ و مخالفت سے روک دے۔

اگر ایفائے عہد اور دوستی کی سابق مراعات علیؑ کی روح میں غالب نہ ہوتی تو دشمن کے دفعیہ میں اس کا سہارا نہ لیتے جب طلحہ و زبیر نے جنگ کا ارادہ کر لیا بیعت توڑ ڈالی اور جنگ جمل میں بدباطنی کا مظاہرہ کیا تو علیؑ سر برہنہ بغیر زرہ اور سلاح جنگ کے ان کی طرف گئے مطلب یہ تھا کہ میں صلح کی نیت رکھتا ہوں اور آواز دی اے زبیر میرے پاس آؤ زبیر آلات حرب سے لیس آئے علیؑ نے گلے میں باہیں ڈالدیں گذشتہ باہمی محبت کے لہجہ میں پوچھا افسوس ہے تم پرائے زبیر کیا سبب ہوا کہ تم مجھ سے لڑنے آئے پھر پچھلے پیمان رفاقت و

برادری کو یاد دلایا اور گفتگو کے درمیان کئی دفعہ رو دیئے لیکن زبیر جان و دل سے لڑائی پہ تلے ہوئے تھے آخر قتل ہو گئے ان کا قتل ہونا علیؑ پر بہت گراں گذرا کیونکہ وہ عہد محبت کی رعایت میں وفادار تھے۔

جس وقت طلحہ مارے گئے تو علیؑ نے ان کے سرہانے کھڑے ہو کے وہ عمل کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی ان کی لاش پر کھڑے سخت اندوہ و غم کے ساتھ زار زار رو رہے تھے اور سابق رفاقتوں کی یادیں ان کی طرف دیکھ کر مرثیہ کہہ رہے تھے۔

لیکن یہ جوانمرد جو دوستی میں اتنا مضبوط اور ثابت قدم تھا اس کے دوستوں نے حق دوستی کا لحاظ نہیں کیا اس لئے کہ ان کو اس کی امید نہ تھی کہ اپنی فطرت و خصلت کے تقاضے سے منہ موڑ کر ان کے ہاتھوں کو لوگوں کے حقوق چھیننے کے لئے آزاد چھوڑ دے گا۔

امام فرماتے تھے کہ اگر ساتوں اقلیم اور جو کچھ آسمان کے نیچے ہے سب مجھ کو دے دیا جائے تاکہ خدا کی نافرمانی کروں اور کسی چیونٹی سے ایک جو کا چھلکا بھی ظلم سے چھین لوں تو میں ایسا نہیں کروں گا میرے نزدیک یہ ساری زمین اس ایک پتی سے زیادہ حقیر ہے جو کسی ٹڈی کے منہ میں دبی ہوئی ہو۔

اس بارے میں علیؑ کا قول و عمل دونوں یکساں تھے دوسروں کی طرح نہیں جن کی باتیں ان کے عمل سے بڑھی چڑھی ہوتی ہیں جو سرشت اور خصلت آپ کے اس کردار کا باعث تھی اس کی تحریک سے یہ الفاظ بھی آپ کی زبان سے نکلتے تھے۔

علیؑ کے عدل و انصاف پر تعجب نہ کرنا چاہیئے بلکہ آپ عادل نہ ہوتے تب تعجب ہوتا آپ کی عدالت میں جو روایتیں منقول ہیں وہ تاریخ انسانیت کی بیش بہا میراث ہیں اور انسان کو ایسے واقعات پر فخر و مباہات کرنا چاہیئے۔

علیؑ خود کسی سے کینہ نہیں رکھتے تھے لیکن ایک کینہ جو گروہ میں گرفتار تھے آپ کی پُرمغز باتیں آپ کے غم و اندوہ کا پتہ دیتی ہیں۔

علیؑ کی ایک اور صفت جس میں آپ ممتاز تھے اور دوسرے فضائل اس کی تکمیل کرتے تھے اپنے افعال و عقائد کی درستی پر آپ کا اعتماد تھا اور جب کوئی کام انجام دیتے تھے تو اس کی درستی اور اپنی حقانیت کا یقین رکھتے تھے آپ کے سارے کام آپ کی عقل اور بلند ترین صلاحیتوں کے ذریعہ انجام پاتے تھے۔

قوت ادراک و فہم

علیؑ قوت ادراک میں یگانہ روزگار تھے علوم اسلامی آپ کے محور فکر پر گردش کرتے ہیں آپ عربی معلومات کا سرچشمہ تھے عرب کے اندر کوئی علم ایسا نہیں جس کو آپ نے وضع نہ کیا ہو یا اس کے وضع میں حصہ نہ لیا ہو۔

علم قرآن

علیؑ کے بارے میں رسولؐ کا ارشاد ہے انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا۔ ان کی عادت اور سیرت کو اپنایا میراث پیغمبرؐ آپ کے دل و دماغ میں پیوست ہوئی قرآن میں حکیمانہ نظر کے ساتھ غور و تامل کیا اور اس کے باطن و حقائق کو دریافت کیا اس کے معانی اور الفاظ پر حاوی ہو گئے آپ کی زبان اسی کے اوپر رواں اور آپ کا دل اسی میں غرق رہا اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیونکہ آپ ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھ رہے ہر صحابی و مجاہد سے زیادہ آنحضرتؐ کی صحبت سے فیض حاصل کیا جو کچھ دوسروں نے سنا وہ آپ نے بھی سنا اور جو کچھ آپ نے سنا وہ دوسروں نے نہیں سنا مشہور بات ہے کہ علیؑ نے پیغمبرؐ کے علاوہ کسی اور سے حدیث کی روایت نہیں کی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ علم حدیث میں سارے اصحاب پر فوقیت رکھتے ہیں فرمایا جو کچھ میں پوچھتا تھا

حضرت اس کا جواب دیتے تھے اور جو میں نہیں پوچھتا اس کو خود ہی مجھ سے بیان فرماتے تھے۔

علم فقہ

فقہ میں علی علیہ السلام کا علم صرف نصوص احکام تک محدود نہ تھا بلکہ دیگر علوم میں بھی جن کو جاننا فقہا کے لئے ضروری ہے جیسے علم حساب میں آپ کی مہارت جملہ معاصرین سے زیادہ تھی۔ کوئی شخص مسائل شریعت میں آپ کے برہان سے بہتر برہان پیش نہ کر سکا ابو حنیفہ اور امام مالک کا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے۔

اقضاکم علیؑ

علیؑ علم قضا میں تمام انسانوں سے زیادہ ماہر تھے اس لئے کہ قرآن و شریعت کی آگاہی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اور اسلام کے اندر حکم و قضا کا دار و مدار انھیں دو چیزوں پر ہے۔

فہم و فراست اور قوت فکر و خرد میں بھی ایسے تھے کہ اختلافات کے حل میں زیادہ قرین صواب اور مطابق عقل حکم کو اختیار کرنے کی ہر ایک سے بہتر صلاحیت رکھتے تھے آپ کا وجدان اس قدر قوی تھا کہ ہر پہلو سے صحیح رخ کو سمجھنے اور عقل وجدان کی بنیاد پر عادلانہ حکم دینے پر قادر تھے عمر بن خطاب سے منقول ہے کہ مبارک نہ ہو وہ مشکل جس کو حل کرنے کے لئے آپ موجود نہ ہوں اے ابوالحسن۔

علی علیہ السلام کسی چیز کے ظاہر پر اکتفا نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ تمام امور کی کنہ و حقیقت تک پہنچ جائیں قرآن اور دین میں حکیمانہ غور و خوض کیا جس طرح متفکرین دنیاوی امور میں غور و فکر کرتے ہیں۔

علی علیہ السلام روح کی ایسی قدسی قوت رکھنے والا انسان صرف

دین کے ظاہر احکام و فرائض معینہ کی تعمیل اور عبادات کے ظاہری شرائط پر اکتفا نہیں کیا، ان کے باطن اور کہنہ حقیقت پر بھی نظر ڈالی، ان چیزوں کو اپنی غور و تحقیق کا موضوع قرار دیا اور ثابت کیا کہ دین ایسے اصول و معانی پر قائم ہے جو ایک دوسرے سے مربوط اور وابستہ ہیں اسی سے علم کلام اور اسلامی فلسفہ کی تدوین ہوئی۔

علم کلام علی علیہ السلام پہلے متکلم اور علم کلام کے موجد ہیں قدیم متکلمین اسی چشمے سے سیراب ہوئے کیونکہ علم کلام کے مبادی و اصول ان کو آپ ہی سے پہنچے اور آخر کے متکلمین بھی آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے بھی آپ ہی سے ہدایت حاصل کی واصل بن عطا ابو ہاشم ابن محمد بن حنیفہ کے شاگرد تھے جنھوں نے مذہب اشعری کی بنیاد قائم کی۔

علم تصوف تصوف کی اصل بنیاد نہج البلاغہ ہے اہل تصوف مدلیان قبل اس کے کہ یونانی فلسفے سے آگاہ ہوں علی علیہ السلام کے ارشادات کو اپنا ماخذ قرار دے چکے تھے۔

علم نحو مشیت الٰہی تھی کہ علی علیہ السلام دینی علوم کے مانند عربی علوم میں بھی رکن اور مرکز کی حیثیت سے رہیں زمانے بھر کے لوگوں میں ایک بھی عربیت میں آپ کا ہمسر نہ تھا نحو کے کمال زبان کی فصاحت اور فکر کی قوت نے آپ کو صحیح عربی لغت کے اصول و قواعد مرتب کرنے پر آمادہ کیا اور آپ نے ان کو دلیل و برہان سے مضبوط کیا منطقی استدلال و قیاس میں آپ کی قدرت فکر کو اس چیز سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ علم عربی کی بنیاد سب سے پہلے آپ ہی نے قائم کی اور دوسروں کے لئے راستہ

ہموار کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ علمِ نحو کے بانی ہیں۔ ابو الاسود نے حضرت سے شکایت کی کہ لوگ کثرت سے غلط زبان بولتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب فتوحات کے بعد عجم والوں سے مل گئے ان کی گفتگو میں غلط محاورات داخل ہو گئے ہیں امام نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکایا اس کے بعد ابو الاسود کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا میں جو کچھ بول رہا ہوں اسے لکھ لو ابو الاسود کاغذ اور قلم لے کے بیٹھے تو حضرت نے فرمایا۔

کلام عرب اسم فعل اور حرف سے مرکب ہے اسم اس چیز کی خبر دیتا ہے جو اس لفظ سے موسوم ہے فعل اس کی حرکت اور عمل کا پتہ دیتا ہے اور حرف اس مفہوم کو بتاتا ہے کہ جو نہ اسم ہے نہ فعل اشیاء کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہر اور مضمر اور وہ چیز جو نہ ظاہر ہے نہ مضمر اور قسم آخر سے آپ کا مقصود بقول بعض نحویین اسم اشارہ ہے پھر ابو الاسود سے فرمایا کہ اسی نحو یعنی اسی طریقے پر مطلب کی تشریح و تکمیل کرو چنانچہ اسی روز سے اس علم کو نحو کہنے لگے۔ حضرت علیؑ کی دیگر خصوصیات میں اعلیٰ ذہانت اور ذود فہمی ہے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دوستوں کی بزم ہو یا دشمنوں کا مجمع آپ بغیر کسی سابق تیاری اور توجہ کے ایسا برجستہ اور حکیمانہ فقرہ کہہ دیتے تھے کہ جو ضرب المثل بن جاتا تھا اور یک زبان سے دوسری زبان پر گشت کرتا رہتا تھا۔

علم حساب | مشکل حسابات میں فوراً جواب دیتے تھے جب کہ اس زمانے کے لوگ ان مسائل کو ایسی چیستان اور معمے سمجھتے تھے کہ جس کو حل کرنے میں عقل شاذونادر ہی کامیاب ہو سکتی تھی بہت مشہور ادا میں ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور شکایت کی کہ اس کا بھائی انتقال کر گیا اور اس نے چھ سو دینار چھوڑے جن میں سے مجھ کو صرف

ایک دینار دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائی کے پس ماندگان میں ایک بیوہ دو لڑکیاں بارہ بھائی ماں اور تم ہو اس نے کہا ہاں ایسا ہی فرمایا پھر جو تم کو ملا ہے اتنا ہی تمہارا حصہ ہے۔

علم فلسفہ علی علیہ السلام حکیم اسلام تھے۔ حکمت عقل و بصیرت قوی ادراک اور استنباط کی قوت سے وجود میں آتی ہے اور حکیم وہ شخص ہے جو بہت سے معانی و مطالب کو مختصر عبارت میں ادا کر سکے حضرت علی علیہ السلام اسلام بلکہ یگانۂ روزگار افراد بشر میں ایک بلند منزل رکھتے ہیں۔

علیؑ ایسا انسان بہت مشکل سے مل سکتا ہے جو نظری اور عقلی مطالب کو اپنی دماغی قوت سے استنباط کر کے ان کو نفیس اور مختصر جملوں میں اس طرح بیان کر جائے کہ زمانہ ان کو محفوظ رکھے اور وہ ضرب المثل بن جائیں۔

اسلامی علوم و معارف نے علوی حکمتوں سے اپنی تصویر دلپیر انتہائیت کا رنگ جذب کیا اور ان سب کا سرچشمہ یہی دو ہستیاں تھیں محمدؐ بن عبداللہ اور علیؑ بن ابی طالبؑ۔

امام علیہ السلام نے اسرار ہستی۔ انسانی زندگی اور جماعت بشری پر فلسفیانہ نظر ڈالی اور توحید و الہیات ماوراء الطبیعیات میں آپ کے بکثرت اقوال موجود ہیں جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں علی علم کلام اور الہیات کے بانی ہیں ایک ایسے استاد ہیں کہ جو شخص بھی آپ کے بعد آیا اور اپنی رائے یا قول رکھتا ہے اس نے آپ کی استادی اور رہبری کا اعتراف کیا ہے نہج البلاغہ میں اس قدر حکمت کے موتی پروئے ہیں کہ اس نے آپ کو زمانہ کے فلسفیوں کی پہلی صف میں سب سے آگے لا کھڑا کیا ہے جب محمدؐ صلعم

نے فرمایا کہ میری اُمّت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مانند ہیں۔ تو دراصل آپ کی مراد علیؑ تھے ——————

علیؑ کی ذاتِ نبوت کے بعد صحرائے عرب کا دوسرا معجزہ تھی۔

یکتا زی امام صرف میدان جنگ ہی تک محدود نہیں بلکہ اپنی روشن ضمیری پاکدلی جادو بیانی کمالِ انسانیت حرارت ایمانی بلندی ہمّت محروم کی ہمدردی۔ مظلوم کی نصرت اور حق و صداقت کی پیروی میں عدیم النظیر تھے ایسے کہ تیرہ سو سال گذرنے کے بعد بھی آپ کی محیر العقول کمالات اور یکتا زیاں ہمارے لئے مشعل راہ اور زندگی کو خوشگوار و پاکیزہ بنانے میں انتہائی مفید و منفعت بخش ہیں۔ کوئی مؤرخ و مصنف کتنا ہی چابکدست اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہو ہزاروں صفحوں میں بھی آپ کی پوری تصویر کشی کرنے پر قادر نہیں —————— شبلی شمیل

عرب کے اس محیر العقول اور نادر روزگار انسان نے جو باتیں سوچیں کہیں اور عمل میں لائیں نہ کسی کان نے پہلے سنیں نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھیں کوئی مؤرخ زبان و قلم سے ان باتوں کو کتنا ہی شرح و بسط دے پھر بھی وہ اس سے بیش از بیش ہیں۔

علیؑ بن ابی طالب ایسا انسان نہ مشرق میں پیدا ہوا نہ مغرب میں۔ نعیمہ میخائیل

علامہ عبید اللہ امرتسری لکھتے ہیں :-

ایسے صفات متضاد کا بشر ابو البشر کی اولاد میں پیدا نہیں ہوا اور ایسے صفات متقابلہ کا آدمی جناب آدم کی ذریت میں ہویدا نہیں ہوا۔ ارجح المطالب صہ ۳

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر خدا کے بعد علی ایسے انسان کو بہ چشم فلک نے دیکھا نہ مادرِ گیتی نے ایسا فرزند کائنات کے حوالہ کیا جو اس طرح صفات متضاد کا حامل ہو کہ خوفِ الٰہی میں لرزاں، عبقریت میں کوہ آتش فشاں، تیغ جگری

میں نیچہ زن۔ لاد ہر شمکش لطیف المزاج۔ میدان جہاد میں قہر کردگار۔ مہربانی و عطوفت میں رحمت پروردگار۔ محراب عبادت میں عابد شب زندہ دار۔ جود و سخا میں ابر گوہر بار۔ منبر پر خطیب معجز گفتار۔ کرار غیر فرار۔ قسیم الجنۃ والنار شہسوار لافتیٰ۔ تاجدار ہل اتیٰ۔ مسند نشین انما۔ جس کا ذکر عبادت جس کی مودۃ اجر رسالت ؎

جس کی اک ضرب یوم خندق کی ہے　　افضل من عبادۃ الثقلین

باب مدینۂ علم۔ امیر المومنین۔ یعسوب الدین۔ امام المتقین۔ نفس رسولؐ۔ زوج بتول۔ ابو الریحانتین مصلی القبلتین۔ الضارب بالسیفین۔ فاتح بدر و حنین۔ احد ثقلین۔ کل ایمان۔ بولتا ہوا قرآن۔ قالع باب خیبر۔ قاتل مرحب و عنتر۔ خاصف النعلین سفیر پیغمبر۔ منفتی ہر تین دفتر۔ انبیائے خدا کا ہمسر ذات الٰہی کا مظہر۔ اجسام خاکی میں نور کا پیکر۔ ؎

کھینچ کر تصویر جسم ذوالفقار بوتراب ہے[1]　　وجد میں خود آگیا پروردگار بوتراب

یہ صفات قرآن و حدیث یا کسی تاریخی واقعہ پر مبنی ہیں اور اختصار سے کام لیا گیا ہے اگر سب لکھے جائیں تو ایک مبسوط کتاب ہو جائے۔ علامہ عینی شاہ نظامی لکھتے ہیں۔

علیؑ کی شان میں جس کثرت سے صحیح السند حدیثیں آتی ہیں کسی کی شان میں نہیں آئیں کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۳۵ و صفحہ ۳۹۱ حلیۃ ابو نعیم صفحہ ۶۶ ریاض النضرہ صفحہ ۱۳۲ صواعق محرقہ صفحہ ۷۲ و ۷۶ ابی بن کعب و حذیفہ و ابن عباس آنحضرت سے ناقل ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں یا ایہا المومنون وارد ہوا ہے اس کے سرگروہ علی ہیں۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ علی کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں صواعق محرقہ صفحہ ۷۶ (تفضیل المومنین صفحہ ۴۲)

حقیقت یہ ہے کہ علی عقل انسان میں سماتا نہیں اتنی فضیلتیں اس درجہ کمال پر کسی ذات میں جمع نہیں ہوتیں یہ دنیا کا واحد انسان ہے جسے کچھ لوگ انبیائے سابقہ کا مثل کہتے ہیں۔ کچھ لوگ ان سے افضل سمجھتے ہیں اور کچھ خدا مانتے ہیں۔

[1] جذبات انسانی کی نسبت خدا کی طرف درست نہیں یہاں شاعر نے بے انتہا پسندیدگی کے معنوں میں لکھا ہے ۱۲

علی انبیا کے مثل ہیں

امام اہل سنت علامہ عینی شاہ نظامی قدس سرہ فرماتے ہیں :-

آنحضرت کا حضرت علی کو مماثل انبیائے سابقہ ٹھہرانا احادیث مرویہ عبدالرزاق[۱] و احمد[۲] بن حنبل و بیہقی[۳] و ابو حاتم[۴] و عاصمی[۵] و ابن شاہین[۶] و حاکم و ابن مردویہ[۸] و طبرانی[۹] و قزوینی[۱۰] و خطیب[۱۱] و حاکمی[۱۲] و ابو نعیم[۱۳] و ابن مغازلی[۱۴] و دیلمی[۱۵] و ... و خوارزمی[۱۷] و محمد بن طلحہ قرشی[۱۸] و محمد بن یوسف گنجی شافعی[۱۹] و محب طبری[۲۰] و ابن الصباغ المالکی[۲۱] مذکورہ ریاض النظرہ صـ ۲۱۸ و حلیہ ابو نعیم صـ ۳۵ و خوارزمی صـ ۴۲ و دیلمی صـ ۱۴۹ و مطالب السئول صـ ۴۲ و کفایۃ الطالب صـ ۲۳ و ذخائر العقبیٰ صـ ۲۱ سے ثابت ہے چنانچہ ابو بکر صدیق نے جب آنحضرت سے یہ حدیث سنی تو حضرت علی کو ان الفاظ میں مبارکباد دی من مثلک یا ابا الحسن تمہارے برابر کون ہے ابو الحسن۔ ان حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا:

آدم جیسا عالم۔ نوح جیسا ذی فہم۔ ابراہیم جیسا حلیم۔ موسیٰ جیسا وجیہ و جلیل۔ عیسیٰ جیسا زاہد و متقی اگر دیکھنا ہو تو علی ابن ابی طالب کو دیکھ لو۔ آنحضرت کا یہ ارشاد غلط نہیں ہو سکتا حضرت علی میں یہ سارے صفات انبیا علیہم السلام موجود تھے (تفصیل امیر المومنین صـ ۹)

مولانا ظفر فاروقی فرماتے ہیں: الا ترضیٰ ان تکون بمنزلۃ ھارون من موسیٰ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون۔ موسیٰ کون تھے ہارون کیا تھے کیا اس ارشاد رسول نے علی کی منزلت رسولوں جیسی نہیں کر دی تھی۔ یہاں اگر لانبی بعدی کا اضافہ نہ ہوتا تو کیا بعید تھا کہ علی کا شمار مرسلوں میں ہوتا (خلافت و ملوکیت صـ ۱۶۵)

علی نظیر محمد ہیں

علامہ عینی شاہ نظامی تحریر فرماتے ہیں:

آپ کا نظیر محمد روحی فداہ ہونا احادیث علی نظیری (ربیہ
صغیر طبرانی صفحہ ۱۶۴ و دیلمی صفحہ ۱۹۸ و کنز العمال صفحہ ۱۹۳ سے ثابت ہے۔
(۲) لحمک لحمی و دمک دمی (۳) علی منی کروحی و جسدی
(۴) علی نظیری سے صاف مترشح ہے تفصیل امیر المومنین صفحہ ۹

علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں

علامہ عیسیٰ شاہ نظامی فرماتے ہیں:۔

آیہ مباہلہ ندع ابناء نا وابنا ئکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم کے لفظ سے جناب امیرؑ کا نفس رسول ہونا ثابت اور احادیث مرویہ حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ و صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۷ سے موثق نیز حدیث علی نفسی مرویہ حضرت عائشہ و ام سلمہ و عمرو بن عاص مذکورہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۰۰ و خوارزمی صفحہ ۸۹ و صفحہ ۱۰۹ و صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۷ و نیز حدیث انت منی وانا منک سے مسلم جب ہی تو جناب امیرؑ نے یوم شوریٰ ۳۰ سو صحابیوں کے مجمع میں پوچھا کہ تم میں میرے سوا کوئی اور بھی ہے جسکو آنحضرت نے اپنا نفس کہا ہے؟ صحابیوں نے یک زبان ہو کے کہا اللّٰھم لا۔ صواعق محرقہ صفحہ ۹۳ و صفحہ ۱۰۷

ان احادیث صریحہ اور واقعہ مباہلہ سے مبرہن ہے کہ انفسنا سے خدا کی مراد علی بن ابی طالب ہی تھے ورنہ آنحضرت حضرت علی کو ساتھ نہ لیتے۔ (تفصیل امیر المومنین صفحہ ۸)

علیؑ عینِ رسولؐ ہیں

حضرت علامہ عیسیٰ شاہ نظامی حنفی فرماتے ہیں:

حدیث نور احمد بن حنبل از عبدالرزاق از معمرؒ از زھری از خالد بن معدان از زاذان از حضرت سلمان کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ تخلیق آدم سے چار ہزار سال پہلے المد کے حضور میں ہیں اور علی نور ہی نور تھے خلقت آدم کے وقت اس نور کی دو تجلیاں پیدا ہوئیں ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام علی کہا گیا کیا علیت کی اس سے بڑھی چڑھی شہادت ہو سکتی ہے؟ حدیث صحیح ثابت راوی کل کے کل ثقہ اور رجال صحیحین اسکی تصریح ریاض النظرہ ص۱۶۴ میں اور خواص الامہ ص۲۷ منیر حافظ بن عبدالبر نے بہجہ المجالس اور حافظ نطنزی نے خصائص علویہ ص۱۶۱ میں اور حافظ وصابی نے اکتفا ص۱۶۹-۱۷۱ میں کی ہے۔ ان کے علاوہ ابوحاتم رازی نے تفسیر میں حضرت انس سے حضرت احمد بن حنبل کے فرزند عبداللہ نے حضرت سلمان سے ابن مردویہ و خوارزمی ص۰۸ حضرت علی سے خطیب بن عبدالبر نے حضرت ابن عباس سے ابن مغازلی نے حضرت سلمان و جابر و ابوذر غفاری دیلمی ص۱۰۳ نطنزی حضرت سلمان سے اور ھانفی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے اس حدیث کی صحت و توثیق اساطین محدثین سے ثابت و مسلم ہے منکر بھی ان کے پڑھنے کے بعد بول اٹھے گا کہ حضرت علی کی یہ مہتم بالشان خصوصیت لاجواب ہے (تفصیل امیر المومنین ص۳)

علیؑ انبیائے سابقہ سے افضل ہیں

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ انبیائے سابقہ سے افضل ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین اے ابلیس جس کو میں نے اپنی خاص قدرت سے پیدا کیا اُس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کس نے رُوکا تو نے اپنے کو بڑا سمجھا۔ کیا تو عالین میں سے تھا۔

معلوم ہوا کہ خلقتِ آدمؑ سے پہلے کچھ بلند مرتبہ لوگ تھے۔ جو آدم سے افضل تھے اور ان کو سجدہ نہیں کر سکتے تھے۔

عَلّامہ حسینی شاہ نظامی تحریر فرماتے ہیں۔

حدیثِ نور امام احمد بن حنبل از عبدالرزاق از معمرؔ از زہری از خالد بن معدان از زاذان از حضرت سلمانؓ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تخلیق آدم سے چار ہزار برس پیشتر اللہ کے حضور میں میں اور علیؑ نُور ہی نُور تھے۔ خلقت آدمؑ کے وقت اس نور کی دو تجلیاں پیدا ہوئیں۔ ایک کا نام محمدؐ اور دوسری کا علیؑ رکھا گیا (تفصیل امیر المومنین صفحہ)

ابوسعید خدری ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا یا رسول اللہ! اس آیت کے بارے میں خبر دیجئے۔ استکبرت ام کنت من العالین۔ یہ کون لوگ ہیں جو ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں اور علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ یہ عرش کے پردوں میں اللہ کی تسبیح کرتے تھے۔ ہماری تسبیح سن کر ملائکہ تسبیح کرتے

تھے جناب آدمؑ کی خلقت سے چار ہزار برس قبل جب حضرت آدمؑ کو خدائے تعالیٰ نے خلق فرمایا تو ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں۔ سب نے سجدہ کیا۔ سوا ابلیس کے۔ اس وقت اللہ نے فرمایا۔ اے ابلیس تو نے اپنے کو بڑا سمجھا گیا۔ تو ان پانچ میں تھا جن کے نام عرش پر تحریر ہیں۔ تفسیر البرہان جلد ۴ صفحہ ۶۴، ۶۵

خداوند عالم نے اشرف المرسلینؐ پر قرآن نازل فرمایا جو علم و حکمت کا گنجینہ اور علوم اوّلین و آخرین کا خزینہ ہے جس میں ہر رطب و یابس موجود ہے علم کا یہ خزانہ کسی نبی پر نازل نہیں ہوا اور علم کا یہ بلند درجہ کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔ رسولِ خداؐ سے یہ علم علیؑ مرتضیٰ کو ملا۔

حافظ ابو نعیم فرماتے ہیں:۔

قرآن سات[1] حرفوں میں نازل ہوا اور کوئی حرف ایسا نہیں جس کا ظاہر و باطن نہ ہو اور اُس کا ظاہر و باطن درحقیقت علیؑ کے پاس تھا حلیۃ الاولیا۔ جلد ا صفحہ ۶۵۔

مُلّا محمد مُبین فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:۔

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ سب خشک و تر اس کتاب میں ہے۔ حضرت علیؑ کو ہفت بطن قرآن کا علم تھا اور ہر رطب و یابس جو قرآن میں نازل ہوا وہ امام العالمین کے حیطۂ علم میں تھا۔ وسیلۃ النجاۃ۔ صفحہ ۱۴۰

رسولِ خداؐ نے فرمایا عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ

---

[1] مفسرین اہلِ سُنّت کہتے ہیں کہ قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا حرفوں سے اُس کی مراد یہ موضوع ہیں۔ (۱) زجر (۲) امر (۳) حلال (۴) حرام (۵) محکم (۶) متشابہ (۷) امثال۔

حضرت علیؑ فرماتے تھے اَنَا قرآنُ النَّاطِق میں بولتا ہوا قرآن ہوں۔

ارشادِ رسولؐ ہے اَنَا مدینۃُ العلم وعلیٌّ بابُہا فمن اراد العلم فلیأتِ الباب۔ میں شہرِ علم ہوں، علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔ جس کو علم حاصل کرنا ہو وہ علیؑ سے حاصل کرے۔

یہ سارا علم علیؑ سے ائمہ اہلبیتؑ کی طرف منتقل ہوا۔ وہ راسخون فی العلم اور انبیائے سابقہ سے افضل تھے۔

قرآن کا سطحی علم رکھنے والے عُلماء کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا عُلَماءُ اُمّتی کانبیاءِ بنی اسرائیل ہماری اُمت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کے مثل ہیں۔ علیؑ اور تمام ائمہ اہلبیتؑ علمائے اُمت سے افضل ہیں تو سب انبیائے بنی اسرائیل سے افضل ہوئے۔

حضرت علیؑ اور ائمہ اہل بیتؑ، انبیائے سابقہ کی طرح معصوم تھے اُن کی زندگی گواہ ہے کہ ان سے کوئی گناہ نہیں ہوا۔ بعض انبیاء سے ترک

---

(١) ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اَنَا مدینۃُ العلم وعلیٌّ بابُہا وابوبکرؓ سقفہا وعمرؓ جدارہا۔ میں شہرِ علم ہوں۔ علیؑ اُس کا دروازہ ابوبکرؓ چھت اور عمرؓ دیوار ہیں۔ یعنی یہ میرے علم تک پہنچنے میں چھت اور دیوار کی طرح حائل ہیں جس کو علم حاصل کرنا ہو وہ دروازے سے آئے۔ اس کے راوی ابوہریرہؓ ہیں اور دوسرے راویوں کا پتہ نہیں۔ جو ہیں وہ ضعیف ہیں کسی معتبر کتاب میں یہ روایت نہیں۔ اس وجہ سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے سوانح نگاروں میں سے کسی نے ان کے حالات میں یہ روایت نہیں لکھی۔ اس سے ان کے علم کی نفی ہوتی ہے۔

ہونے کی یہ دلیلیں پیش کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہتے ہیں جس کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔

مولانا روم بھی حضرت علیؑ کو انبیائے سابقہ سے افضل مانتے ہیں وہ اپنی مثنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی میں فرماتے ہیں:۔ ؎

اُو خیو انداخت بر روئے علیؑ

افتخارِ ہر نبی و ہر ولی
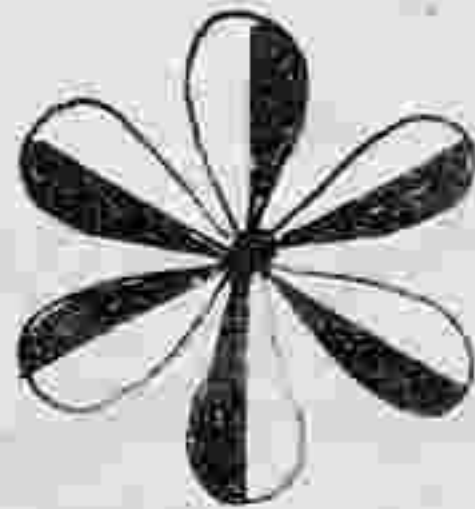
علی ناظم کائنات ہیں

صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ علیؑ قطب ابدال کے ذریعہ نظام کائنات چلا رہے ہیں۔ آگرے کے مشہور عالم و صوفی مولانا علی حیدر گنڈری شاہی نے اس موضوع پر پورا رسالہ لکھا ہے جس میں نظام پیش کیا ہے کہ علی اس طرح نظام کائنات چلا رہے ہیں۔

علی خدا ہیں

نصیری کہتے ہیں :-
کان کنزاً مخفیاً فحب ان اعرف فلبس لباس الانسان فی مدۃ قلیلۃ فغاب عن عیون الناس۔

وہ ایک کنز مخفی تھے انھوں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں بس وہ لباس انسان میں ایک مدت قلیل کے لیے ظاہر ہوئے پھر لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

ان کے خدا ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ان میں صفات کثیرہ جس درجہ کمال پر تھے وہ اگر کسی انسان میں پائے گئے ہوں یا پائے جا سکتے ہوں تو وہ انسان تھے اگر ان کا ایسا انسان پیش نہیں کیا جا سکتا تو ان کو خدا نہ ماننا بے عقلی اور معرفت خدا سے محرومی ہے۔

انھوں نے خود اپنی خدائی کا اظہار کر دیا تھا آپ کا مشہور قول ہے ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسدانیۃ بل قلعتہا بقوۃ ربانیۃ میں نے قلعہ خیبر اپنی جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ اپنی خدائی طاقت سے اکھاڑا اور یوں بھی ہر صفت میں ان کی یکتائی انکی خدائی کو ثابت کرتی ہے۔

علیؑ معجزہ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ ذاتِ علی کے ادراک سے انسان عاجز ہے رسولؐ خدا نے فرمایا علیؑ کو کسی نے نہیں پہچانا مگر میں نے اور خدا نے اُن کی ذات پر غور کرنے والا کیا کچھ کہنے لگتا ہے۔ بقول جاوید مرحوم

رُتبے ہیں یدُاللہ کے کس کو معلوم ؛ جو کچھ نہیں سمجھے وہ خدا کہتے ہیں

غور کیجئے جس پر اسلامی ممالک میں چالیس برس تک منبروں پر لعنت کی جاتی رہی ہو جس کا اچھائی سے نام لینا قتل کے لئے کافی ہو جس کا نام مٹانے میں قہار و جبار سلطنتوں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا ہو آج وہ قلوب واذہان پر چھایا ہوا ہے اس کا مدفن دنیا کی سب سے قیمتی عمارت ہے جو سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی عبادت گاہ ہے جو اوّلِ صبح سے نصف شب تک ملک ملک کے زائروں سے بھری رہتی ہے زیارت کی آواز سے ایوان اور نماز کی آواز سے رواق گونجتا رہتا ہے یہاں دنیا کی سب سے بڑی دینی درسگاہ ہے اور علماء کا جمِ غفیر ہے کروڑوں نذر و نیاز سال بھر ان کے نام پر ہوتی ہے۔ جتنی کتابیں اُن پر لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں دُنیا میں کسی کے لئے نہیں لکھی گئیں۔ ہر سال ہزاروں شعر ان کی منقبت میں کہے جاتے ہیں۔ ان کو بُرا کہنے والوں کا وجود آج دنیا میں نہیں ہے۔ صوفیا علیؑ علیؑ کا وِرد کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

مستِ وِلائے حیدرم دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

کوئی انبیاء کا مثل کوئی اُن سے افضل اور کوئی خدا مانتا ہے اُن کے بارے میں زبان کھولنا بڑا مشکل کام ہے یہ کارگہِ شیشہ گری ہے جس میں سانس بھی آہستہ لینا چاہیئے اور اس حد پر رُک جانا چاہیئے۔

من ذاتِ علیؑ بواجبی کے می دانم ؛ اِلّا دانم کہ مثلِ اُو ممکن نیست

حاصلِ کلام

اب تک ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کا منشاء ایک ایسے معاشرہ کا قیام ہے جس کی بنیاد امن و سلامتی عدل و انصاف اخوت و مساوات رحم و کرم اور ایثار و قربانی پر ہو اس کے لئے اس نے ایک مکمل قانون بنایا اور اس کو نافذ کرنے کے لئے پیغمبر ہاشمی کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے وہ معاشرہ قائم کیا۔

علی بن ابی طالب ان کے فیض تربیت سے ان کے علم کا خزینہ اور ان کے کمالات کا نمونہ تھے۔ ان کے بعد وہی اس معاشرہ کو منشائے خدا کے موافق چلا سکتے تھے۔

ہماری یہ رائے عقلی فیصلہ اور منطقی نتیجہ ہے اس کی تاریخی حیثیت کہ رسول خدا نے بحکم خدا ان کو اپنا جانشین و خلیفہ بنا دیا تھا۔ اس کے فیصلہ میں ہم علمائے اہلِ سنت کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ جو ہم آئندہ بتائیں گے۔

پہلے ہمیں اہلِ سنت کے عقیدہ خلافت کو سمجھنا چاہیئے۔

خلافت میں اہلِ سنت کے مختلف عقائد

مسئلہ خلافت میں اہلِ سنت کے مختلف عقائد ہیں جن سے مختلف طبقے پیدا ہو گئے ہیں ہم ہر طبقہ کے عقیدے کو پیش کرتے ہیں۔

پہلا گروہ: کہتا ہے کہ علی دینی و روحانی خلیفہ تھے اور ابو بکر دینوی۔

دوسرا گروہ:۔ کہتا ہے کہ علی افضل اُمت ہیں رسول خدا نے ان کو اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ لیکن اس سے ان کی خلافت بلا فصل ثابت نہیں ہوتی۔ ابوبکر کی خلافت بھی قیاس فقہی سے ثابت اور منصوص ہے۔ ترتیب خلافت میں اتفاقی طور پر علی کا چوتھا نمبر آ گیا۔ اس سے ان کی افضلیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تیسرا گروہ:۔ کہتا ہے کہ رسول خدا نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا جن حدیثوں سے علی کی خلافت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اس سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ خلافت نہیں۔

چوتھا گروہ:۔ کہتا ہے کہ علی کو خلفائے ثلثہ پر کوئی افضلیت حاصل نہیں جو ترتیب خلافت کی ہے وہ فضیلت کی ترتیب ہے۔ علی کے فضائل میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ان میں کچھ ایسی ہیں جو رسول خدا نے اس علم کی بنا پر بیان کر دی ہیں کہ بنی امیہ و خوارج انہیں بُرا کہیں گے زیادہ ایسی ہیں جنہیں شیعوں نے گڑھ کے نہایت ہوشیاری سے اہلِ سنت کی کتب احادیث میں داخل کر دی ہیں۔

آخر کی دونوں باتوں کی رد علمائے اہلِ سنت کے اس طبقہ نے کر دی ہے جو حضرت ابوبکر کی قیاسی خلافت کا قائل ہے اس کی تفصیلی بحث آئندہ اوراق میں انہیں کے قلم سے آپ کو ملے گی۔ اس وجہ سے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف روحانی و قیاسی خلافت کے نظریہ کو پیش کریں گے۔ جہاں وضاحت کی ضرورت ہو گی وہاں اپنی رائے بھی ظاہر کرتے رہیں گے۔ لیکن اس مسئلہ کے کچھ مبادی و مقدمات بھی ہیں جن پر تمام اہلسنت کو اتفاق ہے لہٰذا پہلے انکو بیان کرنا ضروری ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کے پاس کوئی

نظام حکومت نہیں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کے پاس ایک نہیں دو دو نظام موجود ہیں اور دونوں مکمل ہیں۔ پہلا عہد نبوی کا جس کی بنیاد وحی پر ہے جسے ہم پیش کر چکے۔ دوسرا بعد کا جس کی بنیاد بقول شبلی نعمانی مصالح وجوہ پر ہے اسے اب پیش کرتے ہیں۔

نظام حکومت بعد رسول

(۱) خلیفہ کی ضرورت

یہ عقلی اور بدیہی بات ہے کہ دنیا کا کوئی نظام بغیر ناظم کے نہیں چل سکتا لہٰذا اسلامی مملکت کے لیے ایک سربراہ کی ضرورت ہے جو ملک و قوم کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہو۔ اس کو خلیفہ، امیر، ناظم، والی جو جی چاہے کہہ لیجئے معاویہ کو امیر کہا جاتا ہے ترکی کے خلفاء سلطان کہے جاتے ہیں۔

(۲) خلیفہ کیسا ہو

حضرات اہل سنت کے عقائد کی کتابوں میں تین کتابیں سب سے زیادہ مستند و معتبر ہیں ایک علامہ نسفی کی شرح عقائد دوسری علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد تیسری میر شریف کی شرح مواقف ان تینوں کتابوں میں نظام حکومت لکھا ہوا موجود ہے۔ علامہ نسفی تحریر فرماتے ہیں۔

خلیفہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کامل ولایت کے شرائط رکھتا ہو (مرد مسلم عاقل بالغ آزاد) نظام حکومت چلانے کی قابلیت رکھتا ہو اپنے علم و عدل کی بناء پر احکام شرعیہ کا اجراء اور اسلامی شہروں کی حفاظت کا کام کرے۔ مظلوم کے انصاف کی قدرت رکھتا ہو۔ شرح عقائد نسفی

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

پانچواں عقیدہ یہ ہے کہ امام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو (تحفہ اثنا عشریہ)۔

---

(۳)

خلیفہ کے اختیارات

خلیفہ ملک کے نظم و نسق کا تنہا ذمہ دار ہے جو عہدہ چاہے قائم کرے جس عہدہ پر جس کو چاہے مقرر کرے۔ سلیکشن کرے الیکشن کرائے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں جب چاہے معزول کر دے۔ اسے اختیار ہے کہ کسی سے مشورہ لے یا نہ لے اور مشورہ لینے کے بعد بھی اس پر عمل کرنے کا اسے اختیار ہے۔

---

(۴)

خلافت کی کوئی میعاد نہیں

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔ بے سبب امام کو عزل کرنا جائز نہیں اگر وہ اپنے کو معزول کر دے اور یہ عزل امر امامت بجا لانے سے عاجز کی ہو تو معزول ہو جائے گا ورنہ نہیں اشرح مقاصد۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں۔

امام معزول نہیں ہوگا اللہ کی اطاعت سے خارج ہو جانے کی وجہ سے
اور بندوں پر ظلم کی وجہ سے اس واسطے کہ فسق ظاہر ہوا اور جور پھیلا ائمہ اور
امراء سے خلفائے راشدین کے بعد۔ شرح عقائد نسفی۔

(۵)

تقرر خلیفہ کے اصول

میر شریف تحریر فرماتے ہیں: مسلمان اگر کسی شخص کی بیعت
کرلیں اور اس کو امامت کے لئے اختیار کرلیں تو پھر تو ... خلافت کے لئے
اجماع کی ضرورت نہیں، نہ دلیل عقل نہ از روئے نقل بلکہ دو ایک آدمیوں
کی بیعت کر لینا بھی ثبوت امامت کے لئے کافی ہے اور اس سے تمام مسلمانوں
پر اس کی اطاعت و پیروی واجب ہو جائے گی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ
نے دو ایک آدمی کی بیعت کو ثبوت امامت کے لئے کافی سمجھا جیسے ابوبکر کی خلافت
عمر کی بیعت کر لینے سے ثابت ہو گئی اور عثمان کی خلافت عبد الرحمن کی بیعت کر دینے
سے مستقر ہو گئی اور ثبوت کے لئے مدینہ کے اہل حل وعقد کا اجماع ضروری
نہیں سمجھا گیا چہ جائیکہ تمام علماء و امصار و اہل اسلام کے اتفاق جماع کو
شرط قرار دیا جائے۔ شرح مواقف

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

امامت کے منعقد ہونے کے طریقے

ایک یہ کہ علماء و رؤسا میں سے اہل حل وعقد اور سرداران مردم
کا بیعت کرنا جو بوقت بیعت بسہولت حاضر ہو سکتے ہوں اور اس میں عدد
کی شرط نہیں ہے نہ تمام اہل بلاد کا اتفاق شرط ہے بلکہ اگر اہل حل وعقد

نے شخص نافذ الحکم کو مقرر کر دیا ہے تو یہ بیعت کے لئے کافی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام سابق کا کسی کو اپنا ولی عہد و خلیفہ مقرر کرنا شوریٰ بھی بمنزلۂ استخلاف ہے مگر اس میں فرق یہ ہے کہ خلیفہ متعین نہ ہوگا لوگ شوریٰ کر کے ایک پر اتفاق کریں گے اور جب امام خود کو معزول کر دے تو وہ گویا مردہ ہے اور امر امامت ولی عہد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

تیسرا قاعدہ قہر و غلبہ کا ہے پس جب امام مر جائے اور امامت کی باگ وہ سنبھال لے جو جامع شرائط نہ ہو یعنی نہ اس کی بیعت ہوئی ہو نہ استخلاف اور وہ لوگوں پر غلبہ حاصل کر کے اپنی صولت سے یہ مرتبہ حاصل کر لے تو اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی اور اسی طرح اگر وہ امام فاسق و جاہل ہو جب بھی بنا پر قاعدے کے وہ امام ہو جائے گا اور اگر قہر و غلبہ سے امامت ثابت ہو گئی پھر دوسرا آگیا اور اس نے پہلے کو مقہور کر دیا تو یہ مقہور معزول ہو جائے گا۔ اور وہ قہر و غلبہ والا امام ہو جائے گا۔[1] شرح مقاصد۔

****

---

[1] شیعہ کہتے ہیں کہ اولو الامر خلیفہ و امام ائمہ اہلبیت کے سوا کوئی نہیں آج کے لئے مجتہد حاکم شرع و نائب امام ہے۔ جس میں یہ شرائط پائے جاتے ہوں حافظاً لدینہ صائناً لنفسہ مطیعاً لامر مولیٰ مخالفاً لھواہ فللعوام ان یقلدوہ دین کا عالم نفس کا محافظ امر الٰہی کا مطیع خواہش نفس کا مخالف ایسے شخص کی اطاعت و پیروی کرنا چاہیئے اگر اسلامی مملکت قائم ہو تو بھی اس کا سربراہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ کسی وقت اطاعت خدا سے باہر ہو جائے تو وہ فاسق ہے نہ اس کی تقلید جائز ہے نہ اطاعت وہ فوراً معزول کر دیا جائے گا۔

ذرائع آمدنی

جزیہ، زکوٰۃ، عشر مملکت کی آمدنی کے ذرائع ہیں ان سے عمال کو اتنی ہی تنخواہ دی جائے گی جتنے میں وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اوسط زندگی گذار سکیں۔ عہدوں کے فرق سے تنخواہ نہیں ہے باقی جو بچے وہ ذوی القربیٰ ایتام مساکین اور مسافروں کا حق ہے۔

امور خیر کی آمدنی

دفاع، تعلیم، صحت، سڑکیں بنانا اور ان کی درستی سڑکوں پر روشنی قوم کی اعانت سے کی جائے گی۔ کسی قسم کا ٹیکس لگانے کا حق حکومت کو نہیں۔

ریل، ڈاک، تار، ٹیلکس، آبرسانی تجارت ہے صارفین سے اس کا معاوضہ لیا جائے گا۔

خلافت کی ابتدا

حضرت ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ اور ان کے ہمخیال اصحاب کے عمل سے ظاہر ہے کہ وہ تشکیل خلافت میں کسی اصول کے پابند نہ تھے۔ اگر کوئی اصول ہوتا تو اسی کی رو سے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور معاویہ خلیفہ ہوتے۔ مگر ہوا یہ کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کی بیعت سے خلیفہ ہوئے حضرت عمر کو حضرت ابوبکر نے نامزد کیا حضرت عمر نے خلافت شوریٰ کے سپرد کی جس نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا۔ معاویہ نے قہر و غلبہ سے خلافت حاصل کی۔ ابوالعباس سفاح نے بنی امیہ کا قتل عام کر کے خلافت چھین لی لوگوں نے ان سب خلافتوں کو صحیح تسلیم کر لیا اور یہی اصول بنا لیا۔

ایک ہی اصول

اب ایک ہی اصول بنا کہ جو شخص جس طرح بھی خلافت حاصل کر لے وہ طریقہ صحیح ہے۔

بنی عباس کے دور میں علماء نے تشکیل خلافت کے طریقوں کو دیکھ کے یہ اصول بنائے قرن اول میں کسی کے ذہن میں یہ اصول نہ تھے۔ چونکہ ان طریقوں سے بننے والی خلافتیں صحیح و جائز تسلیم کر لی گئیں۔ اس وجہ سے آج تک تمام اہل سنت ان طریقوں کو صحیح و جائز سمجھتے چلے آ رہے ہیں کیونکہ ان میں سے جس طریقے کو غلط کہہ دیں اس طریقے سے بننے والی خلافت باطل ہو جائے گی۔ یعنی اگر یہ کہیں کہ خلافت کے لئے چند آدمیوں کی بیعت۔

کافی نہیں رائے عامہ سے خلیفہ ہونا چاہیے تو حضرت ابو بکر کی خلافت باطل
ہو جائے گی اگر یہ کہیں کہ ایک شخص تنہا اپنی رائے سے امت کی قیادت کسی
کے سپرد کرنے کا حق نہیں رکھتا تو حضرت عمر کی خلافت باطل ہو جائے گی۔
چند آدمیوں میں خلافت منحصر کر کے ساری اُمت کو حق خلافت و حق رائے
دہندگی سے محروم کر دینے کو غلط کہیں تو حضرت عثمان کی خلافت باطل
ہو جائے گی اور قہر و غلبہ سے حکومت حاصل کرنے کو غلط کہیں تو معاویہ
کی خلافت باطل ہو جائے گی۔ اس وجہ سے تمام اہلِ سنت ان طریقوں کو
جائز مانتے چلے آ رہے ہیں۔

تعجب خیز بات

عجیب بات یہ ہے کہ آج حضرات اہلِ سنت ان طریقوں پر عمل کرنے
کو راضی نہیں ہیں حالانکہ یہ عمل صحابہ ہے جس پر اجماع امت ہے اور عقائد کی
کتابوں میں مسلمہ اصول کی حیثیت سے لکھا ہوا ہے۔ اگر آج وہ غلط ہیں تو
اس وقت کیوں صحیح تھے اور اس وقت صحیح تھے تو آج غلط کیوں ہیں مگر وہ کہتے
ہیں کہ اس وقت تو صحیح تھے آج اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بو العجبیست

خلافت ابو بکر کا اشارہ

حضرت ابو بکر کی خلافت پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت نے اپنی

زندگی کے آخری دن سے نماز پڑھوا کے ان کی خلافت کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ مگر یہ اشارہ اس وقت کے لوگوں نے نہیں سمجھا نہ خود حضرت ابوبکر نے سمجھا اور نہ وہ سقیفہ میں پہلے یہ بات پیش کرتے کہ رسول خدا نے مجھ سے نماز پڑھوا میری خلافت کا اشارہ کر دیا تھا اب مجھ سے نزاع کیوں کرتے ہو؟ بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم رسول کے قرابتدار ہیں اس وجہ سے ان کی خلافت کے حقدار ہیں ہم سے جو نزاع کرے گا وہ ظالم ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اسی نماز والی روایت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن زمعہ نے حضرت عمر سے نماز پڑھانے کو کہا۔ انہوں نے نماز شروع کی جب آنحضرت نے ان کی آواز سنی تو برہم ہو گئے اور فرمایا کہ رسول اور مسلمان انکار کرتے ہیں کہ عمر نماز پڑھائیں اور حضرت عمر کو نماز چھوڑ کے ہٹ جانا پڑا اگر وہ خلافت کی طرف اشارہ ہے تو یہ ہمیشہ کے لئے خلافت سے محرومی کی طرف اشارہ ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں امامتِ نماز سے خلافت کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر امامت نماز مستحق خلافت بنا دیتی ہے تو جب حضرت عمر پر ابو لؤلو نے قاتلانہ حملہ کیا اور وہ نماز پڑھانے کے قابل نہ رہے تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے نماز پڑھانے کو کہا اور انہوں نے نماز پڑھائی لیکن حضرت عمر کے بعد نہ انہوں نے دعوائے خلافت کیا نہ حضرت عمر نے ان سے نماز پڑھوا کے انہیں مستحق خلافت سمجھا۔

روحانی خلافت

حضرات اہلِ سنت کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ آنحضرت کی دو حیثیتیں تھیں۔

ایک دینی دوسری دنیوی دینی خلافت حضرت علی کی طرف منتقل ہوئی اور دنیوی حضرت ابو بکر کی طرف۔

مولانا شاہ پیر محمد صاحب م ۱۰۵۸ھ لکھنؤ کے بڑے جلیل القدر عالم تھے صاحب کمالات صوری و معنوی معقولات میں بھی اپنا مثل نہیں رکھتے تھے اور صاحب کشف و کرامات بھی تھے وہ بہت سی کتابوں اور رسالوں کے مصنف بھی تھے انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے مصالح الطالبین اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

خلافت از پیغامبر بر دو نوع است یکے خلافت صغریٰ کہ خلافت ظاہری است وان معروف است درمیان جمیع امت دوم کبریٰ کہ خلافت باطنی است وان مخصوص است باہل اُن وان خلافت کبریٰ با امیر المومنین کرم اللہ وجہہ رسید۔

یہ صحیح ہے کہ رسول خدا دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں کے جامع تھے۔ جس کا منشاء دنیا کو دین کے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ یہی منشائے بعثت ہے اور یہ دونوں حیثیتیں خلیفۂ رسول میں بھی جمع ہونا چاہیے۔ اگر ان کو تقسیم کر دیا جائے تو دنیوی خلیفہ کو دینی معاملات میں اور دینی و روحانی خلیفہ کو دنیوی معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہیں رہے گا۔ اور مقصد خلافت ختم ہو جائے گا۔ خلافت کی تعریف میں دینی اور دنیوی دونوں حکومتیں داخل ہیں۔ ھی ریاسۃ عامۃ تامۃ علیٰ جمیع الناس فی امور الدین والدنیا نیابۃ عن النبی یہ ریاست عامہ تامہ ہے تمام لوگوں پر امور دین و دنیا میں نبی کی نیابت میں دینی اور دنیوی خلافت کا نظریہ واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان و معاویہ دینی معاملات

میں بھی دخیل رہے حضرت علی کو دینوی معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہ تھا.
سلیفہ رسول نہ کسرائے عجم ہے نہ پاپائے روم بلکہ دو خلیفہ میں ایک حاکم
دین دوسرا حاکم دنیا مجوسیوں کے دو خدا اہرمن ویزدان خالق شر و خالق
خیر کی طرح ــــ

قیاسی خلافت

مسئلہ تفضیل قیاسی خلافت کی بنیاد مسئلہ تفضیل پر ہے اس وجہ سے پہلے اس کو سمجھنا چاہیئے۔ اس میں حضرات اہل سنت کے دو گروہ ہیں۔

ایک کہتا ہے کہ جو خلافت کی ترتیب ہے وہی فضیلت کی ترتیب ہے یعنی سب سے افضل حضرت ابوبکر تھے ان کے بعد حضرت عمر کا درجہ ہے ان کے بعد حضرت عثمان کا اور آخر میں علی کا۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فضیلت فضائل سے حاصل ہوتی ہے۔ علی کے فضائل بے شمار ہیں اس لئے وہ سب سے افضل ہیں۔ اور جب وہ ان سے پوچھتا ہے کہ فضیلت بر ترتیب خلافت کی دلیل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں قیاس۔ یعنی فضیلت بر ترتیب خلافت از روئے قیاس بس یہی تین فقرے ان کے پاس ہیں اگر قرآن یا حدیث میں قیاس کا ذکر ہوتا تو دو تین سطروں کا اضافہ ہو جاتا اب صرف اتنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر کے وضع کردہ قیاس کی رو سے فضیلت کی وہی ترتیب ہے

جو خلافت کی ترتیب ہے بس یہی ایک جملہ ان کی کائنات ہے جس پر ان کے عقیدہ کی اساس ہے اس پر نہ کوئی نقلی دلیل ہے نہ عقلی اور یہ قیاسی ترتیب فضیلت بھی خلفائے اربعہ تک محدود ہے۔ انبیاء میں آنحضرت سب کے بعد آئے اور سب افضل ہیں اور خلفائے بنی امیہ و بنی عباس سب آپس میں برابر ہیں۔ اس عقیدے کے اثبات کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہے نہ کچھ ہو سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس گروہ کے کسی عالم نے اپنے دعوے کے اثبات میں کتاب لکھنا تو درکنار دو چار سطریں بھی نہیں لکھیں۔ ابتدا میں تو لوگ متردد رہے اور کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ سب سے پہلے ابوالحسن اشعری نے فضیلت پر ترتیب خلافت کو قطعی کہا مگر وہ بھی قیاس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

برخلاف اس کے وہ گروہ جو فضائل کو معیار فضیلت سمجھتا ہے۔ اس نے اپنے مدعا کے اثبات میں دریا نہیں سمندر بہا دیئے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے اس موضوع پر تفصیلی بحث ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت علی افضل صحابہ تھے۔

اس موضوع پر سب سے زیادہ وقیع کام ہندوستان میں ہوا ہے علامہ عبید اللہ امر تسری نے سات سو صفحے کی کتاب ارجح المطالب لکھی ہے جس میں پیغمبر کی حدیثیں مع رواۃ کے اہل سنت کی معتبر کتابوں سے اور قرآن کی آیتیں مفسرین اہل سنت کی تفسیروں سے پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ حضرت علی افضل امت تھے اور اپنا عقیدہ بھی اس شعر سے بیان کر دیا ہے۔ ؎

پاس ادبم بہر چہار است ٭ لیکن لعلی ہزار کاست

ان کے بعد مولانا شاہ محمد علی حیدر قلندر سجادہ نشیں کاکوری شریف نے تین جلدوں میں جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہیں عقلی و نقلی دلیلوں

سے ثابت کیا ہے کہ حضرت علی افضل امت تھے۔ خواجہ حسن نظامی زندگی بھر اس کی تبلیغ کرتے رہے۔"

آخر میں علامہ عینی شاہ نظامی نے اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بہت سے حوالوں سے حضرت علی کو افضل امت ثابت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کسی اچھی صفت کا کسی میں بدرجہ کمال پایا جانا فضیلت کا باعث ہے اور جب ایسے پاک صفات کا کوئی مجمع علیہ ہو تو وہ اپنے اقران میں ایک افضل فرد مانا جاتا ہے یہ تو رہا ہر قوم و ملت کے ارباب حل و عقد کا مسلمہ کلیہ مگر خلفائے راشدین کے بارے میں ہمارے فقہا ساری دنیا سے الگ ہو کر صرف ایک ترتیب خلافت کو تفضیل کا معیار قرار دیتے ہیں اور معقولیت سے ذرا دور جا پڑتے ہیں۔ بھلا کسی کا کسی منصب یا عہدے پر پہلے مامور ہو جانا کوئی معیار فضیلت کا ہو سکتا ہے؟ کیا پہلے نبی حضرت آدم کو ہم آنحضرت سے افضل مان سکتے ہیں؟ ممکن ہے ترتیب بر خلافت کا خیال قرون وسطیٰ میں نیا حل ہونے کی وجہ سے خوشگوار رہا ہو مگر آج کل جب کہ معقول و منقول کی عالمگیر اشاعت ہو رہی ہے وہ ایک بودا اور فرسودہ فقہی قیاس نظر آرہا ہے۔

ابو محمد حسن بن متویہ کفایہ میں روایات فضیلت جناب امیر کی کثرت و صحت دیکھ کے آپ ہی کا افضل اُمت ہونا ثابت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں لہٰذا ہم خلف بھی باتباع ائمہ ہدیٰ حضرت امیر کا افضل اُمت ہونا تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ جناب امیر کی ان گنت اور بڑھی چڑھی فضیلتوں کے آگے کوئی بھی ہو تو کیا کر سکتا ہے۔ چنانچہ احمد بن حنبل اور نسائی۔ حاکم ابو علی نیشاپوری قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق ابن جریر طبری ابن عقدہ و ابن عبدالبر

جیسے ائمہ حدیث بالاتفاق معترف ہیں کہ فضائل جناب امیر میں جس کثرت سے صحیح الاسناد حدیثیں آئی ہیں کسی صحابی کی شان میں نہیں آئی ہیں۔ مستدرک حاکم علی الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۰۷، استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ صواعق محرقہ صفحہ ۷۲۔

حضرات ابن عباس و ابن مسعود و ابوذر کا متفقہ بیان ہے کہ علی کی شان میں جس کثرت سے آیتیں نازل ہوئی ہیں کسی کی شان میں نہیں آئی ہیں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۳ و صفحہ ۳۹۱ و ابونعیم در حلیہ صفحہ ۶۶ در ریاض النضرہ صفحہ ۲۰۷ و صواعق محرقہ ۷۲۔

نیز حضرات ابی بن کعب، حذیفہ و ابن عباس آنحضرت سے ناقل ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی یا ایہا الذین آمنوا کا خطاب وارد ہوا ہے علی اس گروہ کے سردار اور رئیس ہیں۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت علی کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں (صواعق محرقہ صفحہ ۷۲) بعض کا یہ تخیل کہ خوارج و بنی امیہ کے برے سلوک کا آنحضرت کو پیش از پیش علم ہونے کی وجہ سے آنحضرت نے بطور حفظ ماتقدم فضائل علی بکثرت بیان فرمائے کوئی دل لگتی بات نہیں کیونکہ آنحضرت نے باوجود اس علم کے کہ خلفائے ثلثہ کو بھی مورد طعن بنایا جائے گا ان بزرگوں کے اتنے فضائل بیان نہ فرمائے علاوہ ازیں آنحضرت کی ذات قدسی صفات کی طرف ایسی بے تکی باتوں کی نسبت دینا سوء ادبی اور گستاخی ہے آنحضرت نے جتنا جس کے متعلق فرمایا وہ عند اللہ بھی اتنے ہی کے مستحق تھے۔ بعض کا یہ قیاس کہ شیعہ نے ہماری کتابوں میں حضرت علی کے صدہا جعلی فضائل کا الحاق کر دیا ہے نہایت مجنونانہ منطق ہے

کیونکہ اسّی سالہ دور بنی امیہ میں۔ فضائل علی تو درکنار نام علی بھی زبان سے نکالنا مستوجب قتل تھا اور شیعان علی اپنی جان و آبرو کی خیر مناتے دبکے پڑے رہتے تھے اس دور میں جبکہ حقیقی فضائل علی بھی زبان پر نہیں آسکتے تھے تو وضعی فضائل کا الحاق و اشاعت جان جوکھم کی بات تھی اس سے قطع نظر فضائل علی بکثرت روایت کرنے والے حضرات اساطین علمائے اہل سنت امام احمد بن حنبل، ابو علی، ابن ابی شیبہ، اعمش، نسائی، عبد الرزاق نیشاپوری، قاضی اسمٰعیل بن عقدہ، ابن مردویہ حاکم، ابو حاتم رازی، طبرانی ابن جریر طبری، ابن عبد البر، ابو نعیم، دیلمی ابن مغازلی، ابن اثیر جزری، خوارزمی دولابی سیوطی، ابن حجر مکی، وغیرہم مستند ائمہ حدیث ہیں ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کے موضوعات کا ادخال ان کی کتابوں میں کارے دارد تھا۔ تدوین کتب سے پہلے انہوں نے ہر روایت کی دیکھ بھال کرلی اور اپنے اطمینان کے بعد ہی ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں داخل کیا۔ اور ہم تک پہنچایا۔

اس پر آج ہمارا یہ کہنا کہ ان کتابوں میں شیعہ کی ساختہ برداختہ روایتیں بھری پڑی ہیں ایک طفلانہ عذر ہے بلکہ معاملہ تو اس کے برعکس ہوا ہے خلفائے راشدین کی ختم خلافت کے ساتھ بنی امیہ کا اسّی سالہ دور شروع ہوا اس دور کی چند خصوصیتوں میں استیصال فضائل علی اور سب و شتم علی بہت نمایاں تھا بنی امیہ کی اس سعی استیصال مناقب علی کے باوجود آج ہم اہل سنت کی کتب حدیثیہ میں ہزارہا فضائل علی کا موجود رہنا ہی فضائل علی کی حقانیت کی دلیل ہے۔ ان حالات کے باوجود جناب امیر کے ان گنت فضائل و مناقب کا وجود سب سے

بڑا اعجاز ہے۔ خدا کی شان ہے کہ جہاں حکومتیں آپ کے فضائل ومناقب کے استیصال میں اپنا خون پانی ایک کر دیں خدا نے ان کے مناقب اتنے پھیلا دیے کہ آج سب سے بڑھ کر آپ ہی کے فضائل ہماری حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں ایک طرف تو آپ کے خداوندی محاسن ومکارم بے شمار نظر آتے ہیں دوسری طرف آپ کی فضیلتیں صدہا دکھائی دیتی ہیں سب سے بڑا لطف یہ ہے کہ سب کی سب ثابت بھی ہیں مسلم بھی مرفوع بھی اور مرسل بھی بڑھ چڑھ کر بھی اور متواتر بھی۔

(تفضیل امیر المومنین از صفحہ ۳ تا ۶)

یہ حدیثیں جو مرسل بھی ہیں مرفوع بھی ہیں اور متواتر بھی ہیں ان میں حضرت علی کی خلافت کی تصریح ہے ان سے انکار شان علم کے خلاف تھا اس وجہ سے علمائے اہل سنت کے ایک طبقہ نے بے تامل مان لیا کہ رسول خدا نے حضرت علی کو اپنا جانشین وخلیفہ بنا دیا تھا لیکن حضرت ابوبکر کی خلافت بھی قیاس فقہی کی بنا پر ثابت ومنصوص ہے کیونکہ خدا نے حضرت داؤد کی موجودگی میں حضرت طالوت کو خلیفہ وامام بنایا۔ یعنی فاضل کی موجودگی میں مفضول خلیفہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت علی کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی خلافت بھی صحیح وجائز ہے۔

شیعوں کی طرف سے رد

شیعوں نے اس کی ردیہ کی کہ علمائے اہل سنت کو دھوکا ہوا انہوں نے الفاظ قرآنی کے معنی غلط لئے خدا نے قرآن میں طالوت کو ملک کہا ہے

خلیفہ و امام نہیں۔ لہٰذا اہلِ سنت کے قیاس فقہی سے حضرت ابوبکر کو بادشاہ کہا جا سکتا تھا مگر فقہائے اہل سنت کہتے ہیں کہ مقیس اور مقیس[۱] علیہ میں علت کا اشتراک شرط ہے اور خدا نے حضرت طالوت کی بادشاہت کی علت ان کے علم و جسمانی قوت بتائی ہے۔ اور حضرت ابوبکر سے علم و جسمانی طاقت کا مظاہرہ کبھی نہیں ہوا لہٰذا یہاں قیاس کا عمل جاری نہیں ہو سکتا اور منطقی حیثیت سے بھی یہ قیاس مع الفارق ہے اس سے نہ حضرت ابوبکر کی بادشاہت ثابت ہوتی ہے نہ خلافت اور طالوت کی بادشاہت جالوت کے مقابلہ کے لئے وقتی تھی جب حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا تو بادشاہت بھی طالوت نے حضرت داؤد کے سپرد کر دی اور حضرت ابوبکر نے خلافت علی کے سپرد نہیں کی اس وجہ سے اس میں کوئی علت ایسی مشترک نہیں ہے جس پر قیاس کیا جا سکے۔

شیعوں کے پاس خلافت علی کے ثبوت نہیں

ہم نے اس گفتگو کے آغاز میں کہا تھا کہ حضرت علی کی خلافت کے ثبوت میں ہم علمائے اہل سنت کی رہنمائی کے محتاج ہیں اب اس بحث کے اختتام پر ہم اس کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں۔

شیعہ ایک طویل مدت تک اس معاملہ میں خاموشی اختیار کئے رہے

---

[۱] مقیس جس کا قیاس کیا جائے مقیس علیہ جس پر قیاس کیا جائے جس بات پر قیاس کیا گیا اگر وہ دونوں مشترک نہیں ہے تو قیاس باطل ہے۔

کیونکہ حکومت وقت نے علی کے فضائل بیان کرنے والوں کے قتل عام کا حکم دے رکھا تھا بڑے متقی و پرہیزگار صحابی رسول اس جرم میں قتل ہوئے اور حجر بن عدی کے قتل سے تو عالم اسلام لرز اٹھا کتنے قتل ہوئے اس کا شمار ممکن نہیں نہ اس کی تفصیل ہمارا موضوع ہے کہنا صرف یہ ہے کہ ایسے حالات میں جو لوگ فضائل علی نہیں بیان کر سکتے تھے وہ خلافت کی بحث کیسے چھیڑ سکتے تھے اس مجبوری سے وہ تقیہ کی آڑ میں دبکے پڑے رہے۔

جب گرمی ذرا کم ہوئی تو علمائے اہل سنت میدان میں آئے اور علی کے فضائل میں کتابیں لکھنا شروع کیں اور اتنی لکھیں کہ انبار لگا دیا۔

جب شیعہ کچھ کہنے کے قابل ہوئے تو اہلسنت کا جمع کیا ہوا سارا ذخیرہ لے اڑے اور اسی کو اہل سنت کے سامنے علی کی خلافت بلا فصل کے ثبوت میں پیش کر دیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہی شکایت کی ہے کہ حضرت علی کے فضائل کی جو حدیثیں اہل سنت نے خوارج کے مقابلہ میں پیش کی تھیں۔ وہی شیعوں کے پاس ہیں اور یہ حقیقت ہے

شیعہ اپنے عقیدے کے اثبات میں یہ پانچ آیتیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) انی جاعل فی الارض خلیفہ ۔ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔

(۲) انی جاعلک للناس اماما ۔ میں نے تم (ابراہیم کو) لوگوں کا امام بنایا۔

(۳) انا جعلنٰک خلیفہ فی الارض ۔ میں نے تم کو (داؤد کو) زمین پر خلیفہ بنایا۔

(۴) وربک یخلق ما یشاء ۔ تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے۔ وہ پیدا ویختار ما کان لهم الخیرة ۔ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے منتخب کرتا ہے۔ یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں

نہیں۔

(۵) وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا۔

کسی مومن و مومنہ کو اللہ و رسول کے حکم کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں۔ جس شخص نے خدا و رسول کے حکم کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہوا۔

ان آیتوں سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ خلیفہ بنانا خدا کا کام ہے یہ اختیار اس نے کسی کو نہیں دیا جو اس کے خلاف کرے گا وہ گمراہی میں مبتلا ہو گا۔

یہ ایک اصول ہے جسے وہ پیش کرتے ہیں اس کے بعد دو چار حدیثیں اُنکے طرق میں سے ہیں جن سے وہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول خدا نے بحکم خدا علی کو اپنا جانشین و خلیفہ بنا دیا تھا مگر وہ حدیثیں اہل سنت کے طرق سے بھی ہیں تو شیعوں کا وہ مخصوص سرمایہ کیا رہ جاتا ہے جو کچھ ہے وہ اہل سنت کا دیا ہوا ہے۔

شیعوں کے پاس پانچ آیتیں ہیں جن سے وہ تشکیل خلافت کا اصول قائم کرتے ہیں دو آیتیں ہیں یا ایھا الرسول بلغ الخ الیوم اکملت لکم دینکم الخ ان سے وہ علی کی خلافت بلا فصل ثابت کرتے حدیثوں کا سارا ذخیرہ اہلِ سنت کا جمع کیا ہوا ہے۔
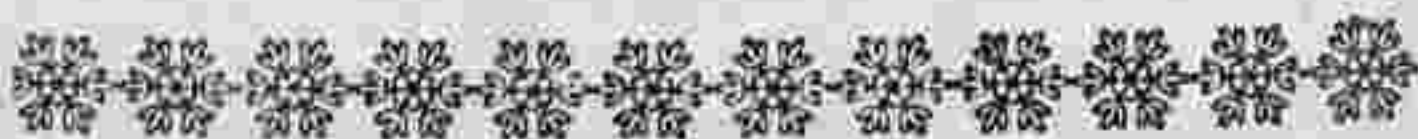
ثبوت خلافت علی

علمائے اہل سنت نے حضرت علی کی خلافت کے جو ثبوت فراہم کئے ہیں
اب انہیں ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

دعوت عشیرہ

علامہ غنی شاہ نظامی فرماتے ہیں:۔

حدیث صحیح ہذا اخی ووصی ووزیری وخلیفتی فیکم
فاسمعوہ واطیعوہ مرویہ محمد بن اسحق وابن جریر طبری ص ۱۴۲
مصری جلد اول ص ۲۱۷ وتفسیر معالم بغوی ص ۴۶۳ مسند احمد بن حنبل مصری جلد
اول ص ۱۱۱ وخصائص نسائی ص ۱۳ وکنز العمال جلد ۶ ص ۲۵۷ و تاریخ ابوالفدا
جلد اول ص ۱۱۹ و ص ۱۱۸ و تاریخ کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۸ و تفسیر خازن
جلد ۵ ص ۱۰۶ سے ثابت و مسلم ہے کہ حضرت علی کو آنحضرت روحی فداہ نے ۴ سنہ
نبوی میں بعد نزول آیہ وانذر عشیرتک الاقربین اپنا وصی وزیر و خلیفہ بنایا چنانچہ
حضرت علی سے مروی ہے کہ بعثت کے چوتھے سال آیہ وانذر عشیرتک الاقربین
نازل ہوئی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ بنی عبدالمطلب کی دعوت کا سامان روٹی
گوشت، دودھ اور شہد مہیا کرو کہ برادری کی دعوت دوں میں نے ارشاد
کی تعمیل کر دی تقریباً چالیس شخص۔ جمع ہوئے۔ بعد تناول ماحضر آنحضرت
نے فرمایا خدا نے تم کو سارے بنی آدم پر اور خصوصاً تم پر مجھے مبعوث فرمایا
ہے تم میں سے کون شخص میری تصدیق کرے گا اور میرا بھائی وصی وزیر

اور خلیفہ بنے گا۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا اگرچہ میں کم سن کم زور اور بے زر ہوں مگر آپ کا ساتھ دوں گا اور تا دم زیست آپ کا دامن نہ چھوڑونگا اس پر آنحضرت نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا ھٰذا اخی ووصی ووزیری وخلیفتی فیکم۔ فاسمعوہ واطیعوہ ابو الفدا جلد اول ص۱۱۹-۱۱۸ کامل ابن اثیر جلد دوم ص۱۲۲-۱۲۵ لباب التاویل خازن جلد ۵ ص۱۰۶ و تاریخ طبری حسین ص۱۲۳ یہ واقعہ باختلاف الفاظ مسند احمد و ابن ابی شیبہ و سیرت محمد بن اسحٰق و معالم بغوی و تفسیر ثعلبی و واحدی و ابن مردویہ و ابن ابی حاتم و دلائل بیہقی و حلیہ ابو نعیم و مختارہ و ضیاء مقدسی و ذخیرہ المآل عجلی تہذیب الآثار طبری و اکتفا و عاصی و مدارج النبوۃ و ازالۃ الخفا وغیرہ میں کم و بیش موجود ہے یورپ کے مورخین ڈیون پورٹ کارلائل اروِن بھی اس کو بالتفصیل روایت کرتے ہیں یہ بدو اسلام کا اعلان نبوی تھا من کنت مولاہ اواخر زمانہ نبوت کا اعلان نبوی تھا اس کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟ تفصیل امیر المومنین ص۲۰-۱۹

حدیث ولایت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان علیاً منی وانا من علی وھو ولی کل مومن ومومنۃ من بعدی

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد تمام مومن و مومنات کا ولی ہے

مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۱۱۔ مسند امام احمد بن حنبل۔ جزو اول ص ۳۳۔ خصائص علویہ امام نسائی ص ۲۴ مستدرک حاکم جزو ثالث ص ۱۳۵-۱۱۰-۱۱۱-۱۲۸ استیعاب ابن عبدالبر ص ۴۰۷ محمد بن طلحہ قرشی مطالب السئول ص ۵۸ محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایۃ الطالب جزو رابع ص ۲۴ محب الدین طبری ریاض النضرۃ جزو ثانی ص ۱۷۱-۱۷۰ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری جزو ثامن ص ۵۳ ابن حجر مکی صواعق محرقہ باب تاسع ص ۲۷ علی المتقی کنز العمال جزو سادس ص ۱۵۲ ابن کثیر شامی البدایۃ والنہایہ جزو سابع ص ۳۴۸ علامہ سیوطی سیرت الحلبیہ جزو ثالث ص ۳۰۹ ابن تیمیہ منہاج السنۃ جزو ثالث ص ۹ مرزا محمد نزول الابرار ص ۲۲ محمد بن علی الصبان اسعاف الراغبین ص ۲۷ الشیخ سلیمان قندوزی ینابیع المودۃ جزو رابع ص ۳۳۔ شاہ ولی اللہ قرۃ العینین ص ۲۰۸

علی دنیا و آخرت میں میرا وزیر ہے

علامہ ہمدانی تحریر فرماتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ میں آنحضرت کے ساتھ نصف عرفہ کے دن تھا اس وقت ابوبکر و عمر اور دیگر صحابہ بھی موجود تھے رسول خدا نے ابوبکر کو مخاطب کر کے فرمایا یہ شخص جس کو تم دیکھ رہے ہو یعنی علی یہ دنیا و آخرت میں میرا وزیر ہے اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ سے ملاقات کرو اس حال میں کہ وہ تم سے راضی و خوشنود ہو تو تم کو چاہیئے کہ علی کو راضی و خوشنود رکھو۔

مودۃ القربیٰ مودہ سادسہ

جسکا میں امام ہوں اسکا علی امام ہے

علامہ عینی شاہ نظامی فرماتے ہیں۔

احادیث: علی امام الاولیا خوارزمی ص۲۲۲ و ابن مردویہ از حضرت ابوہریرہ علی امام البررہ حاکم ج ۳ ص ۱۲۹ و مناقب ص ۱۱۲

و صغیر سیوطی ص ۵۵ صواعق محرقہ ص ۷۵ وکنز العمال ج ۶ ص ۵۰

انہ رایت الھدیٰ و منار الایمان و امام الاولیا۔

حلیہ ابو نعیم ج ۱ ص ۶۶

من کنت امامہ فعلی امامہ دیلمی ص ۱۲۹ تفضیل امیر المومنین ص ۲

خدا نے علی کو امام بنایا

علامہ عینی شاہ نظامی فرماتے ہیں:

حق سبحانہ تعالیٰ نے انی جاعلک للناس اماما کی نص سے حضرت ابراہیم کو امام بنایا تو آپ نے ومن ذریتی کے معروضہ سے اپنی ذریت کی امامت بھی چاہی تو ارشاد ہوا مگر تمہاری وہ ذریت جو کافر و مشرک ہو گی وہ امام نہ ہو سکے گی قال لاینال عہدی الظالمین اور قرآن نے شرک کو ظلم اور مشرک کو جابجا ظالم کیا ہے۔

حضرت علی ذریت ابراہیمی کے وہ فرد فرید تھے جس نے طرفۃ العین کے لئے بھی از شکم مادر تا بگور نہ کبھی شرک کیا اور نہ کفر جس کی شہادت نبی آخر الزمان کے الفاظ میں ثلاثۃ ما کفروا باللہ طرفۃ العین مومن آل فرعون و مومن آل یٰسین میں علی بن ابی طالب کے حق میں آج تک موجود ہے۔ لہٰذا آپ بحکم خداوندی امام بنائے گئے جس پر یہ حدیث مرفوع شاہد ہے۔

حدثنا عبد الرزاق عن ابیہ ھمام عن عینا عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال انا دعوۃ ابی ابراھیم قلنا یا رسول اللہ فکیف صرت دعوۃ ابراھیم۔ قال اوحی اللہ عز وجل الی ابراھیم انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین فقال ابراھیم عندھا

رب اجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فانتہیت الدعوۃ الی والی علی بن ابی طالب لم یسجد احدنا الصنم قط فاتخذنی نبیاً رسولاً واتخذ علیاً اماماً ووصیاً

عبدالرزاق نے اپنی مسند میں روایت کی کہ آنحضرت نے ایک دن فرمایا میں دعائے ابراہیم ہوں۔ ہم نے عرض کیا وہ کس طرح فرمایا خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ذریعہ وحی ارشاد فرمایا ہم نے تم کو امام بنایا ہے حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لیئے بھی امامت چاہی تو حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا مگر تمہاری ذریت کے مشرک میرے وعدہ میں نہیں آسکیں گے حضرت نے فرمایا بس حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ خدایا مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ آنحضرت نے فرمایا یہ دعائے ابراہیم مجھ پر اور علی پر ختم ہوگئی۔ نہ میں نے کبھی بت پرستی کی نہ علی نے لہٰذا خدا نے مجھے نبی و رسول بنایا اور علی کو امام اور وصی کیا۔ تفصیل امیر المومنین ص ۱۷

علی کو خدا نے متقین کا امام بنایا

علامہ عینی شاہ نظامی فرماتے ہیں

احادیث ان اللہ تعالیٰ اوحی الی فی علی انہ امام المتقین کنز العمال ج ۲ ص ۱۵۵ ان اللہ اوحی الی ان علیاً سید المسلمین و امام المتقین حاکم ج ۳ ص ۱۳۸ مرحبا بسید المسلمین و امام المتقین خوارزمی ص ۱۲۹ و کنز ج ۶ ص ۱۵۷ سے جناب امیر کا امام الاتقیا ہونا واضح و ثابت و مسلم ہے۔ چونکہ جناب امیر بفحوائے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم امام الاتقیا کے لقب سے ممتاز رہے لہٰذا آپ افضل ہوتے۔ تفصیل امیر المومنین ص ۱۵

علی میرے بعد سب کا حاکم ہے

قاری علی متقی۔ علامہ حلبی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

یمن کی مہم سے خالد بن ولید نے آنحضرت کو لکھا کہ علی نے مال غنیمت سے ایک کنیز لے لی ہے جب یہ خط ملا تو آپ کے چہرے سے غضب کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا علی سے تنازع نہ کرنا وہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور وہ میرے بعد سب کا حاکم ہے۔

کنز العمال جزء سادس ص ۱۵۵-۱۵۲ قرۃ العینین ص ۲۰۸

علی میرا خلیفہ ہے

علامہ علی الہمدانی تحریر فرماتے ہیں۔

رسول خدا نے فرمایا

یا علی انت تبراء ذمتی وانت خلیفتی فی امتی

اے علی تم میری ذمہ داریوں کو پورا کروگے اور تم میری امت میں میرے خلیفہ ہو۔ مودۃ القربیٰ مودۃ رابعہ

حدیث منزلت

ابن عباس سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے لئے جب آنحضرت
باہر نکلے تو علی نے بھی ساتھ چلنے کی اجازت چاہی حضرت نے فرمایا نہیں
اس پر حضرت علی رونے لگے یہ دیکھ کے آنحضرت نے فرمایا اما ترضیٰ
ان تکون بمنزلتہ ھارون من موسیٰ الا انک لست نبی
ان اذھب الا وانت خلیفتی

علامہ عینی شاہ نظامی فرماتے ہیں۔

حدیث صحیح ومشہور ومتواتر انت منی بمنزلتہ ہارون وموسیٰ سے مسلم ہے
جس کی روایت ۲۱ صحابیوں ۹۲ تابعیوں اور ۵۵ محدثین اعلام نے کی
ہے اس حدیث سے جناب امیرؑ کی قطعی افضلیت ہے چنانچہ علامہ نووی شارح مسلم
لکھتے ہیں و ھذا الحدیث لا حجۃ فیہ (تفضیل امیر المومنین ص۱۶)

علامہ اسمٰعیل ابن کثیر لکھتے ہیں۔

کئی راویوں نے عائشہ بنت سعد اور اس نے اپنے باپ سے حدیث
کو نقل کیا ہے اور تحقیق کہ اس حدیث کو جناب رسول خدا سے صحابہ کی بہت
بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے یہ ہیں عمرو علی وابن عباس
عبداللہ بن جعفر معاویہ جابر بن عبداللہ انصاری وجابر بن سمرہ ابو سعید
براء بن عازب زید بن ارقم زید بن ابی اوفی سبط بن شریط حبشی بن جنادہ
مالک بن الحویرث انس بن مالک ابو الطفیل ام سلمہ اسماء بنت عمیس فاطمہ بنت حمزہ
ابن عساکر نے ان سب احادیث کو درج ذیل ترجمہ علی بہت اچھی
طرح کئی طرق سے ثابت کیا ہے۔ البدایہ والنہایہ جزء سابع ص۳۴۱-۳۴۰

محمد بن یوسف گنجی شافعی لکھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث منزلت کی صحت پر سب کا اتفاق ہے اس کو بہت بڑے علماء و حفاظ نے نقل کیا ہے چنانچہ ابو عبداللہ البخاری نے اپنی صحیح میں مسلم ابن الحجاج نے اپنی صحیح میں ابو داؤد نے اپنے سنن میں ترمذی نے اپنی جامع میں عبدالرحمن نسائی نے اپنے سنن میں ابن ماجہ نے اپنے سنن میں غرض کہ تمام علماء نے اس کی صحت پر اجماع کیا ہے اور حاکم نیشاپوری کہتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر میں داخل ہے کفایۃ الطالب ص

برہان الدین حلبی فرماتے ہیں۔

اس حدیث کی صحت پر اجماع امت ہے سیرۃ الحلبیہ جزو ثالث ص ۱۵

علامہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

وایں حدیث متفق اندبر صحت ایں حدیث اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص

بلاشک و شبہ حدیث منزلت صحیح ہے۔ اس کی توثیق و تصدیق صحیحین میں اور دیگر کتب میں موجود ہے۔ منہاج السنہ ص

اس طرح رسول خدا زندگی بھر علی کی خلافت کا اظہار کرتے رہے ہیں لیکن ایک حدیث کی بہت تکرار فرمائی ہے اور وہ حدیث ثقلین ہے۔

حدیث ثقلین

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی انھما لن یفترقا حتی ایردعلی الحوض ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔

میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ قرآن اور اپنے اہلبیت جو میری عترت ہیں یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یعنی اس کا عمل قرآن کے خلاف ہرگز نہ ہوگا۔ میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچنے تک اگر ان سے متمسک رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔

حدیث ثقلین کی تکرار کی وجہ

اس حدیث کی اتنی زیادہ تکرار کی وجہ یہ ہے کہ رسول کی بعثت ہی قرآن پر عمل کر کے دکھانے کے لئے ہوئی تھی۔ جو امت کے لئے عمل کا نمونہ تھی جس سے معاشرہ کو قرآن کے مطابق چلانا مقصود تھا۔

رسول خدا علی کی تربیت ان کی سیرت دفطرت علم قرآن میں ان کی وسعت وبصیرت اور عمل بالقرآن میں ان کی شدت کو دیکھ کے سمجھ رہے تھے کہ میرے بعد علی ہی اپنی بے شمار صلاحیتوں اور اوصاف و کمالات کے ساتھ معاشرہ کو قرآن کے مطابق چلا سکتے ہیں اور یہی وہ بات ہے جو بعثت نبوی کا مقصد اور خلافت نبوی کی غرض ہے رسول اللہ امت کو یقین دلاتے ہیں کہ علی کا عمل حوض کوثر پر پہنچنے تک قرآن کے خلاف نہ ہوگا ان کے تمسک نجات

اور ان کو چھوڑ دینا گمراہی ہے اس وجہ سے آنحضرت زندگی بھر علی کی خلافت کا اعلان کرار ہے۔ اس حدیث کو ایک سو اٹھائیس آدمیوں نے استخراج کیا ہے اور دو سو صحابہ اس کے حدیث راوی ہیں اور دو سو علماء نے اس کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے ان سب کے پیش کرنے کا نہ متن متحمل ہے نہ حاشیہ عبقات میں فہرست دیکھیے۔

جمہور علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث مرسل مرفوع اور متواتر ہے۔

علامہ عینی شاہ نظامی فرماتے ہیں

یکصد و پنجاہ احادیث ثقلین مردیہ مسلم جلد ۲ ص ۳۷۲ صغیر طبرانی ص ۷۳ ص ۷۵ ص ۱۵۰ و مشکوٰۃ جلد ۴ ص ۵۶۸ و نسائی ص ۱۵ و ترمذی ص ۲۱۱ و حاکم جلد ۲ ص ۱۴۸ و غیرہم سے ثابت ہے کہ احد ثقلین قرآن اور دوسرے علی ہیں۔ اس پر جناب امیر فرماتے ہیں انا القرآن الناطق و ھذا القرآن الصامت ازالتہ الخفا شاہ ولی اللہ ص ۲۷۲

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ علی احد ثقلین ہیں۔ ینابیع المودہ باب ۳۷ امام حسن فرماتے ہیں نحن احد **الثقلین** خلفھا جدی رسول اللہ فی امتہ نحن ثانی کتاب اللہ مروج الذھب دسواں ۱۹۱

اس حدیث ثقلین کی بیاسی صحابیوں نے اور ڈھائی سو محدثین سو علمائے اہل سنت نے روایت کی ہے بروایات مختلفہ الفاظ حدیث کم و بیش ہیں۔

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھا اعظم من الاخر لن یفترقا حتی یردا علی الحوض ۔۔۔

خانظر واکیف تخلفونی فیھما اور بعض روایات میں انی تارک فیکم خلیفتی سے آئے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ ص۷۵ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے ایام مرض میں بمواجہہ جم غفیر صحابہ فرمایا میں تم میں خدا کی کتاب اور اپنی عترت چھوڑے جاتا ہوں پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کے بلند فرمایا یہی علی ہے جس کے ساتھ قرآن ہے اور جو قرآن کے ساتھ ہے یہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس آنے تک جدا نہ ہوں گے میں تم سے ان دونوں کی نسبت پوچھوں گا کہ تم نے ان دونوں کا حق کیونکر ادا کیا۔

محدث جلیل حافظ بن عقدہ متوفی ۳۲۰ھ اپنی کتاب الموالاۃ میں باسناد چند سیدہ نساء عالمین فاطمۃ الزہرا سے راوی ہیں کہ ایام علالت میں میرے باپ نے اور میرے رسول نے مجمع صحابہ میں کہا ایہا الناس میں تم سے جدا ہو رہا ہوں تم میں دو ثقلین ایک کتاب اللہ اور دوسرے اپنی آل چھوڑے جا رہا ہوں پھر ابو الحسن کا ہاتھ پکڑ کے بلند کیا اور فرمایا ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی قرآن و قرآن حوض کوثر پر میرے سامنے آنے تک نہ ہو سکیں گے میں تم سے پوچھوں گا کہ تم نے ان دونوں کے حقوق کیسے ادا کئے۔

حدیث القرآن مع علی و علی مع القرآن مرویہ حاکم جلد ۳ ص۱۲۷ و صغیر طبرانی ص۱۴۹ و صواعق محرقہ ص۱۲۲ و کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۳ و ریاض النضرۃ و جامع الصغیر سیوطی ص۵۵ فردوس دیلمی ص۱۴۲ بقول ابن حجر مکی حسن ہے اسی قرآنی منزلت کی وجہ سے آنحضرت نے فرمایا علی مع الحق مکان القرآن دیلمی ص۱۴۲ جو ہستی عند اللہ بمنزلہ قرآن ہو اس کی افضلیت بلا نزاع ہے تفضیل امیر المومنین ص۲۰-۲۱

غدیر خم میں اعلان خلافت علی

مفسرین اہل سنت فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے جب قافلہ نبوی غدیر خم پہنچا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

نزول آیہ یا ایھا الرسول بلغ

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔

اے رسول پہنچا دو وہ حکم جو تم پر نازل ہوا ہے اور اگر ایسا نہ کیا تو تبلیغ رسالت ہی نہ کی۔

اللہ اکبر اتنا عتاب کہ اگر اس حکم کی تعمیل نہ کی تو رسالت ہی ختم ہو جائے گی۔

شیعہ ایک بات کہتے ہیں جو دل کو لگتی ہے تو کیوں نہ اسے مان لیا جائے وہ کہتے ہیں یہ عتاب نہیں ہے رسول کی زندگی کے دن بہت کم رہ گئے تھے حکم خدا ہوا کہ علی کو اپنا جانشین مقرر کر دو اگر ایسا نہ کیا تو تیئیس برس کی تبلیغ رسالت برباد ہو جائے گی اسلام منقلب ہو جائے گا اور امت گمراہ ہو جائیگی رسول کے عمل نے ثابت کر دیا کہ حکم یہی تھا انہوں نے سفر روک دیا اور سب کو جمع کر کے ڈیڑھ لاکھ کے مجمع میں رسول اللہ پالان شتر کے منبر پر علی کو لیکے بلند ہوتے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھ گئے۔

حدیث غدیر: مجمع سے پوچھا الست اولی بانفسکم قالو بلی

قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ کیا میں تمہارے نفسوں کا تم سے زیادہ مالک نہیں ہوں۔ سب نے کہا ہاں یارسول اللہ آپ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ خداوندا دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے اور فوراً اس آیت نے نازل ہو کے بتادیا کہ حکم یہی تھا۔

نزول آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا الیوم میں الف لام تخصیص کا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آج کے مخصوص دن میں ہم نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام پر راضی ہوا آج کے دن کیا خاص بات ہوئی جس سے دین کامل ہو گیا؟

حضرت عمر کی مبارکباد

حضرت عمر کی مبارکباد نے ثابت کر دیا کہ حکم یہی تھا آپ نے کہا بخ بخ لک یا علی اصبحت مولائی ومولیٰ کل مومن ومومنۃ مبارک ہو مبارک آپ کو اے علی کہ آپ ہمارے اور تمام مومن ومومنات کے مولیٰ قرار پائے۔
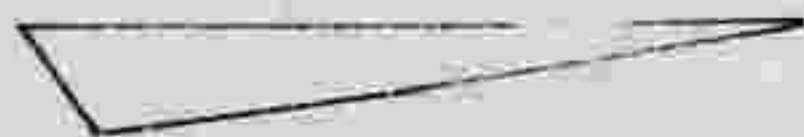
لہ کہا جا سکتا ہے کہ آیت میں علی کا نام نہیں ہے مگر اسلوب قرآنی یہی ہے فاذا فرغت فانصب جب تم فارغ ہو جاؤ حج کا ذکر نہیں ہے مگر تمام مفسرین امت کہتے ہیں کہ فارغ ہو جاؤ یعنی حج سے فارغ ہو جاؤ۔ حج مذکور نہیں ہے اسی طرح علی مذکور نہیں

آیہ یا ایہا الرسول بلغ
اور
مفسرینِ اہلِ سنت

تفسیر کشاف وبیضاوی وجلالین وقرطبی وغیرہ میں تو صرف الفاظ آیت کے معنی لکھے ہیں۔ یہ نہیں لکھا کہ آیت کب اور کہاں اور کس کے بارے میں نازل ہوئی

علامہ واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ آیت روز غدیر علی کے بارے میں نازل ہوئی۔

محمد بن ابراہیم الثعلبی فرماتے ہیں۔
آیہ یا ایہا الرسول بلغ الخ حضرت علی بن ابی طالب کی فضیلت میں نازل ہوئی۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:
آیہ یا ایہا الرسول بلغ فضل علی میں نازل ہوئی۔
علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں آیہ یا ایہا الرسول بلغ علی کی فضیلت میں نازل ہوئی۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:
آیہ یا ایہا الرسول بلغ الخ رسول خدا پر روز غدیر علی بن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی۔
ان مفسرین نے یہ تو لکھا کہ یہ آیت علی کے بارے میں علی کی فضیلت میں

علی کے حق میں نازل ہوئی مگر یہ نہیں لکھا کہ خدا نے اس آیت کے ذریعہ علی کو کیا فضیلت عطا کی۔

ابوالقاسم عبیداللہ الحسکانی نے مجمع البیان میں کچھ وضاحت کی ہے وہ فرماتے ہیں جب آیہ یاایھاالرسول بلغ نازل ہوئی تو فوراً رسول خدا نے علی کی ولایت کا اعلان کر دیا ابوسعید بن مسعود سجستانی نے کتاب الارایۃ فی حدیث الولایۃ میں اس لخلک کو بالکل صاف کر دیا ہے وہ کہتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ کو منجانب اللہ حکم ہوا کہ علی کی خلافت کی تبلیغ کر دیں تو آیہ یاایھاالرسول بلغ نازل ہوئی۔

آیہ الیوم اکملت لکم دینکم
اور
مفسّرین اہل سنت

عبد اللہ اصبہانی لکھتے ہیں:

جب رسول خدا نے روز غدیر تمام امت کو علی کی اطاعت کی طرف بلایا اور بازو پکڑ کر اٹھایا تو ابھی لوگ وہیں جمع تھے کہ آیہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی۔ کتاب ما نزل من القرآن فی علی

علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں:

روز غدیر کہ اٹھارہ ذی الحجہ تھی جناب رسول خدا نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اس اعلان کے بعد آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم الخ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۵۹

ابن مغازلی لکھتے ہیں:

آیہ الیوم اکملت لکم دینکم روز غدیر نازل ہوئی۔ کتاب المناقب

حافظ نطنزی لکھتے ہیں:

آیہ الیوم اکملت لکم الخ روز غدیر نازل ہوئی۔ خصائص علویہ

حموینی فرماتے ہیں:

آیہ الیوم اکملت لکم روز غدیر نازل ہوئی۔ فرائد السمطین

اخطب خوارزم بن احمد المکی الحنفی رقمطراز ہیں:

جب رسول خدا نے تمام امت کو علی کی اطاعت کی طرف بلایا اور

حضرت علی کے دونوں بازوں کو اٹھایا ابھی علی کو نیچے نہیں چھوڑا تھا کہ ایہ الیوم اکملت لکم نازل ہوئی اس پر آنحضرت نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا شکر ہے اکمال دین اور اتمام نعمت پر نیز اس پر کہ خدا تعالیٰ میری رسالت اور علی کی امامت پر راضی ہوا۔ کتاب المناقب ص ۷۷

احمد بن ابی طاہر فرماتے ہیں:

یوم غدیر خم رسول اللہ نے علی کا ہاتھ پکڑ کے لوگوں سے پوچھا کیا میں تم سب کا ولی نہیں ہوں سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ پس رسول اللہ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ عمر بن خطاب نے کہا مبارک ہو مبارک اے علی بن ابی طالب کہ آپ ہمارے اور تمام مومنین و مومنات کے والی قرار پائے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ تاریخ بغداد جلد ۸ ص ۲۹۰

حدیث غدیر

اور

محدثین اہل سنت

علامہ عینی شاہ نظامی کی تحقیق

حدیث صحیح و متواتر من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے جناب امیرؑ کا ہمارے
مولا ہونا ثابت ہے جس کی روایت یکصد و سی صحابہ نے اور جملہ محدثین اہل سنت الا بخاری مسلم
اور ابو داؤد کے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں روایت کرتے آئے ہیں چنانچہ زہری متوفی ۱۲۵ھ
اور امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اگر سابق السابقین ہیں تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اور شاہ
ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ آخرین میں ہیں یہ حدیث جمہور اہلسنت کے پاس مشہور و صحیح ثابت ہے مگر
یاران نکتہ شناس آئے دن کی نادلیلیں اس واقعہ کے جھٹلانے کے لیے نکالتے ہی جاتے ہیں
ناصبی کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ حجۃ الوداع میں شریک نہ تھے مگر احادیث بخاری و مسلم و دیگر
صحاح کہتے ہیں کہ شریک تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث متواتر نہیں۔ مگر ابن جریر طبری۔ حاکم ابن
عقدہ طحاوی۔ ابن حجر۔ ذہبی۔ علی القاری و سیوطی اس کو حدیث مشہور و متواتر کہتے ہیں۔ ابن
جریر طبری ۳۱۰ھ نے کتاب الولایۃ نامی رسالہ میں اس کے ۷۵ طرق لکھے ہیں۔ ابن عقدہ ۳۳۰ھ نے
حدیث الموالاۃ نامی کتاب لکھی اور اس میں اس کے ۱۲۸ طرق جمع کئے ہیں۔ علامہ حسکانی متوفی
۴۷۰ھ نے ۱۲ جزو کا رسالہ حق الموالاۃ لکھا اور اس میں ۷۸ طرق اس کے روایت لکھے ہیں علامہ ابو سعید
مسعود سجستانی متوفی ۴۷۷ھ نے ۱۷ جزو کا رسالہ درایۃ فی حدیث الولایۃ لکھا اور ایک سو بیس
صحابہ سے اس کی روایت کی ہے شیخ محمد بن جزری الشافعی نے ایک رسالہ میں اس کو اسی
صحابیوں سے روایت کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث جو ۱۳۰ صحابہ سے مروی ہو اور جس کی
روایت ایک سو اعیان محدثین نے اپنی کتابوں میں کی ہوں اور جو ۱۰ ہجری سے ۱۲۷۰
ہجری تک ہر قرن و ہر صدی کے محدثین سے روایت پا چکی ہو اور جس کے
۱۲۸ طریقے مروی ہوں اور جس کے طرق اعیان ملت جداگانہ رسالوں میں جمع کر چکے
ہوں محض نام علیؑ کی وجہ سے حدیث متواتر نہ سمجھی جاتے تو پھر ہماری

حدیث دانی کا خدا ہی حافظ ہے۔

بعضوں کا لفظ مولیٰ کی تفسیر اولیٰ کرنے میں تردد کرنا ایمان سوز ہے حالانکہ حضرات علیؑ و عمرؓ و بریدہؓ و زیدؓ بن ارقم و عامرؓ بن لیلی و حذیفہؓ و جابرؓ و ابن عباسؓ و ابو سعیدؓ و سعدؓ بن ابی وقاص و عبداللہ بن مسعود و براءؓ بن عازب و عباسؓ و عمارؓ و ابوذرؓ و سلمان و سعدؓ بن زرارہ و خزیمہؓ و ابو ایوبؓ و سلمہؓ بن اکوع و عمرانؓ بن حصین و مقدادؓ و حسانؓ بن ثابت و ابو الحمراء رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں آنحضرت کا بمقام غدیر خم ایک لاکھ سے اونچے مجمع صحابہ میں الست اولی بالمومنین من انفسھم فرمانا اور صحابہ کے بلیٰ کہنے کے بعد من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہنا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا بخ بخ لک یا ابن ابی طالبؑ اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ کے الفاظ سے مبارکباد دینا اس بات کی کافی شہادت ہے کہ آنحضرت کا منشا، لفظ مولیٰ سے اولیٰ ہی تھا قرآن میں بھی مولیٰ بمعنی اولیٰ آیت ماواکم النار ھی مولاکم میں مستعمل ہوا ہے اور اولیٰ بغیر لفظ من کے بھی واولوا الارحام بعضکم اولیٰ ببعض کی آیت میں موجود ہے۔ نیز آیت ثم ردوا الی اللہ مولاھم میں باتفاق مفسرین اہل سنت مولیٰ بمعنی اولیٰ مستعمل ہے (تفسیر سراج منیر خطیب جلد ۲ ص ۱۶ و تفسیر بیضاوی سورۃ انعام و یونس یعنی سیدھم و متولی امورھم علی الحقیقۃ) پھر من کنت مولاہ فعلی مولاہ جو الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم کے بعد ہی کہا گیا تھا مولیٰ کے معنی اولیٰ کیوں نہیں کیے جاتے ہیں محض اس تعصب بیجا سے کہ کہیں علیؑ بھی مثل نبی مسلمانوں کے سردار اور متولی نہ بن جائیں لفظ مولیٰ کے اصلی معنی چھپانے والا یعنی تاویلیں سیاق و سباق قول پیغمبر الست اولی بالمومنین کے بالمواجہ نکالنے کی سعی کرنا خسران آخرت ہے فرمان الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم کے ساتھ آنحضرتؐ کا من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمانا گیا علیؑ اولیٰ بالمومنین کا مرادف نہیں ہے جس کی جتنی تحریف خدا و رسول نے زمانہ بہ حکم ست کا بیان کرنا ہمارا اسلامی فرض ہے اس میں تحریف و تاویل بڑی جسارت ہے

(تفضیل امیر المومنین ص ۱۹)

علّامہ حلبی کا تبصرہ

حدیث غدیر سب سے زیادہ قوی دلیل ہے جس پر شیعہ و امامیہ روافض یہ ثابت کرنے کے لیے انحصار کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ امامت کے لیے سب سے زیادہ مستحق تھے اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کے لیے نص صریح ہے جس کی سماعت تیس۳۰ صحابیوں سے مروی ہے اور وہ اس کی شہادت دیتے ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا کے ارشاد الست اولیٰ بکم کے مطابق حضرت علیؑ کو امت پر وہی حقوق حاصل ہیں جو آنحضرتؐ کو تھے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث غدیر صحیح ہے اس کے تمام اسانید و رواۃ ثقہ ہیں اور صحیح ہیں۔

ایک دفعہ حضرت علیؑ نے خطبہ دیا اور حمد و ثنائے الہٰی کے بعد فرمایا کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جو غدیر کے روز موجود تھے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کھڑا نہ ہو جو صرف یہ کہہ سکے ہیں کہ میں نے سنا ہے یا مجھ تک خبر پہونچی ہے بلکہ وہ کھڑا ہو جس کے کانوں نے سنا ہے۔ اور دل نے محفوظ رکھا ہے بس سترہ ۱۷ صحابی کھڑے ہوئے ایک روایت ہے کہ تیس ۳۰ صحابی کھڑے ہوئے اور ایک روایت میں ہے

کہ بارہ صحابی کھڑے ہوئے پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اب بیان کرو۔ ان لوگوں نے حدیث غدیر بیان کی اس کے جملوں میں ایک جملہ یہ تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے ایک روایت میں ہے کہ اس کا یہ علیؑ مولا ہے زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس شہادت کو چھپایا تھا لہذا خداوند تعالیٰ نے مجھ کو اندھا کر دیا کیونکہ حضرت علیؑ نے بددعا دی تھی ان لوگوں کے لئے جو اس حدیث کو چھپائیں گے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا تبصرہ

حدیث غدیر بالکل صحیح ہے اس کی صحت میں کچھ شک نہیں اور تحقیق کہ اس کو ایک جماعت کثیر نے اخراج کیا مثل ترمذی ونسائی واحمد نے اور اس کے طرق و اسانید بہت ہیں اس حدیث کو سولہ صحابیوں نے روایت کیا ہے اور حضرت علیؑ کے ایام خلافت میں جب آپ کی خلافت کے متعلق تنازعہ ہوا تو انھوں نے شہادت دی اس حدیث کے بہت سے اسناد صحیح ہیں۔ شرح مشکوٰۃ

نیاز فتحپوری کا فیصلہ

ولایت جناب امیر کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے
حج سے فارغ ہونے کے بعد جب قافلہ نبوی غدیر خم
پر پہونچا تو رسول اللہ نے سب کو روک کے ایک
تقریر کی اور اس میں اپنے "وصال کی خبر دیتے
ہوئے" فرمایا کہ :-
من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا میں مولا ہوں
اس کا علیؑ بھی مولا ہے) اور یہ بھی ارشاد فرمایا
کہ میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک
قرآن دوسرے عترت میرے اہل بیت اور انہی
دونوں کی پیروی کرنا چاہیئے۔
امام المحدثین حافظ بن عقدہ نے اکیسو صحابہ سے
اس حدیث کی روایت کی ہے امام جزری شافعی نے
اسّی صحابیوں سے امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے
او طبری نے پچھتر صحابیوں سے علاوہ اس کے تمام اکابر
اسلام مثلاً ذہبی صنعانی اور علی القادری اس حدیث
کو مشہور و متواتر مانتے ہیں۔
الغرض جس حد تک روایات کا تعلق ہے میرے نزدیک
حضرات شیعہ اس اعتقاد میں بالکل صحیح اور حق بجانب
ہیں کہ رسول اللہ کی دلی خواہش یہی تھی کہ علیؑ آپ
کے بعد جانشین قرار دئے جائیں۔

(رسالہ نگار)

خلافت علی سے صحابہ کا انکار

بیعت واستخلاف وشوریٰ اور قہر وغلبہ روحانی وقیاسی خلافتوں کی پیچیدہ بحثیں بعد کی باتیں ہیں اس وقت علی کی افضلیت وخلافت مسلم تھی حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہوجانے کے بعد بھی کچھ اجلہ صحابہ حضرت علی کو خلیفہ مانتے اور بیعت غدیر پر قائم تھے شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ حضرت عمر حضرت علی کو سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے مگر بعض وجوہ سے قطعی فیصلہ نہیں کیا۔

ڈاکٹر طہ حسین نے لکھا ہے کہ حضرت علی کو خلافت سے دانستہ دور رکھا گیا۔ اس کی وجہ تمام مورخین نے یہ لکھی ہے کہ علی کی خلافت سے بنی ہاشم کا اقتدار تمام قبائل عرب پر ہمیشہ کے لئے قائم ہوجاتا اور یہ لوگوں کو منظور نہ تھا۔

حضرت ابوبکر وعمر وابوعبیدہ جراح اس معاملہ میں زیادہ حساس تھے۔

رسول کی زندگی ہی میں مخالفت شروع

سأل سائل بعذاب واقع کی تفسیر میں اکثر مفسرین اہل سنت نے لکھا ہے کہ یہ آیت اعلان غدیر کے بعد نازل ہوئی جب کہ حارث بن نعمان فہری رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے ہمیں حکم دیا کہ خدا کو ایک مانو ہم نے مان لیا تم نے پانچ وقت کی نماز کا حکم دیا ہم نے منظور کیا اس پر بھی تم نے اکتفا نہ کی اب اپنے ابن عم کو

ہم پر مسلط کیے جاتے ہو! حضرت نے فرمایا خدا کی قسم یہ امر بھی اسی کی طرف سے ہے یہ سن کر وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے ناقہ کی طرف یہ کہتا ہوا چلا کہ اگر یہ بات سچ ہے تو آسمان سے کوئی پتھر گرے یا کوئی اور دردناک عذاب نازل ہو ابھی وہ اپنے ناقہ تک نہ پہنچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر گرا جو اس کے سر کو توڑتا ہوا نکل گیا۔[1]

یہ تنہا اس کے جذبات نہ تھے بلکہ اہل مدینہ کی اکثریت کا یہی خیال تھا۔ رسول خدا کو بھی اس کا اندازہ تھا۔ جتنا جتنا وفات کا وقت قریب آتا گیا پیغمبر اور اصحاب میں اعصابی جنگ تیز ہوتی گئی۔

---

[1] نور الابصار مومن شبلنجی ص ۸۷ ہدایۃ السعداء ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی ص۔۔۔ تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی ص ۱۹ عقد نبوی و سر مصطفوی سیرۃ الحلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۶ تفسیر القرآن احمد بن ابراہیم الشعلبی ص۔۔۔ صراط السوی ص۔۔۔ کتاب اربعین۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون ص۔۔۔ تفسیر شاہی ص۔۔۔ وسیلۃ المآل ص۔۔۔ معارج العلا ص۔۔۔ روحۃ المذہب ص۔۔۔ ذخیرۃ المآل ص۔۔۔

روز سہ شنبہ علالت پیغمبر[له]

سہ شنبہ کو آنحضرت علیل ہوئے اور قبرستان بقیع جا کے مردوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

ترتیب لشکر اسامہ

اور اسی روز اسامہ کی سرداری میں ایک لشکر ترتیب دے کے ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ اور بہت سے صحابہ کو روانہ ہونے کا حکم دیا لشکر کی روانگی کا سامان ہونے لگا۔

روز پنجشنبہ واقعہ قرطاس

حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت نے بیماری کے تیسرے دن پنجشنبہ کو کہ حجرہ اصحاب سے بھرا ہوا تھا فرمایا میں تم سے بہت جلد رخصت ہونے والا ہوں۔ پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں

حدیث ثقلین بوقت آخر

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی ثم اخذ بید علی فقال علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا دوسرے

له ماہ و تاریخ میں اختلاف ہے دن میں اختلاف نہیں اس لئے ہم نے دن کو اختیار کیا ہے۔

اپنے اہلبیت کو جو میری عترت ہیں اگر ان سے متمسک رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے پھر علی کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچنے تک۔

حدیث قرطاس پھر فرمایا ائتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدی ابداً میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ میں تمہیں ایک نوشتہ لکھ دوں کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ (بخاری)

حضرت عمر کا قول حضرت عمر نے کہا ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ[۱] ہم اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا صرف حسبنا کتاب اللہ کا فقرہ اختیار کرتے ہیں یعنی حضرت عمر نے رسول خدا کے جواب میں کہا ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے اس پر شور و غل ہونے لگا کسی نے کہا قلم دوات لاؤ کسی نے کہا نہ لاؤ حضرت نے فرمایا تو موا عنی اٹھ جاؤ میرے پاس سے۔

---

[۱] خفاجی نے نسیم الریاض میں لکھا ہے۔ واما الاختلاف الذی وقع عندہ کما ورد فی الاسلام احادیث الصحیحہ من ان النبی نقال فی مرضہ آئتونی بدواۃ اکتب لکم کتاباً لاتضلون بعدی فقال عمر ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ الناس اخرجوا علی وھذا ما یطعن بہ الرافض علی عمر وقال صاحب ملل والنحل اول اختلاف وقع فی الاسلام (فی تقریر اختلاف الفتن) اور وہ اختلاف جو آپ کے حضور میں بوقت مرض آخر ہوا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ آپ نے بحالت مرض فرمایا میرے پاس دوات و کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسا صحیفہ لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو لیکن عمر نے کہا...... ہمارے لیے کتاب خدا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

قلم دوات کیوں مانگا

کرمانی نے شرح بخاری میں خطابی سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا اپنے بعد

کے لئے خلیفہ کا نام بتانا چاہتے تھے کہ لوگوں نے جھگڑا کر دیا۔

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ رسول اللہ کا

لوگوں سے فرمانا کہ قلم دوات لاؤ تاکہ میں تم کو نوشتہ لکھ دوں کہ وہ اپنے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کافی ہے لوگوں نے شور مچایا تو آپ نے فرمایا میرے پاس سے نکل جاؤ

روافض اس سے حضرت عمر پر طعن کرتے ہیں صاحب ملل والنحل لکھتے ہیں کہ یہ پہلا اختلاف ہے جو

اسلام میں واقع ہوا۔ علامہ عکبری بتیان شرح دیوان متنبی میں لکھتے ہیں (الھجر البقیح

من الکلام والفحش والھجر اذا ھذی وھو ما یقول المحموم عند الحمی

ومنہ قول عمر بن الخطاب عند مرض رسول اللہ ان الرجل لیھجر

علی عادت العرب الھجر کلام فحش وقبیح وبکا اور وہ کلام جو بخار میں

مریض کرتا ہے جیسا کہ حضرت عمر کا قول دریان مرض رسول میں تھا۔۔۔ اس طرح گفتگو کرنا

عرب کی عادت اور دستور کے مطابق تھا۔

شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ اس سے حضرت عمر پر گستاخی کا الزام آتا ہے لہذا اس حدیث

کو نہ ماننا چاہیئے اور بخاری میں ہونے کی پرواہ نہ کرنا چاہیئے۔

حسبنا کتاب اللہ کا فقرہ زبان زد ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کتاب خدا ہماری

دینی ضرورت کے لئے کافی ہے نہ حضرت عمر کا یہ مطلب تھا بے شک کتاب خدا میں ہر رطب و یابس

موجود ہے مگر ملا محمد میں فرنگی محلی کہتے ہیں کہ وہ امام العالمین کے حیطہ میں تھا۔ شبلی نے الفاروق

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کے لئے خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے۔
سفیان کا قول ہے کہ حضرت کا یہ ارادہ تھا کہ اپنے بعد کے لئے خلافت کا حکم
دیدیں کہ بعد کو اختلاف نہ ہو۔
جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ اپنے بعد کے لئے
خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے اسی لئے انہوں نے قلم دوات مانگا تھا۔
مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صـ ۳۴۶

حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا کہ رسول خدا نے مرض الموت میں علی کے
نام کی تصریح کر دینا چاہی تھی۔ مگر میں نے امر اسلام میں پراگندگی کے خوف سے انہیں
روک دیا۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) میں لکھا ہے کہ حضرت عمر لوگوں سے مسائل پوچھتے تھے مجلس صحابہ
میں پیش کرتے تھے۔ مشکل مسائل میں امام العالمین سے رجوع کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ خدا
وہ دن نہ لائے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور ابوالحسن موجود نہ ہوں۔ انہوں نے قیاس
کا قاعدہ بنایا کہ جو حکم کتاب خدا اور سنت رسول سے معلوم نہ ہو اس میں قیاس کرے تو کتاب
کہاں کافی ہوئی اس کا مطلب محل سے سمجھنا چاہیے۔ رسول خدا فرماتے ہیں کہ میں دو چیزیں چھوڑے
جاتا ہوں کتاب خدا اور اپنی عترت اگر ان سے متمسک رہو گے تو گمراہ نہ ہوگے حضرت عمر کہتے ہیں
کتاب خدا ہمارے لئے کافی ہے یعنی عترت کی ضرورت نہیں اور اس پر زندگی بھر عامل رہے
یہ سنت اہل سنت میں آج تک چلی آرہی ہے وہ فقہائے اربعہ کی تقلید کرتے ہیں اور فقہ اہلبیت
کو نظر انداز کرتے ہیں صدمہ ہے کہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کا قول ہے
کہ ابوحنیفہ امام جعفر صادق سے بہتر تھے یہ ان کی خیرہ چشمی ہے تمام علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے ہیں وہ
اور ثانیاً فی البیت ہیں۔ امام ابوحنیفہ لاکھ فقیہ و مجتہد ہوں امام جعفر صادق سے ان کو کیا نسبت یہ سمجھنے
کے بعد بھی شبلی مجتہد امام ابوحنیفہ کے تھے اور فقہ جعفریہ سے او گرداں تھے۔

زبانی وصیت

امام بخاری نے سلمان بن ابی احول کی یہ روایت لکھی ہے کہ اس جھگڑے کے باوجود آنحضرت تین باتوں کی وصیت کی کہ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو دوسرے یہ کہ وفود کو جس طرح میں انعام دیا کرتا تھا اسی طرح ان کو انعام دیا جایا کرے تیسری وصیت سے راوی خاموش ہو گیا۔ یا اس نے کہی تھی اور مجھے یاد نہیں رہی۔

ملا معین تحریر فرماتے ہیں۔

رسول خدا نے آخر وقت میں تین وصیتیں کیں ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکالدو دوسری وفد کی جس طرح میں مدارات کرتا تھا اس طرح مدارات کی جائے۔ تیسری وصیت کو راوی نے فراموش کر دیا یا اس کے بیان کرنے میں مصلحت نہ سمجھی۔ معارج النبوۃ ص ۳۳۱

مورخ طبری کا بیان ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت نے تین وصیتیں کیں پہلی وصیت یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو دوسری یہ کہ وفود کو اسی طرح انعام دیا جائے جس طرح میں دیتا تھا تیسری وصیت یاد نہیں رہی۔

(ترجمہ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۵۲۱ نفیس اکیڈمی)

تاریخ کامل والو الفداء و ابن خلدون و تاریخ خمیس و مروج الذہب وغیرہ سب میں یہ حدیث موجود ہے سب کا نقل کرنا طول بے جا ہے۔

روز جمعہ روانگی لشکر کا حکم

جمعہ کو آنحضرت نے اسامہ کے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دیا اور تاکید پر تاکید فرماتے رہے۔

روز شنبہ لشکر کی روانگی

روز شنبہ لشکر روانہ ہوا مگر حضرت ابوبکر وعمر و ابوعبیدہ جراح اس کے ساتھ نہیں گئے لشکر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر جرف ان کے انتظار میں رک گیا۔[1]

روز یکشنبہ واقعہ نماز

یکشنبہ کو مغرب کے وقت بلال نے اذان دی اور نماز کے لئے حضرت سے کہا ام المومنین سودہ بنت زمعہ کے بھائی عبداللہ بیان کرتے ہیں۔

جب رسول اللہ کا مرض شدید ہو گیا تو میں اور مسلمانوں کے ساتھ آنحضرت کے پاس تھا بلال نے اذان دی اور نماز کے لئے آنحضرت سے کہا انھوں نے فرمایا کسی سے کہہ دو کہ نماز پڑھا دے۔ میں باہر آیا دیکھا کہ عمر لوگوں میں موجود ہیں میں نے ان سے کہا اٹھو نماز پڑھا دو اس پر وہ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ان کی آواز آنحضرت نے سنی تو فرمایا رسول اور مسلمان انکار کرتے

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۸۸ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۰ طبری جلد ۳ ص ۸

ہیں کہ عمر نماز پڑھائیں ۔ اس پر عمر نے کہا اے زمعہ کے بیٹے تیرا برا ہو تو نے مجھ سے یہ کیا کیا جب تو نے مجھ سے نماز پڑھانے کو کہا تو میں نے سمجھا کہ رسول اللہ نے نماز پڑھانے کا مجھ کو حکم دیا ہے اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ انہوں نے نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا ہے تو میں ہرگز نہ پڑھاتا۔[1]

روز دوشنبہ وفات رسول

دوشنبہ کو آنحضرت نے انتقال فرمایا اس وقت یہ تینوں بزرگ حضرت ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ مدینہ میں موجود تھے جرف میں رکا ہوا لشکر بھی واپس آچکا تھا اور پیغمبر خدا کا جو منشا تھا وہ پورا نہیں ہوسکا۔

وفات رسول کے فوراً بعد

حضرت عمر کا پہلا اقدام

آنحضرت کی وفات ہوتے ہی حضرت عمر ابو عبیدہ جراح کے پاس گئے اور کہا ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں انہوں نے کہا ابوبکر کے ہوتے ہوئے یہ نہیں ہوسکتا۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جزء رابع ص ۳۳

[2] الفاروق۔ عمر فاروق اعظم طبری وغیرہ۔

نوٹ: ایک شیعہ نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت عمر کے اسلام پر کیا حسنِ ظن تھے اشاعت اسلام [illegible]
(بقیہ حاشیہ [illegible])

حضرت عمر کا دوسرا اقدام

ابو عبیدہ کا جواب سن کے حضرت عمر مسجد نبوی میں آئے اور ٹہل ٹہل کے یہ فرمانے لگے کہ جو وفات رسول کا نام لے گا اس کا سر قلم کر دوں گا وہ آسمان پر ملاقات کے لئے گئے ہیں اور چھ مہینے کے بعد واپس آئیں گے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) انہوں نے کتنی عرق ریزیاں کی تھیں پیغمبر اسلام کی حفاظت میں کتنی جانثاریاں کی تھیں اسلام کی راہ میں کتنی قربانیاں پیش کی تھیں کتنے معرکے سر کئے تھے۔ خلیفہ بنانے کی ذمہ داری کس نے انہیں سونپی تھی اگر خود یہ ذمہ داری انہوں نے اٹھائی تو کس حق سے بدر و احد خندق و خیبر کا معرکہ سر کریں علی اور خلافت کا انتظام کریں عمر وہ بھی اس طرح کہ علی و بنی ہاشم کو خبر بھی نہ ہونے پائی جب وہ دفن رسول سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکر کی خلافت کا اعلان ہو چکا تھا اور حضرت عمر زبردستی لوگوں سے ان کیلئے بیعت لے رہے تھے اس وقت مرکز اسلام میں خونریزی اسلام کی موت کا پیغام تھی اس وجہ سے علی خاموش ہو رہے اور ابوبکر کی خلافت مسلم ہو گئی ہے

اسلام ہوا پیش رسول عربی اُٹھ گئے ؛ قائم سیکھا وہ قوت کو بازدے علی سے
مسند پہ خلافت کی ابوبکر و عمر آ گئے ؛ انصاف کیا خوب یہ اے پیر فلک آ گئے
میں نے کہا جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب نہ ابوبکر ہیں نہ علی کہ ان کو ہٹا کے انہیں بٹھا دیا جائے اب
روئے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

کہا: دام ہم یہ نہ سمجھیں کہ جو ہوا وہ صحیح ہوا یا غلط دین اور اس کے احکام کو سمجھنے کا دار و مدار اسی پر ہے
اختلافات نے دین میں قیامت تک کیلئے تفرقہ پیدا کر دیا اس کی ذمہ داری کس پر ہے یہ آپ نہ سمجھنے دیں گے۔
میں نے کہا: اب سمجھ کے کیا کریں گے۔
کہا: حق کو سمجھنا اور اس پر قائم ہونا دین ہے۔

شبلی نعمانی کا یہ خیال ہے کہ یہ بات انہوں نے منافقوں کے ڈر سے کہہ دی تھی بعض مورخین کہتے ہیں کہ وفات رسول کے صدمے سے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے مگر قبل و بعد کے واقعات قدم قدم پر ہوشیاری کا ثبوت دیا کرتے ہیں۔ بات یہ تھی کہ جن لوگوں کو علی کی خلافت پسند نہ تھی ان کے دل و دماغ تدبیروں میں لگے ہوئے تھے مشکل یہ تھی کہ علی کے ذاتی کمالات اسلامی خدمات رسول سے قرابت اور نبی کی دامادی فاطمہ کی موجودگی اور رسول کی وفات ایسی باتیں تھیں کی وجہ سے علی کی خلافت میں جھگڑا پیدا کرنا آسان نہ تھا حضرت عمر کو حالات کا پورا اندازہ تھا انہوں نے ان باتوں کا مقابلہ کرنے کی مناسب اور عمدہ تدبیر سوچی کہ فی الحال رسول کی وفات ہی سے انکار کر کے خلیفہ کی ضرورت ہی سے انکار کر دیا جاتے۔ اس طرح اس ہنگامی وقت کو گذار کے حالات کو ہموار کیا جائے۔

انصار کا اقدام

انصار نے خیال کیا کہ اس وقت مہاجر و بنی ہاشم دفن و کفن رسول میں مشغول ہونگے۔ یہی وقت ہے کہ ہم سب اکٹھا ہو کے اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں وہ سقیفہ میں سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے کے لئے جمع ہوئے ابو عبیدہ جراح کو خبر ہوگئی انہوں نے حضرت عمر سے کہا، انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا یہ تینوں بزرگ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے۔

روئداد سقیفہ

سقیفہ میں سعد بن عبادہ بیماری کی وجہ سے چادر اوڑھے بیٹھے چپکے چپکے تقریر کر رہے تھے ان کے بیٹے قیس بلند آواز سے اس کو دُھرا رہے تھے۔

سعد بن عبادہ: گروہ انصار تم کو اسلام میں جو فضیلت حاصل ہے وہ کسی اور قبیلہ کو نہیں رسول اپنی قوم میں بارہ سال تبلیغ کرتے رہے مگر بہت کم

لوگ ایمان لائے خدائے بزرگ و برتر کی قسم ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ
وہ رسولؐ کی حمایت کرتے اور ان کو عزت سے رکھتے وہ دین سے واقف اور
دشمنوں کے دفع پر قادر نہ تھے خدا نے تم کو فضیلت بخشی ایمان عطا کیا آنحضرتؐ
اور ان کے اصحاب کو عزت سے رکھنے کی توفیق کرامت فرمائی دین کو تم سے تقویت
پہنچائی تم نے جہاد کیا تمہاری مدد سے رسولؐ نے ملک پر قبضہ کیا اب خدا نے
اپنے نبیؐ کو اپنے پاس بلا لیا لہٰذا خلافت سے اپنے ہاتھوں کو مضبوط کر لو۔

تمام انصار نے تائید کی اتنے میں ابوبکر عمر اور ابوعبیدہ پہونچ گئے
حضرت عمر نے کچھ کہنا چاہا ابوبکر نے انھیں روک کے تقریر شروع کی۔

ابوبکر۔ خدا نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ہدایت اور دین کے ساتھ معبوث
کیا اور ہماری پیشانیوں اور دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیا پس ہم گروہ
مہاجرین سب سے پہلے ایمان لائے جو اس کے بعد ایمان لائے انھوں نے
ہماری پیروی کی ہم رسولؐ کے قرابتدار اور نسب کے لحاظ سے اوسط العرب
ہیں تمام قبائل قریش کا اثر ہے اس لئے خلافت کے ہم مستحق ہیں۔ تم بھی خدا
کی قسم وہ ہو جنہوں نے پناہ دی اور نصرت کی دین میں ہمارے ساتھی اور
رسولؐ کے وزیر ہو تم ہمارے بھائی ہو اور اپنے بھائی پر حسد نہ کرو۔

خباب بن منذر انصاری۔ ہم تم پر حسد نہیں کرتے لیکن ڈرتے ہیں کہ یہ
خلافت آج کے بعد ایسا شخص نہ حاصل کر لے جو نہ ہم میں سے ہو نہ تم میں سے
ہو لہٰذا اگر آج ایک حاکم ہم میں سے اور ایک تم میں سے بنا لو تو ہم بیعت
کر لیں اور یہی سلسلہ قائم رہے یہی عدل مناسب ہے اگر قریشی کو حکومت
مل گئی تو انصار مخالفت کریں گے اور انصار کی قریش۔

ابوبکر۔ پہلے وہ لوگ جنہوں نے زمین پر خدا کی عبادت کی اور رسولؐ پر

ایمان لائے وہ ان کے اولیا اور قرابتدار ہیں لہذا خلافت کے لئے وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں ان کے ساتھ جو نزاع کریگا وہ ظالم ہے۔

اے گروہ انصار! تمہاری فضیلت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ تمھیں خدا نے دین اور اپنے رسولؐ کا انصار بنایا پس مہاجرین کے بعد منزلت میں تم سب سے زیادہ ہو لہٰذا ہم امیر اور تم وزیر ہو کوئی فیصلہ بغیر تمہارے مشورے کے نہیں ہو گا۔

خباب بن منذر۔ گروہ انصار اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو یہ لوگ تمہاری حمایت اور تمہارے سایہ میں ہیں۔ تمہاری مخالفت کی ان کو تاب نہیں۔ تم اہل عزت و ثروت ہو تمہاری تعداد زیادہ ہے لوگوں کی نظریں تم پر جمی ہیں کہ تم کیا کرتے ہو لہذا آپس میں مخالفت نہ کرو تا کہ تمہارے امور نا کامیاب نہ ہوں تمہاری طرف رسولؐ خدا نے ہجرت کی تم نے پناہ دی تم بھی اسی طرح سابقین میں ہو جس طرح مہاجرین بلکہ تم ان سے پہلے صاحب خانہ اور صاحب ایمان ہو خدا کی قسم انھوں نے خدا کی عبادت علانیہ نہیں کی مگر تمہارے شہر میں اور نماز جامع کہیں ادا نہیں ہوئی مگر تمہاری مسجد میں عرب اسلام سے مغلوب نہیں ہوئے مگر تمہاری تلوار سے لہذا تمہارا حصہ خلافت میں سب سے زیادہ ہے اگر یہ لوگ انکار کریں تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے۔

عمر! افسوس دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں عرب اس کو گوارا نہ کریں گے کہ تم ان پر حکومت کرو جبکہ ان کا نبیؐ تم میں سے نہ تھا قطعاً یہ ضروری ہے کہ خلافت کے وہ لوگ مالک ہوں جنھیں نبوت تھی نبیؐ کا ہم میں ہونا ہمارے مخالفین پر کھلی ہوئی حجت ہے ہم سے محمدؐ کی حکومت میں جو نزاع کرے گا وہ ظالم و گنہگار اور ورطہ ہلاکت میں ہو گا۔

خباب بن منذر۔ اے گروہ انصار اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو اس کی اور اس کے ساتھیوں کی بات نہ سنو ورنہ خلافت میں تمہارا حصہ جاتا رہے گا۔ اگر یہ انکار کریں تو ان کو اپنے شہر سے نکال دو۔ جو میرے قول کی مخالفت کرے گا۔ میں اس کا جواب تلوار سے دوں گا۔

عمر! میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ خباب بن منذر کی مخالفت کروں حیاتِ رسولؐ میں مجھ سے ان سے ایک دفعہ نزاع ہوئی رسولِ خدا نے مجھے منع کیا اور میں نے قسم کھائی کہ کبھی ایسی بات نہ کہوں گا جو ان کو بُری معلوم ہو۔ یہ کہہ کے عمر بیٹھ گئے مہاجرین ثلاثہ نے اپنی کمزوری محسوس کر کے کمان رکھ دی اور ابو عبیدہ جراح نے یہ عاجزانہ اپیل کی۔

ابو عبیدہ! اے گروہ انصار تم نے سب سے پہلے رسولؐ کی حمایت کی اور پناہ دی اب تم ہی اس کے متغیر اور تبدیل کرنے والے نہ ہو بشیر ابن سعد خزرجی جو سعد بن عبادہ کے چچازاد بھائی اور مٹی دار تھے انھوں نے جب دیکھا کہ سعد بن عبادہ امیر بنا چاہتے ہیں تو وہ کھڑے ہوئے اور تقریر شروع کی۔

بشیر بن سعد! اے گروہ انصار ہم نے دین میں سبقت اور جہاد میں فضیلت حاصل کی رضائے خدا کے لئے یہ ظاہر ہے کہ رسولؐ قریشی تھے ان کی قوم ان کی میراث پانے کی زیادہ مستحق ہے لہذا خدا سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو۔ بشیر ابن سعد کی اس تقریر سے مہاجرین ثلاثہ میں پھر جان آ گئی اور اتنا سہارا پاتے ہی حضرت ابو بکر نے پھر تقریر شروع کی۔

ابو بکر۔ میری نصیحت یہ ہے کہ تم ابو عبیدہ اور عمر میں سے کسی کی بیعت کر لو۔

عمر۔ آپ کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں لائیے ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں اور حضرت ابو بکر کا ہاتھ کھینچ کر بیعت کر لی یہ دیکھ کے بشیر ابن سعد

بیعت کے لئے بڑھے خبّاب بن منذر نے پکار کے کہا بشیر تجھے قبیلے نے عاق کر دیا
کس نے تجھے اپنے ابن عم سے حسد پر مجبور کیا۔ ادھر اُسید بن حُضیر جو قبیلہ اوس
کے سردار تھے اپنے اہلِ قبیلہ سے کہنے لگے کہ اگر ایک دفعہ تم سعد کو امیر بنا لو گے
تو ہمیشہ خزرج کو تم پر فضیلت حاصل رہے گی لہذا کھڑے ہو اور ابوبکر کی
بیعت کر لو یہ لوگ بھی بیعت کے لئے آگے بڑھے خبّاب ابن منذر نے تلوار
کھینچ لی لوگوں نے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی وہ اپنی چادر لوگوں کے
منہ پر مارتے اور کہتے جاتے تھے اے گروہ انصار میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری
اولاد مہاجرین کے دروازے پر کھڑی بھیک مانگ رہی ہے اور وہ پانی نہیں
دیتے۔ حضرت ابوبکر نے کہا یہ ڈر تم کو ہم سے ہے۔ کہا نہیں ان سے جو تمہارے بعد
آئیں گے ابوبکر نے کہا پھر تم کو اختیار ہوگا جو چاہو کرو ہماری اطاعت تمہارے
اوپر نہیں رہے گی۔ سعد بن عبادہ۔ ابوبکر بخدا اگر مجھ میں چلنے کی طاقت ہوتی
تو اطراف عالم میری آواز سنتا جو تجھ کو اور تیرے اصحاب کو یہاں سے نکال دیتی
اور تو انھیں لوگوں میں پلٹ جاتا جو ہمیشہ خادم مطیع اور گمنام رہے۔

لیکن قبیلہ اوس اور بشیر بن سعد خزرجی کے ساتھی بیعت کے لئے ٹوٹ
پڑے سعد بن عبادہ لت روندن میں آگئے۔ سعد نے کہا تم نے تو مجھے مار ڈالا
کسی نے کہا خدا تجھے مارے۔ کسی نے کہا سعد کا خیال کرو انہیں پامال نہ کرو۔

حضرت عمر نے کہا خدا اسے قتل کرے میرا تو جی چاہتا ہے کہ تجھ کو اپنے
پیروں سے اس طرح کچلوں کہ تیری ہڈیاں ٹوٹ جائیں سعد نے بڑھ کر ڈاڑھی
پکڑ لی حضرت ابوبکر نے بیچ بچاؤ کر دیا۔

اس ہنگامہ کے بعد لوگ سعد کو اٹھا کر ان کے گھر لے گئے اور مجمع برخاست ہوا۔
ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب لوگ بیعت کرنے لگے تو انصار میں سے کسی نے

کہا کہ ہم سوا علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہ کریں گے۔

میرا خیال ہے کہ یہ سعد بن عبادہ کی پارٹی کے لوگ تھے جب انھیں شکست ہوئی تو یہ کہنے لگے ورنہ اس سے پہلے کسی نے علیؑ کا نام نہیں لیا۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے ابھی تک اطمینان نہ ہوا تھا کہ ہم نے جو کارروائی کی ہے اس میں آخر تک کامیابی ہوگی قبیلہ اسلم کے اعراب جو اطراف مدینہ میں مقیم تھے وفات رسولؐ کی خبر سن کر ہزاروں کی تعداد میں آگئے شہر کی گلیاں اور راستے ان سے چھلک گئے انھوں نے پوچھا خلیفہ رسولؐ کون ہے کسی نے کہدیا کہ ابوبکر وہ سیدھے ابوبکر کی طرف چلے اور پہنچ کے بیعت کرنے لگے یہ دیکھ کے میں نے سمجھا کہ فتح و ظفر ہمیں حاصل ہوگئی یہ سمجھنا صحیح تھا کیونکہ ان ہزاروں آدمیوں کی بیعت کے بعد مخالفت کو دبایا جا سکتا تھا تین دن تک بیعت عام ہوتی رہی اس کے بعد حضرت ابوبکر نے سعد بن عبادہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہاری قوم نے بیعت کرلی ہے تم بھی بیعت کرلو سعد نے جواب میں کہلایا بخدا میں تم کو اپنے ترکش کے تمام تیروں سے ماروں گا اور اپنی سنان کو تمہارے خون سے رنگین کروں گا اپنے قبیلے کے ساتھ تم سے جنگ کروں گا بخدا اگر تمام لوگوں کے ساتھ جن بھی تمہاری بیعت کرلیں جب بھی میں تمہاری بیعت نہ کروں گا۔

یہ جواب سنکر حضرت عمر نے کہا بغیر بیعت لیے اس کو نہ چھوڑو۔ اس پر بشیر بن سعد انصاری نے کہا کہ اب انہوں نے انکار کر دیا ہے وہ ہرگز بیعت نہ کریں گے چاہے قتل ہو جائیں اور یہ جب ہی ہو گا جب ان کی اولاد و اقربا بر قتل ہو جائیں اور ان کو قتل نہ کر سکو گے جب تک پورا قبیلہ خزرج نہ قتل ہو جائے اور وہ اس وقت تک قتل نہیں ہو سکتے جب تک قبیلہ اوس کے لوگ نہ قتل ہو جائیں۔ لہذا جو چیز تمہارے لئے درست ہو گئی ہے اس میں خود سے

خرابی نہ ڈالو۔ ان کو چھوڑ دو اکیلا آدمی کچھ نہیں کر سکتا بشیر کے اس مشورہ کو انھوں نے مان لیا اور سعد کے معاملے میں ہمیشہ بشیر سے صلاح کرتے رہے دوسرے دن بنی ہاشم علیؑ کے بنی امیہ عثمان کے بنی زہرہ سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس مسجد میں جمع ہوئے یہ سنکے ابو بکر عمر اور ابو عبیدہ وہاں پہنچے۔

عمر! میں تم لوگوں کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں؟ اٹھو اور ابو بکر کی بیعت کر دو میں نے اور انصار نے بیعت کر لی ہے یہ سن کے عثمان اور تمام بنی امیہ نے بیعت کر لی یہ دیکھ کے سعد بن ابی وقاص اور ان کے ساتھیوں نے بھی بیعت کر لی مگر علیؑ۔ عباس اور بنی ہاشم بغیر بیعت کئے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ان کے ساتھ زبیر بن العوام بھی چلے گئے۔ حضرت عمر اسید بن حضیر سلمہ بن اسیم اور چند آدمیوں کو لے کے زبیر کے گھر پہنچے وہ تلوار لے کے نکلے حضرت عمر نے گھبرا کے کہا اس آدمی کو پکڑو تو سلمہ بن اسیم نے اچھل کر تلوار چھین لی اور دیوار سے دے مارا پھر پکڑے گئے اس حالت میں انھوں نے بیعت کر لی پھر علیؑ کو پکڑ کے ابو بکر کے پاس لائے اور ان سے کہا بیعت کرو انھوں نے کہا میں ابو بکر سے زیادہ بیعت کا مستحق ہوں تمھیں چاہیئے کہ مجھ سے بیعت کرو تم نے انصار سے قرابت رسولؐ کی دلیل پیش کر کے خلافت حاصل کی وہی دلیل میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔

عمر! ہم بیعت لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

علیؑ! وہ نفع حاصل کر لو جس میں تمہارا بھی حصہ ہے آج تم ابو بکر کے لئے اس وجہ سے شدت کر رہے ہو کہ کل وہ تمہاری طرف پلٹائیں بخدا میں تمہارا قول نہ مانوں گا۔

تو میں تمھیں مجبور نہیں کرتا۔

ابوبکر! اگر تم میری بیعت نہیں کرتے تو میں تمھیں مجبور نہیں کرتا۔

ابوعبیدہ! میرے ابن عم تم عمر میں کم اور سیاست سے ناواقف ہو اس معاملہ میں ابوبکر کو میں تم سے قوی پاتا ہوں اس وقت ان کی بیعت کر لو ان کے بعد پھر خلافت تمہاری ہی ہے اور تم اس کے لئے موزوں تر ہو یہ تمہارا حق ہے تمہارے علم و فراست سبقت اسلام قوت دینی اور دامادی رسولؐ کی وجہ سے۔

علیؑ! گروہ مہاجرین محمدؐ کی امارت کو اپنے گھروں میں نہ پہنچاؤ اور ان کے اہلبیتؑ کو ان کی جگہ سے نہ ہٹاؤ کیونکہ عالم قرآن فقیہ دین خدا واقف سنت پیغمبرؐ صاحب اطلاع امور رعایا عادل منصف رعایا کی تکلیفوں کو دور کرنے والا اگر کوئی ہے تو ہم ہیں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

بشیر بن سعد انصاری۔ اگر انصار تم سے یہ کلام ابوبکر کی بیعت سے پہلے سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے اب چونکہ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی ہے اس لئے تم بھی بیعت کر لو مگر علیؑ نے بیعت نہیں کی اور واپس چلے گئے دوسرے دن ابوبکر بیعت نہ کرنے والوں کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ علیؑ کے یہاں کچھ لوگ جمع ہیں۔ انھوں نے عمر کو بھیجا وہ علیؑ کے گھر پر آئے اور آواز دی لوگوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا اس وقت عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور قسم کھا کے کہا تم لوگ باہر نکل آؤ ورنہ گھر میں آگ لگا دوں گا لوگوں نے کہا اس گھر میں تو فاطمہ بنت رسولؐ ہیں انھوں نے کہا کوئی پروا نہیں اس پر وہ لوگ نکل آئے۔

علیؑ نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا ردا کاندھے پر نہ ڈالوں گا۔

عمر نے پکار کے کہا بنت رسولؐ آپ ہمیں خدا کی قسم بہت محبوب ہیں

لیکن اگر یوں ہی لوگ آپ کے گھر پر جمع ہوتے رہے تو ہم اس گھر میں آگ لگا دیں گے۔ فاطمہؑ نے دروازے پر آکے کہا:۔ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی ہو تم رسولؐ خدا کے جنازے کو ہمارے درمیان چھوڑ کے چلے گئے اور اس امر کا خود ہی فیصلہ کرلیا اور ہمارا حق ہم سے چھین لیا حضرت عمر یہ سن کر واپس ہو گئے اور حضرت ابوبکر سے کہا تم اس متخلف سے بیعت کیوں نہیں لیتے ابوبکر نے کہا جب تک فاطمہؑ ان کے پہلو میں ہیں میں کچھ نہ کہوں گا۔

علیؑ کے ساتھ اصحاب صفہ نے بھی بیعت سے انکار کیا اور ان کے ساتھ چند اور لوگ بھی منکر بیعت ہوئے اور دوسرے جمعہ کو علیؑ کے استحقاق خلافت میں منبر پر تقریریں کیں۔ محمد حسنین ہیکل نے بیعت سے انکار کرنے والے اصحاب کے یہ نام بتائے ہیں۔

مہاجرین و انصار کے چند افراد حضرت ابوبکر کی بیعت میں شامل نہ تھے بلکہ ان کا میلان حضرت علیؑ کی طرف تھا ان میں سے مشہور لوگ یہ ہیں عباس بن عبدالمطلب فضل بن عباس زبیر بن العوامؓ خالد بن سعید مقداد بن عمر سلمان فارسی ابوذر غفاری عمار یاسر براء بن عازب ابی بن کعب۔

ابوبکر نے عمر اور ابوعبیدہ بن جراح اور مغیرہ بن شعبہ سے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ مغیرہ نے کہا آپ عباس بن عبدالمطلب سے ملیے اور خلافت میں ان کا حصہ بھی رکھ دیجیے جو ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوتا رہے اس طرح ان کے اور ان کے بھتیجے علیؑ کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا اور یہ بات علیؑ کے مقابلے میں آپ کے لئے مفید ہوگی اس مشورے کے مطابق ابوبکر عباس سے ملے انھوں نے ابوبکر کی پیشکش رد کر دی گفتگو بڑی پر لطف ہے

اس لئے آپ بھی سنیئے :۔
ابوبکر :۔ ہم تمہارے پاس آئے ہیں کہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے خلافت میں کچھ حصہ مقرر کردیں کیونکہ تم رسولؐ کے چچا ہو اگرچہ تم لوگوں کی منزلت سے واقف ہوتے ہوئے لوگوں نے خلافت تمہیں ہی دی کیونکہ جس طرح رسولؐ اللہ تم میں سے تھے اسی طرح ہم میں سے تھے۔
عمر :۔ ہم تمہارے پاس اس لئے نہیں آئے کہ ہمیں تم سے کوئی حاجت ہے بلکہ ہمیں برا معلوم ہوا کہ جس امر پر تمام مسلمان متفق ہو گئے ہیں اس میں لوگ تم پر طعن کریں پس اپنی اور تمام لوگوں کی بھلائی پر نظر کرو۔
عباس :۔ اگر تم نے رسولؐ خدا کے ذریعے سے خلافت حاصل کی تو ہمارا حق غصب کیا اور مومنین کے ذریعے حاصل کی تو ہم مومنین میں سب سے زیادہ مقدم ہیں اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ امر خلافت مومنین کے ذریعے تم پر جائز ہوا تو یہ غلط ہے کیونکہ ہم اس پر راضی نہیں اور یہ جو خلافت کا حصہ تم لوگ آپ بخشنا چاہتے ہیں تو اگر یہ تمہارا حق ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور مومنین کا حق ہے تو تم کو جائز نہیں کہ اس طرح بانٹتے پھرو اور اگر ہمارا حق ہے تو ساری خلافت ہے ایک ہی حصہ کیوں، اور یہ جو تم نے کہا کہ رسولؐ جس طرح ہم میں تھے اسی طرح تم میں سے بھی ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ خدا اس درخت سے ہیں جس کی شاخیں ہم ہیں اور تم نزدیک کی آگ ہو جو لائی گئی ہو۔

کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۲۵

حالات کا مختصر جائزہ

اس پوری روئداد کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے لئے پہلے سے کوئی منصوبہ نہیں بنایا گیا تھا مگر دماغوں میں اس کے حصول کی فکر تھی۔

سعد بن عبادہ نے سب سے پہلے اس مہم کو سر کرلینا چاہا وہ کامیاب

بھی ہو جاتے مگر قبائلی عصبیت نے معاملہ خراب کر دیا فریقین اس معاملہ کو اس ڈر سے آئندہ پر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے کہ کہیں کوئی اور خلیفہ نہ ہو جائے۔

یہ کسی نے نہیں کہا کہ رسولؐ کا جنازہ رکھا ہوا ہے اور تم دُنیا کے لئے لڑ رہے ہو اتنی قصادت بے انصافی اور خود غرضی سے کام نہ لو رسولؐ کی تدفین کے بعد تمام مسلمانوں کو اطلاع دیکے سب کی رائے سے کسی کو خلیفہ بنالیں گے اس وقت خود رسولؐ کے اہلبیتؑ اور بنی ہاشم جو تمام قبائل عرب پر اور اسلام پر ایک خاص حق رکھتے ہیں موجود نہیں اُمت کے اس اہم جزو کی عدم موجودگی میں خلافت کا فیصلہ شرعاً و اخلاقاً کسی حیثیت سے درست نہیں لیکن یہ بات فریقین کے لئے خطرناک تھی اس لئے پورے مجمع میں کسی نے یہ نہیں کہا اور آج ہی فیصلہ ہونے پر مصر رہے فریقین کا یہ طرز عمل صحیح تھا ان کی تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص خلافت کو بطور اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا سعد بن عبادہ نے انصار سے کہا کہ تمہاری مدد سے رسولؐ نے ملک پر قبضہ کیا اب تم خلافت سے اپنے ہاتھ مضبوط کر دو۔

ابوبکر نے کہا ہم رسولؐ سے قرابت اور قریش پر اثر رکھتے ہیں۔ عمر نے کہا محمدؐ کی حکومت میں ہم سے کون نزاع کر سکتا ہے ہم ان کے قرابتدار ہیں۔ حباب بن منذر نے کہا انصار اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو اگر یہ نہ مانیں تو انھیں شہر سے نکالدو۔ ان فقروں میں خلافت کی پوری روح موجود ہے کہ اب پیغمبرؐ کی جانشینی کا تصور ایک حکمرانی کا تصور تھا جسے حاصل کرنے کی سب کو تمنا تھی۔ روحانی اور دینی قیادت کا کوئی تصور نہ تھا۔

پیغمبر خدا کے آخری زمانے میں جب خمس و زکوٰۃ مال غنیمت اور دوسرے محاصل آنے لگے تو خود انہیں یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ میرے بعد لوگ۔۔

دنیا پر ٹوٹ پڑیں گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا، مجھے اس سے ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مرتد ہو جاؤ گے بلکہ ڈر اس کا ہے کہ دنیا پر ٹوٹ پڑو گے"۔

آنحضرت کی وفات کے بعد صحابہ حصول دنیا کی فکر میں پڑ گئے حضرت ابوبکر نے اپنے آخری وقت فرمایا۔

واللہ انی شدید الوجع ولما القی منکم یا معشر المہاجرین اشد علی من وجعی انی ولیت امرکم ولست خیرکم فی نفسی فکلکم ورم انفہ ارادہ ان یکون لہ الامر وذالک لما رأیتم الدنیا قد اقبلت۔

خدا کی قسم مجھے سخت درد ہے لیکن اے گروہ مہاجرین تمہاری باتیں جو میں نے سنی ہیں وہ میرے مرض سے زیادہ اذیت رساں ہیں اگرچہ میں تم سے بہتر نہ تھا مگر جب میں تمہارا امور امیر بنا تو تمہاری ناکیں غصہ سے پھول گئیں کیونکہ ہر شخص کو خلیفہ بننے کی خواہش تھی کیونکہ تم نے دیکھ لیا تھا کہ دنیا نے رخ بدلا ہے۔

وقت آخر عمر کو بھی انھوں نے آگاہ کر دیا تھا شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مقصد دوم میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا:۔

واحذر ان ھوءلاء النفر من اصحاب محمدؐ الذین قد انتفخت جوانبھم وطمحت ابصارھم واحب کل امرء منھم لنفسہ[۳۳]

میں ان اصحاب محمدؐ سے ڈراتا ہوں ان کے پیٹ پھولے ہوئے اور آنکھیں ٹکٹکی باندھے رہتی ہیں اور ہر ایک کو یہ آرزو رہتی ہے کہ یہ حکومت اسی کو مل جائے۔

حضرت ابوبکر کو یہ موقع حاصل ہو رہا تھا اور کسی اہم فریق کی عدم موجودگی کے فائدے کو ہاتھ سے نہ دینا ہی سیاست کا تقاضہ تھا چنانچہ حضرت ابوبکر نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور اس کشمکش میں ان کی بیعت ہو گئی۔

ایک معمّہ اور اس کا حل

اس مرحلے پر تاریخ کے طالب علم کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ اس سب کے معنی یہ ہیں کہ بعد رسول تمام صحابہ نے اُن کے خلاف ایکا کر لیا اور جو اُن کا مقصد تھا اسے پورا نہیں ہونے دیا۔

اس معمّے کے حیرت انگیزی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ اصحاب رسول کے لئے مسلمانوں کی ان روایات اور مسلم اکثریت کی اس عقیدت کو دیکھتا ہے جو اُن تقدیس کا ایسا جامہ پہنا دیتی ہے جس کے بعد اتنی بڑی بے راہ روی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

مگر اس معمّے کی حیرت انگیزی میں کمی آجاتی ہے۔ جب ہم خود رسول کی زندگی میں ان واقعات پر نظر ڈالتے ہیں جن میں صحابہ کرام قدم قدم پر حضور کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ رسول کو اپنی زندگی میں وہ حیثیت حاصل نہ تھی جو آج ہے یعنی آج ہر مسلمان ارشادِ نبوی پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے لیکن ان کی زندگی میں ان کے گرد و پیش کے اصحاب قدم قدم پر ان کی رائے سے اختلاف نبوت میں شک اور احکام کی تعمیل سے انکار کرتے جھوٹے الزام اور غلط تہمتیں لگاتے حدیث و تاریخ کی کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں۔ سب کو جانے دیجئے قرآن میں ہے کہ صحابہ نے رسول پر خیانت کا الزام لگایا۔ بدر کے مالِ غنیمت میں ایک چادر گم ہو گئی تو لوگوں نے کہا کہ نبی نے لے لی ہو گی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ماکان لنبی ان یغل نبی کبھی خیانت نہیں کرتا۔ الجامع الاحکام القرآن (تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۵) بخاری میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نے کہا محمد تقسیم میں انصاف کرو!

وقت آیت اتری ومنهم من یلمزک فی الصدقات الخ

بعض صحابہ نے رسولؐ کی آواز پر آواز بلند کی تو آیت اتری

لا ترفعوا اصواتکم۔ بخاری درمنثور ازالۃ الخفا

طبریؒ کی روایت ہے کہ قیس انصاری اور ایک یہودی میں نزاع ہوئی دونوں ایک کاہن کے پاس فیصلہ کے لئے چلے یہودی مصر تھا کہ رسولؐ کے پاس چلو کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ خلاف عدل نہیں کریں گے لیکن مسلمان تیار نہ ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ الم تری الی الذین یزعمون الخ

بخاری و مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ جمعہ کے دن خطبہ فرما رہے تھے کہ تجار کے قافلوں کے آنے کی خبر اچانک آئی تمام صحابہ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے صرف بارہ آدمی رہ گئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

واذا راوا تجارۃ اولھوا الخ ترمذی و نسائی و حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حسنا ایک عورت رسولؐ کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھی بعض لوگ اگلی صف میں چلے جاتے تھے اور رکوع میں بغلوں کے اندر سے اس کو جھانکا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ حسن و جمال میں بے مثال تھی۔

ایک دن حضرتؐ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے حضرت عمرؓ نے کہا جن کو آپ نے دیا ہے ان سے زیادہ مستحق لوگ موجود ہیں۔ صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۳۳۰

جب اسلام نے قانون وراثت نافذ کیا نابالغ بچوں اور عورتوں کو وارث قرار دیا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ نہ ان میں کوئی جہاد کرتا ہے نہ مال غنیمت لاتا ہے ان کو میراث دینا بے معنی ہے۔ فجر الاسلام صفحہ ۲۸۲

پیغمبرؐ نے ۱۸ سالہ نوجوان اسامہ کو امیر لشکر بنا کر بڑے سن دراز صحابہ کو اس کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا تو لوگوں کو برا معلوم ہوا اور

آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

جب پیغمبرؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو بیماری کی حالت میں سر میں کپڑا باندھ کر باہر تشریف لائے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا جو کچھ تم نے کہا وہ میں نے سُنا تم وہی ہو جس نے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ ایک نہ شد دو شد پیغمبرؐ نے ایک مخالفت کا اور پتہ دیا۔

آنحضرتؐ نے ایک شخص کو قتل کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا وہ اس کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ کے واپس آئے تو حضرت عمرؓ کو بھیجا وہ بھی واپس آئے اور یہی وجہ بیان کی۔ مسند احمد حنبل ج ۳ ص ۱۵

جنگ اُحد میں پچاس تیر اندازوں کو جہاں متعین کر کے اپنی جگہ نہ چھوڑنے کی تاکید کی تھی وہاں سے لوگ ہٹ گئے اور مسلمانوں پر عظیم مصیبت نازل ہوئی اس نافرمانی کی وجہ سے مسلمان جیتی ہوئی لڑائی ہار گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کو سورہ برات کی تبلیغ کے لئے بھیجا اس کے بعد علیؑ کو اپنے تیز رفتار ناقہ پر سوار کر کے تعاقب میں روانہ کیا کہ ان سے سورہ لے کے تبلیغ کریں حضرت علیؑ دو منزلہ اور سہ منزلہ مارتے ہوئے ٹھیک اس وقت پہنچے جب حضرت ابوبکر مجمع کے سامنے پہنچ چلے تھے۔ حضرت علیؑ نے رسولؐ کا حکم بتا کے سورہ واپس لیا اور اس کی تبلیغ فرمائی حضرت ابوبکر کو اس کا بہت رنج ہوا اور واپس آکر پیغمبرؐ سے اس فعل پر اظہار افسوس کیا جس کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم ہوا کہ میں خود جاؤں یا اپنے ایسے آدمی کو بھیجوں۔

صلح حدیبیہ میں تمام صحابہ رسولؐ سے منحرف ہو گئے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ :-

جب انھوں نے دیکھا کہ حضرت نے صلح کر لی ہے اور نہایت
سخت شرائط منظور کر کے واپس جا رہے ہیں تو ان کے
دلوں میں بہت بُری باتیں پیدا ہوئیں قریب تھا کہ وہ لوگ
ہلاکت یعنی گمراہی میں مبتلا ہو جاتیں۔ طبری

صلح کے بعد حضرت نے فرمایا قوموا فانحروا ثم احلقوا اٹھو قربانیاں کرو
اور سر منڈاؤ تو صحابہ اتنے خفا تھے کہ کسی نے حکم کی تعمیل نہیں کی یہاں تک
کہ حضرت نے تین مرتبہ فرمایا اور کوئی آمادہ نہ ہوا تو حضرتؐ کبیدہ ہو کے اُمِ سلمہ
کے خیمہ میں چلے گئے۔

حضرت عمر کی مخالفت اتنی شدید تھی کہ اس کا ذکر مورخین نے تمام صحابہ
سے الگ کرنا ضروری سمجھا اور رسولؐ سے ان کے مباحثہ کو تفصیل سے لکھا ہے
ان کا یہ قول بھی لکھا ہے واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ خدا کی
قسم جب سے میں مسلمان ہوا مجھے شک نہیں ہوا مگر آج کے دن [1]

جنگ بدر میں آنحضرتؐ نے فرمایا "مجھے معلوم ہے کہ کفار بنی ہاشم کو
بجبر اپنے ساتھ لائے ہیں لہذا اگر عباس اور ابوالبختری کہیں نظر آئیں تو انھیں
قتل نہ کرنا۔ ابوحذیفہ نے کہا ہم اپنے باپ بیٹے اور بھائی سے درگذر نہیں کرتے
تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے واللہ اگر عباس میرے ہاتھ آ گئے تو ان کو
کبھی نہ چھوڑوں گا حضرتؐ کو ان کی یہ گستاخی ناگوار ہوئی۔

[1] تاریخ خمیس ج ۲ صـ ۲۲ حبیب السیر ج ۱ صـ ۶۶ زاد المعاد صـ ۳۷۶ در منثور ج ۶ صـ ۹
تفسیر ابن جریر ج ۲۶ صـ ۵۸ معالم التنزیل ج ۴ صـ ۲۶۷ ارجح المطالب صـ ۶۹

یہ سب تو رسولؐ پر خیانت جانبداری اور رسالت میں شک کی باتیں ہیں حد یہ ہے کہ رسولؐ کے ناموس پر حملہ کرنے والے ان کی حرم محترم اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والے یہی اصحاب رسولؐ تھے۔

تاریخوں نے ان کے نام بھی بتائے ہیں اور وہ حسان بن ثابت زید بن رفاعہ مسطح بن اثاثہ حمنہ بنت حجش ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ نے ایک مرتبہ خود رسولؐ کو قتل کرنے کی سازش کی اور وہ اس پایہ کے لوگ اور ایسے حاضر باش تھے کہ رسولؐ نے منع کر دیا کہ ان کا نام کسی کو نہ بتانا کیونکہ ان لوگوں کو شرمندگی ہوگی اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات کو آپؐ کا ناقہ عقبہ پر چڑھ رہا تھا مہار عمار یاسر کے ہاتھ میں تھی اور حذیفہ یمانی پیچھے سے ہنکا رہے تھے کہ اونٹوں کی آہٹ اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی عمار نے مڑ کر دیکھا تو چودہ نقاب پوش نظر آئے حضرت کی آنکھ لگ گئی تھی عمار نے جگایا اور خود للکار کے اونٹوں پر وار کیا جس سے وہ بلبلاتے ہوئے بھاگے حضرت نے فرمایا تم نے پہچانا یہ فلاں فلاں تھے ان کے نام بتا کے انھیں رسوا نہ کرنا حذیفہ یمانی اس سے صاحب السر پیغمبرؐ کہے جاتے۔

اس واقعہ کو امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں شیرازی نے روضتہ الاحباب میں امام احمد حنبل نے مسند میں امام بخاری نے باب فضائل اصحاب النبی میں فضائل عمار میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں ذکر حذیفہ یمانی میں لکھا ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ میں ایسے بھی ہیں جن سے شراب خواری ثابت ہے۔ اور آنحضرت نے ان

پر حد جاری کی ہے حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ سے دشنام صادر ہوا
اور ان پر حد جاری ہوئی ماعز سلمی سے زنا صادر ہوا اور اسے رجم کیا گیا۔
علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں :۔
جو نزاعیں صحابہ میں واقع ہوئیں اور کتب میں موجود اور ثقات
کی زبانی مذکور ہیں اس کی دلیل ہیں کہ صحابہ طریق حق سے گذر کر حد فسق
کو پہونچ گئے تھے۔
معلوم ہوا کہ اصحاب رسولؐ کے لئے رسولؐ کی مخالفت کوئی نئی
اور اہم بات نہیں تھی بلکہ وہ قدم قدم پر مخالفت کرتے تھے انہی حالات
سے متاثر ہو کر حکیم اُمّت نے فرمایا کہ بہتر ایمان لانے والوں میں سے
وہ قوم ہے جو میرے بعد آئے گی اور مجھ پر ایمان لائے گی حالانکہ انھوں
نے مجھ کو دیکھا بھی نہ ہوگا مگر وہ میری تصدیق کریں گے اور میری جانب
سے جو احکام پائیں گے اس پر عمل کریں گے۔ درمنثور ص ۲۶ دلائل بیہقی
یہ اصحاب رسولؐ اور حضری بلکہ مدنی تھے ان میں عشق رسولؐ کا
دم بھرنے والے بھی ہیں اور آسمان اسلام کے مہرو ماہ بھی ہیں۔
اب رہ گئے بدوی علامہ احمد امین لکھتے ہیں :۔
دیہات کے باشندے اپنی اجتماعی زندگی میں جاہلی
رجحانات کے ماتحت زندگی گذار رہے تھے۔ فجر الاسلام
ایسے مسلمان رسولؐ کے گرد جمع تھے قبائلی عصبیت رشک و حسد کسی کی
برتری کو برداشت نہ کرنا ان کا قومی شعار اور نسلی امتیاز تھا اسلام
لانے کے بعد بھی یہ باتیں ان میں موجود تھیں اور رسولؐ کی بھی بعض باتوں
کو وہ قبائلی عصبیت سمجھتے تھے ایک دفعہ ایک انصاری اور زبیر سے کھیت کا پانی لینے پر جھگڑا ہو گیا۔

تھا جب حضورؐ تک پہنچا آپؐ نے زبیرؓ سے فرمایا کہ تم پانی لینے کے بعد اسکی طرف پانی کھولدو انصاری نے کہا اس لئے کہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۳۲

علیؑ کے معاملہ میں ہمیشہ بدگمانی رہی رسولؐ علیؑ کی جتنی تعریف کرتے تھے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ خلافت کو بنی ہاشم میں مستحکم کر دینا چاہتے ہیں کہ ان کا اقتدار ہمیشہ قبائل عرب پر قائم رہے اور یہ انھیں ناپسند تھا۔ یہ بات ابتدا سے ان کے ذہن میں تھی جیسا کہ قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے سردار نے رسول اللہؐ سے ابتدائے بعثت میں کہی تھی کہ اگر ہم تمہاری نبوت کو تسلیم کریں اور عرب پر تمہارا اقتدار قائم ہو جائے تو حکومت میں ہمارا کیا حصہ ہوگا۔ رسولؐ نے فرمایا یہ معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا خوب ساتھ ہم دیں اور حکومت سے محروم رہیں اس صورت میں ہمیں تمہاری ضرورت نہیں یہی وجہ تھی رسولؐ کے گرد پیش منافق پھیلے ہوئے تھے۔

خلافت کے معاملہ میں بھی ان کا وہ خیال جو ان کا آبائی ورثہ تھا بکار فرما تھا رسولؐ نے صحابہ کی اسی ذہنیت کا اندازہ کر کے کہدیا کہ منافقت کی پہچان علیؑ کے معاملے میں ہے [1]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان جزو اول صـ ۶۱ سنن ابن ماجہ جزو اول صـ ۵۵ اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ بمبئی صـ ۳۶۸ فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جزو سابع صـ ۵۸ مصابیح السنہ امام بغوی جزو ثانی صـ ۲۷۵ نسیم الریاض خفاجی ج ۳ صـ ۲۵۷ شرح زرقانی جزو اول صـ ۳۹ ینابیع المودہ صـ ۱۳۳ کنز العمال جز سادس صـ ۲۵۲ تنزول الابرار صـ ۴۳ روائح المصطفٰے صـ ۱۲ مشکوٰۃ المصابیح صـ ۵۶۴

ترمذی شریف میں ایک اور طریقہ سے حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا علیؑ سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن عداوت نہیں رکھتا۔ حضرت ابوذر غفاری اور جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ہم زمانہ رسولؐ میں منافقین کو بغض علیؑ سے پہچانتے تھے۔ علیؑ سے بغض رکھنے کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ رسولؐ کے بعد اقتدار ان کے پاس جانیوالا ہے اور یہ ان کی قبائلی عصبیت کے خلاف تھا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اب ہمیں اس پہ توجہ کرنا چاہیئے کہ ایک ایسا شخص جو کمالات نبوت کا حامل تھا رسولؐ کے بعد اسی طرح کارِ رسالت جاری رکھ سکتا تھا خداؐ و رسولؐ نے اس کو مقرر بھی کر دیا تھا۔

ا مسند احمد حنبل جزو اول صفحہ ۵۷، ۱۲۸ جزو خامس صفحہ ۳۵۰، ۳۵۹ و ۳۶۶ جزو سادس
صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب تاسع فصل ثانی حدیث ثامن صفحہ ۷۳
و حدیث ثانی والثلاثون صفحہ ۷۵ و حدیث رابع عشر صفحہ ۷۴
ریاض النضرہ محب الدین طبری جزو ثانی باب را فصل تاسع صفحہ ۲۱۴ — ۲۱۵
فصل سادس صفحہ ۱۶۵ — ۱۶۶
مستدرک علی الصحیحین للحاکم جزو ثالث صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۲ کنز العمال قاری علی متقی جزو سادس صفحہ ۳۹۰
اسعاف الراغبین محمد بن صبان مالکی صفحہ ۱۴۴ ینابیع المودہ شیخ سلیمان بلخی صفحہ ۴۷
تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی باب ثانی صفحہ ۱۷ عن ابی درداء
استیعاب فی معرفۃ الاصحاب جزو ثانی صفحہ ۲۱۵ و ۴۷۷ و ۴۷۴
نصار مومن شبلنجی صفحہ ۷۲-۷۱ و ۷۳ کتاب المناقب اخطب خوارزمی
صفحہ ۲۱۱

اس کو صرف اس وجہ سے خلافت سے دور رکھا کہ بنی ہاشم کا تسلط ہمیشہ کے لئے قبائل قریش پر قائم ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی ان واقعات کو دیکھنے کے بعد محسوس کرے کہ معمہ تو حل نہیں ہوا بلکہ اس کی حیرت انگیزی میں اضافہ ہو گیا آخر اسلام قبول کرنے کے بعد اتنے معزز طبقے اہلِ اسلام کی یہ ذہنیت کیوں رہی اس کے جواب کے لئے مختصر طور پر اسلام کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

تاریخ اسلام

حجاز یہ جزیرہ نمائے عرب کا ایک حصہ ہے جو بزنطینی اور ایرانی شہنشاہیوں سے گھرا ہوا تھا مگر ملک کی بے آبی و بے گیاہی لو کے جھکڑ اور گرمی کی تیزی آسمان کی کھلی فضا نے اس ریگستان کے رہنے والوں کو بے وطن بنائے رکھا جہاں گھاس اور پانی دیکھتے وہاں قافلے کے قافلے اس وقت تک اپنا مسکن بنائے رہتے جب تک وہ پانی اور گھاس باقی رہتی اس بے زرعی معدنیات اور دریاؤں سے محرومی نے آس پاس کی حکومتوں نے اس پر قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور وہاں کے باشندے آزادی و خود مختاری کے خوگر ہو گئے۔ کسی سے نہ دبنا اور کسی کے اقتدار کو تسلیم نہ کرنا ان کا مزاج قومی بن گیا یہاں تک کہ اپنے گھر والوں کی بالادستی بھی انھیں گوارا نہ رہی اور وہ اس سے علیحدہ ہو کے اپنا قبیلہ الگ بنا لیتے اور اس کے شیخ بنجاتے اس طرح قبیلہ در قبیلہ منقسم ہوتے گئے۔

یہ قبیلہ بندی برابری اور بڑی داری کے لئے تھی اس وجہ سے کسی قبیلہ کی ترقی اور برتری انھیں برداشت نہ تھی وہ اپنے قبیلے

کی آن بان قائم رکھنے کے لئے ذرا ذرا سی بات پر کٹ مرتے اور صدیوں جنگ و جدل میں مصروف رہتے اس نے ان کو سپہ گری میں کامل بنایا۔ شہر کے رہنے والے حضری اور بادیہ نشین بدوی کہے جاتے تھے بدو رگ اور پٹھوں سے کھچا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے جس میں جا بجا گوشت کی ہلکی سی تہ دی ہوئی ہے گورا رنگ پتلی ناک تیز نگاہ جسم میں لمبا کرتا سر پر شال اُس پر اون کی بٹی ہوئی رسی لپٹی ہوئی کاندھے پر عبا مکان خیمہ جہاں پانی اور چشمہ نظر آئے وطن کھجور اور دودھ غذا شکار اور لوٹ مار پیشہ گائے بھینس بھیڑ بکری گھوڑا اور اونٹ جائداد و سرمایہ اس کا دودھ پیتا گوشت کھاتا کھال بچھاتا بال کے کپڑے بنتا اور شامیانے بناتا۔ مینگنیاں جلاتا اُس خرید و فروخت میں اسی سے زر مبادلہ کا کام لیتا۔

قبیلہ بندی اس کے معاشرے کی بنیاد تھی اپنے قبیلہ کی حمایت اس کا دین و آئین تھا اس کا بھائی کتنی ہی غلطی پر کیوں نہ ہو اس کی حمایت اس کا فرض تھی۔ قبیلہ کا ممتاز آدمی سردار ہوتا۔ غارت گری کے ساتھ مہمان نوازی اس کے حیرت انگیز اوصاف ہیں جس شوق سے وہ قافلوں کو لوٹتا ہے اسی گرم جوشی سے وہ مہمان کا استقبال کرتا ہے خواہ اس کا جانی دشمن ہی کیوں نہ ہو حضری جسمانی ساخت میں بدو سے زیادہ ممتاز نہیں لیکن لباس میں عبا قبا جبہ۔ عمامہ۔ زیر جامہ۔ تہبند۔ موزہ سے متمدن معلوم ہوتا ہے اس کی غذا میں دودھ اور کھجور کے علاوہ گوشت پنیر۔ سبزی روغن زیتون۔ سرکہ چائے قہوہ اور پھل ہوتا ہے۔ کچے یا پکے مکان میں رہتا اور کسی خاص جگہ اس کا وطن ہے شکار اس کی تفریح ہے شاعری اس کا امتیاز تجارت پیشہ شراب و کباب مشغلہ عیاشی وضع۔

مشترک خصوصیات قبیلہ بندی اور قبائلی عصبیت میں وہ بدو کا ساتھی لوٹ مار میں اس کا چھوٹا بھائی انتقام۔ حمیت مہمان نوازی اور سپہ گری میں اس کا شریک مساوی ہے۔

مذہب عرب کا کوئی ایک مذہب نہ تھا موسائی۔ عیسائی کافر و ملحد زندیق موحد و مسلم ہر طرح کے لوگ تھے۔

سیاسی حالت مکہ میں بعثت نبوی کے وقت قریش کے دس قبیلے تھے اُن میں بنی ہاشم اخلاق فاضلہ کی وجہ سے معزز و ممتاز تھے اس وجہ سے اور قبائل ان سے جلتے اور حسد کرتے تھے خاص طور پر بنی اُمیّہ جو نسب میں ان سے قریب تر اپنے کو ان کے برابر نہ سمجھے جانے پر برہم اور مدِ مقابل بننے پر مضطرب تھے اُمیّہ نے ہاشم سے حرب نے عبدالمطلب سے برابری کا دعویٰ کیا اور عرب کے دستور کے موافق ایک حکم کے سامنے اپنے اوصاف گنوائے اور فیصلہ اپنے خلاف سُنا اس سے اور زیادہ مشتعل رہے

اس معاملہ میں دوسرے قبائل بھی بنی اُمیہ کے حلیف تھے خود رسولؐ نے فرمایا کہ ہمارے سب سے زیادہ دشمن بنی اُمیّہ بنی مغیرہ اور بنی مخزوم ہیں تاریخوں میں بنی عدی اور بنی تیم بھی بنی اُمیّہ کے دوستوں اور بنی ہاشم کے دشمنوں کی فہرست میں ہیں۔

یہ تمام اتحاد صرف بنی ہاشم کی مخالفت میں تھا ورنہ خود آپس میں ایک کو دوسرے کا اقتدار پسند نہ تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن میں ظہورِ اسلام ہوا۔

عرب میں ظہورِ اسلام کی وجہ

جس طرح ہر تخم کے لئے ایک زمین مناسب ہوتی ہے اسی طرح ظہورِ اسلام کے لئے عرب کی سرزمین موزوں تھی۔ اسلام عربوں کے لئے سب سے زیادہ قابلِ قبول تھا ان میں بُت پرست اور موحد سب اللہ کو خالق کائنات اور رب الارباب مانتے اور نبوت کے مفہوم کو جانتے تھے۔ اسلام کے بہت سے احکام نماز، روزہ، حج، قربانی، نکاح، طلاق، مہر، جہیز، ولیمہ وفائے عہد مہمان نوازی، ختنہ سخاوت ان میں باقی تھی۔ قبلہ اسلام موجود تھا جس کی عظمت کی تاریخ ان کی نسل سے وابستہ تھی۔ مساوات کے جذبات ان میں شدت سے موجود تھے اللہ کے سوا کسی کے اقتدار کو تسلیم نہ کرنا ان کے مزاج قومی کے عین مطابق تھا۔ ان کا کوئی مرکز نہ تھا۔ ہر قبیلہ آزاد اور خود مختار تھا وہاں ایک مرکز قائم کرنا قبیلوں کو منظم کرنا ممکن تھا۔ لیکن حجاز کے علاوہ ساری دنیا میں ہر جگہ ایک حکومت تھی ایک مرکز تھا ایک تنظیم تھی ایک نظام حیات تھا اور کسی حد تک ایک قانون تھا ایک طبقہ حاکم اور ایک محکوم تھا اس کے مقابلہ میں ایک نئی تنظیم ایک نیا مرکز قائم کرنا ایک نیا نظام حیات پیش کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں سب انسان برابر ہیں کسی طرح ممکن نہ تھا صرف حجاز ہی ایسی جگہ تھی جہاں کوئی حکومت نہ تھی پورا خطہ آزاد قبائل سے آباد تھا جب حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دنیا کی اس تاریکی میں آفتاب اسلام طالع ہو تو یہی خطہ منتخب ہوا۔

مکہ میں ظہور اسلام کی وجہ

جزیرہ نمائے عرب میں شام اور بحر ہند کے درمیان دو بڑے کاروانی راستے تھے ایک بحرین سے خلیج فارس کے کنارے ہوتا ہوا سورنگ چلا گیا تھا۔ اس کے وسط میں کنعان (فلسطین) قافلوں کے ٹھہرنے کا اہم مقام تھا۔

دوسرا بحر احمر کے کنارے کی پہاڑی چٹانوں سے بچتا صحرائے نجد و حجر کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا اس کے بیچ میں مکہ بہت بڑا کاروانی پڑاؤ تھا۔

ابراہیم خلیل اللہ اسلام کی تبلیغ کے لیے بابل سے ہجرت کر کے کنعان آئے اور وہاں ایک قربان گاہ بنائی جب ان کے یہاں حضرت اسحٰق پیدا ہوئے تو وہ اسمٰعیل کو دوسرے کاروانی راستہ کے مرکزی مقام میں لے آئے اور یہاں کعبہ تعمیر کیا۔ اب مکہ کا کاروانی پڑاؤ تبلیغ اسلام کا مرکز بن گیا

ظہور اسلام کے وقت اس کی کاروانی پڑاؤ کی حیثیت ہونے کے ساتھ یہ خصوصیت بھی پیدا ہو گئی تھی کہ لوگ جوق در جوق حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے۔ قریش اس کے جوار میں آباد ہونے کی وجہ سے اہل حرم کہے جاتے تھے تمام قبائل میں محترم اور سب پر اثر رکھتے تھے۔ کسی کو ان سے ہمسری کی جرأت تھی وہ شجاعت و فصاحت میں ممتاز تھے حد یہ ہے کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ان میں احساس برتری تھا۔ جنگ بدر میں جب ولید اموی کے مقابلہ میں ابو دجانہ انصاری آئے تو اس نے کہا کہ تم ہمارے برابر کے آدمی نہیں ہو بنی ہاشم کو بھیجو۔

حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں کہا کہ ہم قریشی ہیں تمام قبائل عرب پر اثر رکھتے ہیں قریش کی یہی عزت و برتری تھی جس کی وجہ سے پیغمبر اسلام کا اس میں ظہور ہوا کیونکہ عزت و شرف میں سب سے افضل ہونا شرائط نبوت میں ہے کوئی بد قوم پیغمبر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس سے برتر خاندان کے لوگ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے تو خدا پست خاندان میں اپنی نبوت کیوں قائم کرے گا۔

بنی ہاشم میں ظہور اسلام کی وجہ

قریش میں بنی ہاشم کا قبیلہ سب سے زیادہ عزیز و محترم تھا جس طرح پیغمبر کا اعلیٰ قوم میں پیدا ہونا ضروری ہے اس طرح نسب میں بھی سب سے افضل ہونا شرائط نبوت میں ہے کوئی بد نسل پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ قریش میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں زمانہ جاہلیت کی نسبی خرابیاں نہ ہوں۔ سوتیلی ماں سے نکاح کر لینا عام تھا اور کبھی باپ خود اپنی زندگی میں سوتیلی ماں کو بیٹے کے سپرد کر دیتا تھا۔ بھانجی اور بھتیجی سے بھی نکاح کا عام رواج تھا زنا بھی کوئی شدید برائی نہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر سے متعلق روایت ہے۔

بلغ عمر بن الخطاب	حضرت عمر بن خطاب کو خبر پہنچی
ان اناسا رواۃ الاشعار	کہ لوگ اشعار کے روای اور تاریخی
وحملتہ الاثار یبون الناس	حالات کے جاننے والے لوگوں کے
ویبونہم فی اسلافہم	نسب میں عیب نکالتے ہیں اور
فقام علی المنبر وقال	ان کے بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں

آنحضرت کے نسب کی طہارت کو علماء نے معجزہ نبوت قرار دیا ہے
امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں۔

وقد حصل فی حق نبینا بالفضل علی ثلثة الاف
وهی بالجملة اقسام منها اختصاص
فی ذاته بالفضائل نحو
کونه اشرف نسبا من اشراف
العرب۔

ہمارے پیغمبر کو خدا نے تین ہزار
معجزے دیئے ہیں اور یہ کئی قسم کے ہیں
منجملہ ان کے حضرت کی ذات کا
مخصوص فضائل سے متصف ہونا
جیسے حضرت کا کل اشراف عرب سے
نسب میں افضل ہونا
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۳)

علامہ ماوردی لکھتے ہیں:

وعرفت طہارت مولده
علمت انه سلالة اباء الکرام
لیس فیه مسترذل وبل
کلهم سادة وشرف النسب
وطہارت المولد من شروط
النبوة

جب تم رسول کے نسب کی تحقیق
کروگے اور حضرت کی ولادت کی
طہارت کو پہنچانوگے تو اس بات
کا یقین کروگے کہ حضرت شریف اور
صحیح النسب بزرگوں کے جوہر تھے
جس میں کوئی بات رذالت وعیب
کی نہ تھی بلکہ سب سردار تھے اور
کیوں نہ ہو کیونکہ نسب کی طہارت
اور ولادت کی پاکیزگی شرائط نبوت
میں ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں

ایاکم فی ذکر العیوب والبحث من الاصول فلو قلت لا یخرج الیوم من هذہ الابواب الا من لا ذمیمة فیہ لم یخرج منکم احداً

یہ سن کر وہ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا خبردار جو تم لوگوں نے خاندانی برائیوں کو چھیڑا اس لئے کہ اس سے کوئی نہیں بچا ہے اگر میں حکم دوں کہ آج اس دروازے سے کوئی شخص باہر نہ نکلے سوا اُن لوگوں کے جن کے نسب میں کوئی عیب نہ ہو تو تم میں سے کوئی ایک بھی باہر نہ نکل سکے گا۔

صرف بنی ہاشم تھے جن کے نسب میں کوئی خرابی نہ تھی خود رسول اللہ نے فرمایا ہے۔

ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرھا فاخرجت من بین ابی فلم یعلنی شیئ من عہد الجاھلیة وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من زمن آدم حتی انتہیت الی ابی وامی فانا خیرکم نسباً و خیرکم ابا

جب بھی لوگوں کی دو شاخیں ہوئیں تو خدا نے مجھے اس شاخ میں رکھا جو سب سے بہتر تھی میں اپنے باعفت باپ ماں سے پیدا ہوا اور زمانہ جاہلیت کی کوئی نسبی خرابی مجھ میں نہ ہو سکی میری ولادت حضرت آدم سے اس وقت تک نکاح کے ذریعہ ہوئی زنا کا لگاؤ کبھی نہیں ہوا یہاں تک کہ میں اپنے ماں باپ تک پہنچا میں نسب میں تم لوگوں سے افضل ہوں اور میرے ماں باپ تم لوگوں کے ماں باپ سے افضل تھے۔

(کنز العمال ج ۲ صفحہ ۱ مطبوعہ حیدرآباد)

ان الاحادیث الصحیحه ان کل اصل من الاصول النبی من آدم الیٰ ابیه عبد الله فهو خیر اهل القرنة وافضلهم ولا احد فی قرنه ذالک خیر منه واقبلهم ذالک

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول خدا کے نسب کی ہر شاخ حضرت آدم سے ان کے والد عبداللہ تک ایسی تھی جو اپنے زمانہ میں سب سے بہتر و اشرف تھی اور کسی زمانہ میں کوئی شخص حضرت کے بزرگوں سے افضل و بہتر نہ تھا ص ۱۶

حضرت اسمٰعیل سے حضرت عبداللہ تک چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے اس طویل مدت میں صرف ایک سلسلہ نے اپنے کو ان برائیوں سے پاک رکھا جن کا عام رواج تھا اور کوئی انہیں برا نہیں سمجھتا تھا مگر اسلام کی نظر میں وہ بری تھیں کیا یہ اس کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ سلسلہ اوصیاء کے جناب اسمٰعیل کا تھا جس میں پیغمبر خاتم پیدا ہونے والے تھے کیونکہ پیغمبر اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں منتقل ہوتا رہتا ہے خدا نے اپنے پیغمبر کو قرآن میں اس فضیلت کی خبر دی ہے وتقلبک فی الساجدین ہم تم کو ساجدین میں منتقل کرتے رہے ہیں[1]

---

[1] قرآن میں آذر بت تراش کو حضرت ابراہیم کا باپ کہا ہے جو انکو کا چچا تھا اور اس نے ان کی پرورش کی تھی عرب میں مربی کو بھی باپ کہتے ہیں۔

ابو طالب کے گھر سے ظہور اسلام کی وجہ

سب کو تسلیم ہے کہ اجداد رسالتماب میں ایک قدسی روح تھی سب اخلاق فاضلہ کے مالک تھے اگر سب کا تعارف کرایا جائے تو بات بہت طولانی ہو جائے گی اس لئے آخر کی پانچ پشتوں کے تعارف پر اکتفا کیجیے۔

قصیؑ شجاع و بہادر مفکر و مدبر اور بلند کردار تھے انہوں نے بنی خزاعہ سے لڑ کے کعبہ کی تولیت حاصل کی اور اولاد اسمٰعیل کو اس کے جوار میں آباد کیا دار الندوہ بنایا کہ لوگ اپنے معاملات یہاں بیٹھ کے طے کریں۔ تمدنی امور قبائل پر تقسیم کئے یہی لوگ قریش کہلائے۔

عبد مناف قصیؑ کے سب سے چھوٹے اور عبدالدار سب سے بڑے بیٹے تھے۔ قصی نے اپنے مناصب عبدالدار کے سپرد کئے مگر عبد مناف سب سے لائق تر ہونے کی وجہ سے تمام امور میں شریک غالب بن گئے وہ تقویٰ اور صلہ رحم کی تلقین کرتے تھے اور اپنے باپ کے عقیدے پر تھے۔ کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔

ہاشمؑ، عبد مناف کے بیٹے بلند بالا وجیہ و شکیل شجاع و بہادر بلند اخلاق اور ہمدرد قوم تھے قحط سالی میں پورے مکہ کو کھانا کھلایا دوسرے ممالک سے تجارتی معاہدہ کیا۔ حجاج کی ضیافت میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔

عبدالمطلب ہاشم کے بڑے بیٹے غار حرا میں اعتکاف کرتے تھے۔ محارم سے نکاح کی ممانعت کی شراب کو حرام قرار دیا اور کعبہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت کی جاہ زمزم کا پتہ لگایا معذوروں کی خبر گیری

مظلوموں کی دادرسی کرتے تھے۔ غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے اور جو بچ جاتا تھا اس کو پہاڑوں پر جانوروں کے لیے پھیلا دیتے تھے اس وجہ سے مطعم الطیر کہے جاتے تھے۔

عبداللہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں بردبار مکارم اخلاق کے مالک نشست برخواست سنجیدہ اور لطف وحسن گفتار میں بینظیر تھے شکل وشمائل پرکشش بھی قریش میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

ابوطالب عبداللہ کے حقیقی بڑے بھائی عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں اکثر سے چھوٹے تھے سب سے بڑے حارث تھے قاعدے سے انہیں کو باپ کا جانشین ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ابوطالب ہاشمی جاہ و جلال اور مطلبی روح قدسی کے حامل بلند پایہ شاعر اور شعلہ بیان خطیب تھے حکیم عرب کہے جاتے تھے اکثم بن صیفی مشہور فلسفی تھا اس سے کسی نے پوچھا من تعلمت الحکمت والریاستہ تم نے یہ حکمت وریاست کس سے سیکھی؟ قال من حلیف الحلم والادب سید العرب ابوطالب بن عبدالمطلب

لہ اسلام سے پہلے عہد جاہلیت تھا یہ اس جہل سے ماخوذ تھیں جو علم کی ضد ہے عرب کا محاورہ ہے استجہل الشیٔ یعنی اس نے اس بات کو بہت معمولی ہلکا اور بے اہمیت سمجھا جاہلیت سے ہلکا پن مراد ہے یعنی قبیلہ کی حمایت میں حق وانصاف کا لحاظ نہ کرنا ظلم کو قوت اور فخر سمجھنا، غرور کرنا، کسی کی برتری قبول نہ کرنا قتل وغارت کو اچھا سمجھنا۔ انسانی ہمدردی مظلوم کی دادرسی اخوت ومساوات تواضع وانکسار قربانی وایثار سالمت ومصالحت کو بے رغبت سمجھنا جاہلیت ہے۔ اس ماحول میں صرف اجداد رسول خدا اخلاق فاضلہ کے مالک دور جاہلیت رجحانات سے منزہ و آزاد ہے۔

وہ کمسنی بھائیوں سے چھوٹے ہونے کے باوجود باپ کے جانشین متولی حرم ساقی زمزم اور سردار قریش ہوئے تمام بھائیوں نے ان کے آگے سر جھکا دیا۔ ہاشمی تلواریں ان کے اشارے کی منتظر رہتی تھیں ان کی حمایت رسول کی پشت کو مضبوط کر سکتی اور قریش کی مخالفتوں کے سیلاب کو روک سکتی تھی اس وجہ سے ان کا گھر مہبط وحی و کاشانہ رسالت قرار پایا۔ یہ علام الغیوب کا فیصلہ تھا۔

دعوت عشیرہ کی وجہ

قبائل کی عصبیت کے پیش نظر رسول کو حکم ہوا کہ پہلے اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دو کیونکہ ان کا قبول اطاعت دوسرے قبائل کی نسبت آسان تھا اور یہی ہوا کہ بنی ہاشم میں جس نے تصدیق رسالت نہیں کی وہ بھی ان کا حامی و ناصر رہا۔ علامہ احمد امین لکھتے ہیں:

"بلا تردد بنی ہاشم قبائلی تعصب کی بنا پر رسول خدا کے حامی و ناصر تھے جس میں بنی امیہ کی قدیمی دشمنی کو بھی دخل تھا۔ عرب میں مشہور تھا کہ اللہ کا دین ہمارے دین کے علاوہ ہے۔ بنی ہاشم اس حق کو محمد کے لئے محفوظ سمجھتے تھے۔ جس طرح امیہ بن ابی الصلت ورقہ بن نوفل اور دوسرے لوگ اپنے عقیدے کو کھلم کھلا کہتے تھے۔ اگر اس کہنے میں محمد حق پر ہیں تو حقیقت کھل جائے گی اور وہ بھی اس فخر میں ان کے شریک ہو جائینگے

اور اگر حق ان کے ساتھ نہیں ہے تو بہت جلد لوگ منتشر ہو جائیں گے جیسا کہ ان سے پہلے دوسروں کے گرد سے منتشر ہو گئے اس بنا پر دعوت محمد اس قدر اہم نہیں ہے کہ ہم اپنے قدیمی طریقے اور خاندانی تعصب کو پامال کر کے ان کو دشمنوں کے حوالہ کر دیں کہ وہ اس کا خون بہا دیں۔ حیات محمد ص ۶۸"

جنگ بدر میں بنی ہاشم کو بھی قریش اپنے ساتھ لے گئے تھے مگر طالب بن ابی طالب یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

لاھم اما یغزون طالب ؛ فی منقب من ھذا المناقب
ولا کن المطلوب غیر طالب ؛ ولا کن المسلوب غیر سالب

اے خدا طالب بھیڑیوں کے ساتھ ہے مگر جو غالب ہے وہ مغلوب ہو جائے اور جو چھین رہا ہے اس سے چھین جائے۔

نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کی زبان پر یہ شعر تھا۔

حرام علی حرب احمد انني ؛ اے احمد بنی اداصرہ

احمد سے جنگ حرام ہے کیونکہ وہ میرے بنی اور عزیز ہیں۔

ابولہب کی مخالفت اس وجہ سے تھی کہ وہ ابوسفیان کا بہنوئی تھا اس کی بیوی ام جمیل اس معاملہ میں سخت متعصب تھی وہ اپنے گھر کی فضا سے مجبور تھا جو اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ابوطالب کے بعد بنی ہاشم نے اس سے کہا کہ اب تم محمد کو اپنی امان میں لے لو اس نے بخوشی منظور کر لیا اور اعلان کر دیا مگر جب گھر گیا تو ہنگامہ برپا ہو گیا اور دس دن بھی نہیں گذر پائے تھے کہ وہ اس اعلان پر مجبور ہوا کہ میں نے اپنی امان محمد سے اٹھا لی۔

مخالفت قریش کی وجہ

رسولِ خدا سے قریش کی مخالفت مذہب کی وجہ نہ تھی انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جو قریش کے لیے نئی اور ان کی برہمی کا سبب ہوتی قرآن نے واضح الفاظ میں کہا تھا۔

وشرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا۔

ہم نے تمہارے لئے وہی دین بھیجا ہے جو نوح وابراہیم موسیٰ وعیسیٰ کو بھیجا تھا۔ اس دین پر قائم رہو اور تفرقہ پیدا نہ کرو۔

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ

یہ باتیں وہی نہیں جو ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کے صحیفوں میں موجود ہیں۔ ان انبیأ کو قریش جانتے اور مانتے تھے۔

بت پرستی اور اس سے بیزاری دونوں باتیں ان میں اس طرح موجود تھیں کہ ایک باپ کے دو بیٹے ایک موحد دوسرا کافر۔ نفیل کے دو بیٹے عمرو اور خطاب، عمرو موحد اور خطاب کافر، عمرو کے بیٹے زید موحد اور خطاب کے فرزند عمر کافر طائف کا رئیس اور مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت زرقہ بن نوفل عثمان بن عبید بن حویرث، قس بن ساعدہ جندب بن جنادہ غفاری (ابوذر) عبد اللہ بن جحش، عامر بن عبدالعزیٰ، عبد الطابخہ

بن ثعلب زہیر بن ابی سلمہ۔

علاف بن شہاب التیمی عرب کے مشہور لوگوں میں تھے یہ سب بت پرستی کے مخالف تھے اور عزت و وقار کے مالک تھے۔ خود رسول اللہ بھی بت پرستی کی کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے اور دعوائے نبوت سے پہلے عزیز و محترم تھے۔

علامہ احمد امین اس وقت کی بت پرستی کی یہ حالت بیان کرتے ہیں۔

بعثت نبوی سے پہلے مکہ کی بت پرستی کی یہ حالت تھی کہ لوگ اپنے عقائد کے اظہار میں بہت آزاد ہو گئے تھے یہود و نصاریٰ بڑی جرأت سے بت پرستی کی مخالفت کرتے تھے رفتہ رفتہ اہل مکہ کی ایک بڑی تعداد ان کی ہم آہنگ ہو گئی اور بتوں کی اہمیت و احترام فراموش کر بیٹھی صرف بزرگان قریش ان کی پرستش پر قائم تھے اور وہ اس میں مجبور تھے کیونکہ وہ اس رسم کو تنظیم قومی اور مکہ کی تجارت کے لئے ضروری سمجھتے تھے اس زمانہ میں مکہ اپنی جائے وقوع کے لحاظ سے تجارتی فائدے کی جگہ تھا اور اہل مکہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے ان کا اعتقاد بتوں کے بارے میں بہت سست ہو گیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریش ایک عید کے دن جمع تھے۔ چار آدمی ورقہ بن نوفل زید بن عمرو عثمان بن عبداللہ بن حویرث اور عبداللہ بن جحش ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے جانتے ہو یہ لوگ ہر جگہ بے خبر اور گمراہ ہیں یہ پتھر کیا ہے کہ ہم اس کا طواف کریں نہ دیکھتا ہے نہ سنتا نہ نفع دیتا ہے نہ ضرر۔ حیات محمد ص ۹۳

مصر کے دوسرے مورخ طہٰ حسین کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

سردار قریش کے نزدیک اگر دین کی کوئی وقعت تھی تو یہ کہ وہ ایک وسیلہ ہے نہ غایت ان نصب شدہ بتوں کے بارے میں ان کا یہی خیال تھا کہ روزی کمانے اور اقتدار پھیلانے کے ذرائع ہیں اور بس۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۰۵

معین الدین احمد ندوی حضرت ابوذر کے حالات میں لکھتے ہیں:-

حضرت ابوذر اسلام لانے سے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا وہ خدا کی پرستش کرتے تھے۔ ابومعشر راوی ہیں کہ ابوذر زمانہ جاہلیت ہی سے موحد تھے خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے نہ بتوں کی پوجا کرتے تھے ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی چنانچہ جس شخص نے پہلے ان کو آنحضرت کے ظہور کی اطلاع دی۔ اس کے الفاظ یہ تھے ابوذر تمہاری طرح ایک شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے۔ ابوذر کی خدا پرستی اعتراف حقیقت تک محدود نہ تھی۔ بلکہ جس طرح بن پڑتا وہ نماز بھی پڑھتے تھے۔ مہاجرین حصہ دوم ص ۶۸

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

حضرت ابو ذر زمانہ جاہلیت میں نماز پڑھتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۹)

یہ تمام موحد جو بت پرستی کو برا کہتے تھے اُن کی مخالفت کسی نے نہیں کی نہ کوئی ایذا پہنچائی۔ رسول خدا نے بھی جب تک دعوائے نبوت نہیں کیا کوئی مخالف نہیں ہوا مگر دعوائے نبوت کرتے ہی مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا مگر بنی ہاشم اس میں شریک نہ ہوئے اور پیغمبر کی حمایت کرتے رہے۔

یہ صورت حال صاف بتاتی ہے کہ رسول کی مخالفت ان کے ہاشمی ہونے

کی وجہ سے تھی۔

بات یہ ہے کہ اگر دعوت محمدیہ خدا کو ایک ماننے کسی اور کی عبادت نہ کرنے اور اعمال نیک کرنے کی ہدایت تک محدود ہوتی تو کوئی مخالفت نہ کرتا کیونکہ یہ باتیں اس وقت کے موحدین کہتے ہی تھے اس میں صرف رسالت محمدیہ کا اضافہ تھا اس میں کوئی جبر نہ تھا اس کا ماننا نہ ماننا ہر شخص کے اختیار میں تھا اس صورت میں لوگ خاموش رہتے لیکن بات اتنی ہی نہ تھی بلکہ یہ دعوتِ نبوت ایک حکومت کے قیام کا پیغام تھی جو بنی ہاشم میں قائم ہو رہی تھی وہ آزاد قبائل جو کسی کی اطاعت کے خوگر نہ تھے بنی ہاشم کے آگے سر کیوں خم کر دیتے وہ کسی سے کمتر رہنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ابوسفیان، ابوجہل اور اخنس راتوں کو چھپ کے رسول کے مکان کے پیچھے قرآن سنا کرتے تھے۔ تیسرے دن اخنس نے ابوجہل سے پوچھا کہ جو تم نے سنا وہ کیا ہے اور محمد کے بارے میں کیا کہتے ہو اس نے کہا ہم بنی عبد مناف سے شرافت و بزرگی کے لئے لڑتے رہے اور مختلف طریقے اختیار کر کے برابر ہوئے۔ اب انہوں نے کہا کہ ہم میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے۔

بس یہ وحی آتی ہے ہم یہ کہاں سے لائیں۔ خدا کی قسم ہم اس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔

بنی امیہ جو نسلاً قریب تر تھے سب سے آگے تھے۔ شبلی نعمانی کا خیال ہے کہ:-

آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے رقیب کی فتح تخیال کرتا تھا اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلے نے آنحضرت کی مخالفت کی

سب سے پہلے انہیں کا وفد عقبہ بن ابی معیط کی سرکردگی میں احبارِ یہود کے پاس گیا کہ وہ آکے محمدؐ کے دعوائے نبوت کو جھٹلائیں جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو ابوطالب کے پاس آئے اور کہا۔

انت سیدنا وافضلنا فی انفسنا قد رائت الذی هولاء السفهاء مع ابن اخیک من ترکهم الهتنا وطعنهم علینا وتسفیههم لاعلامنا

آپ ہمارے سید و سردار اور ہم سب میں افضل ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان بیوقوفوں نے آپ کے بھتیجے کو ساتھ ملا کر کیا کر رکھا ہے ہمارے خداؤں کو چھوڑ دیا ہے ہم پر اعتراض کرتے ہیں اور احمق بناتے ہیں ہمارے بزرگوں کو۔

حضرت ابوطالب کا رؤسائے قریش کو ایک جواب تاریخ میں ہمیں ملتا ہے اور وہ غالباً اسی موقع کا ہے۔

حدثنی محمد ابن اخی ان اللہ امرہ بصلۃ الارحام وان یعبد اللہ ولا یعبد معہ احد

میرے بھتیجے نے مجھے بتایا کہ اس کو اللہ نے صلہ ارحام کا حکم دیا ہے وہ اللہ کا بندہ ہے اس کے ساتھ وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا اور محمدؐ

امش و محمد عندی الصدق ۔ میرے نزدیک سچا اور امین ہے
الامین واللہ ما کذب قط ۔ خدا کی قسم اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا
طبقات ابن سعد خطیب حاتم طبرانی

ابو طالب کے اس جواب سے قریش سمجھ گئے کہ وہ رسول ص کے حامی ہیں لیکن بالکل مایوسی نہیں ہوئی اور خیال کیا کہ بدل دے کے محمد ص کو ان سے لے لیا جائے چنانچہ عمارہ بن ولید کو جو ایک بلند قامت وجیہ اور شکیل نوجوان تھا ابو طالب ع کے پاس لائے اور کہا ۔

یہ قریشی جوان حسن و جمال شرافت و نسب تحدو قامت اور زلف و رخ میں یکتا آپ کی خدمت میں حاضر ہے یہ آپ کا مددگار رہے گا اس کی میراث آپ کی میراث ہو گی اپنے بھتیجے کو اس کے بدلے ہمیں دیدیجئے کہ ہم اسے قتل کر دیں تا کہ قبائل کا نظم درست ہو اور نتیجہ کے لحاظ سے یہ بہت مناسب ہے ۔

حضرت ابو طالب ع نے فرمایا ۔ تم نے اچھا انصاف کیا میں تمہارے بیٹے کو لے کے پالوں اور تم میرے بیٹے کو لے کے ذبح کر ڈالو ۔

ایک دن آنحضرت کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے ابو سفیان اپنی جماعت کے ساتھ وہاں موجود تھا صلاح ہوئی کہ ان کی نماز خراب کی جائے ۔ ایک بت کے سامنے قربانی کا تازہ خون اور لید پڑی تھی زبعری نے حضرت کے چہرہ پر مل دی آپ کبیدہ خاطر گھر میں آئے مہربان چچا نے دیکھا واقعہ پوچھا تلوار لے کے سیدھے کعبہ پہونچے ان سب نے اٹھنا چاہا آپ نے للکارا کہ اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو سب کو قتل کر دوں گا ۔ شیر کی اس گرج نے ہر قدم سے قوت رفتار سلب کر لی آپ نے ہر ایک کے

چہرے پر خون اور پلیدی ملی اور کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن حضرت ابو طالبؑ کو اب خطرہ محسوس ہونے لگا اتفاق سے ایک دن رسولؐ کو گھر آنے میں دیر ہوئی آپ نے سمجھ لیا کہ قتل کر دیئے گئے۔ ہاشمی جوانوں کو جمع کر کے فرمایا کعبہ چلو اور تم میں کا ہر ایک ہر قبیلے کے سردار کے پاس بیٹھ جائے میں محمدؐ کے بارے میں سوال کروں گا اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیئے گئے تو تم میں کا ہر ایک اپنے پہلو والے کو قتل کر دے پھر جو کچھ ہوگا دیکھا جائیگا۔ اتنے میں زید بن حارثہ دکھائی دیئے ابو طالبؑ نے تڑپ کے پوچھا تم نے میرے بیٹے کو دیکھا ہے انھوں نے کہا میں انہیں کے پاس سے آرہا ہوں وہ کوہ صفا پر مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ فرمایا فوراً بلا لاؤ زید گئے اور رسولؐ خدا کو بلا لائے پوچھا بیٹا کہاں تھے خیر تو ہے فرمایا جی ہاں کہا اچھا اب گھر میں جاؤ رسولؐ خدا گھر میں چلے گئے مگر ابو طالبؑ سوچ میں پڑ گئے اور مناسب سمجھا کہ قریش کو نتائج سے آگاہ کر دیا جائے صبح کر تمام بنی ہاشم کو لے کے کعبہ پہنچے جہاں اکابر قریش بیٹھا کرتے تھے اور سب کو مخاطب کر کے رات کا واقعہ اور اپنا عزم ارادہ بیان کیا ہاشمی جوانوں نے اپنی تلواریں نیاموں سے نکال چمکائیں پھر ابو طالبؑ نے کہا خدا کی قسم اگر محمدؐ پر آنچ آتی تو تم میں سے کسی کو نہ چھوڑتا پھر ہم تم سب ہی ختم ہو جاتے ابو طالبؑ کے اس ارادے سے سناٹا چھا گیا ہمتیں پست ہو گئیں۔

اب قریش کی برہمی انتہا کو پہونچ چکی تھی وہ اپنی تمام تدبیروں میں ناکام ہو چکے تھے۔ انھیں ایک مضبوط قدم اٹھانا تھا لہٰذا انھوں نے قبائل کو جمع کر کے طے کیا کہ بنی ہاشم کا مقاطعہ کر دیا جائے اور کسی طرح کا کوئی ربط ان سے باقی نہ رہے اس کو ایک معاہدہ کی شکل میں لکھ کے

کعبہ میں لٹکا دیا۔

شعب ابی طالبؑ میں قیام

ابو طالب نے ان حالات میں اہلِ مکّہ کے درمیان رہنا مصلحت نہیں سمجھا وہ بنی ہاشم کو لے کے شعب ابی طالبؑ میں محصور ہو گئے۔

ابو طالب نے بنی ہاشم سے کہا کہ ہوشیار ہو جاؤ اگر محمدؐ کا بال بیکا ہوا تو تم سب کو موت کے منھ میں ڈال دوں گا۔

قریش نے سخت ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ ابوسفیان۔ ابوجہل۔ عقبہ بن ابی معیط وغیرہ راستوں پر گشت کیا کرتے تھے اور کسی کو شعب تک نہ جانے دیتے تھے کئی کئی دن کھانا نصیب نہ ہوتا۔ مسلمانوں میں کسی کو ہمت نہ تھی کہ کچھ بھیجتا چھوٹے چھوٹے بچّوں کے رونے کی آوازیں باہر تک آتی تھیں۔ دن کو یہ مصیبت رات کو حملہ کا خطرہ ابو طالبؑ رات بھر جاگتے رسولؐ کے بستر کے پاس تلوار لئے ٹہلتے رہتے اور بار بار جگہ بدل دیتے تھے اسی زمانے میں آپ نے وہ قصیدے کہے ہیں جن میں اپنے عزم و استقلال ہمّت و جرأت جنگ کے نتائج سے قریش کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

فرماتے ہیں:۔

الم تعلموا ان وجدنا محمدً	کیا تمھیں نہیں معلوم کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا
رسولاً کموسیٰ خط فی اول الکتب	نبیؐ پایا۔ جیسے موسیٰ تھے جن کا ذکر اگلی کتابوں میں موجود ہے۔
وان الذی رقمتم فی کتابکم	جو کچھ تم نے اپنے عہد نامہ میں لکھا ہے وہ تمہارے
یکون لکم یوماً کراعیۃ السقب	لئے غیر مفید ثابت ہوگا۔
افیقوا افیقوا قبل یحفر الثریٰ	ہوش میں آؤ ہوش میں آؤ اس سے پہلے کہ موت آ جائے۔

ویصبح من لم یجن ذنبا کذی ذنب

ولا تتبعوا امر الغواۃ ولا تقطعوا
اواصرنا بعد المودۃ والقرب
وتستجلبوا حربا عوانا وربما
امر علی من ذاقتہ الحلب الحرب
فلسنا ورب البیت نسلم احمدا
لعزاء من عض الزمان ولا کرب
ولما تبن منا ومنکم سوالف
واید اترت بالقساسیۃ الشہب
بمعترک ضنک تری قصد القنا
بہ والضباع العرج تعکف کالشرب
وکان مجال الخیل فی حجراتہ
وغمغمۃ الابطال معرکۃ الحرب
الیس ابونا ہاشم شد ازرہ
واوصی بنیہ بالطعان وبالضرب
ولسنا نمل الحرب حتی تملنا
ولا نشتکی ما قد ینوب من النکب
ولکن اہل الحفائظ والنہی
اذا طار ارواح الکماۃ من الرعب

اور غیر محرم محرم قرار پائے۔
دیکھو گمراہوں کی باتوں میں نہ آؤ اور
آپس کے تعلقات محبت و قرابت کو نہ توڑو
جنگ کو نہ ابھارو اسکا مزہ کڑوا ہوتا ہے
رب کعبہ کی قسم ہم احمد کو تمہارے سپرد اور
سختیوں کے حوالے نہ کریں گے چاہے
ایک زمانہ تکلیف دہ اور ایذا رساں ہو جائے
ہم میں تم میں تو اس سے پہلے ایسی باتیں نہ تھیں۔
کہ ہاتھوں میں چمکدار تلواریں کھنچ جاتیں
جنگ کے میدان میں نیزہ بازی ہوتی ہے
اور بجو پیاسے اونٹوں کی طرح جمع ہوتے ہیں۔
بہادروں کے ہمہمے ہوتے ہیں اور گھوڑوں
کی ٹاپوں کی آواز اسکا نام ہے معرکہ کارزار
کیا ہمارے باپ ہاشم نے کمر شجاعت
چست نہیں باندھی اور کیا انہوں نے اپنے بیٹوں کو
نیزہ بازی اور تیغ زنی کی وصیت
نہیں کی ہم نہ جنگ سے تھکنے والے نہ اس کی
شکایت کرتے ہیں لیکن ہم امن کے محافظ
اور صاحبان ادراک ہیں مگر اسوقت
پیچھے نہیں ہٹتے جب میدان جنگ میں خوف سے بہادروں کی روحیں پرواز کرتی ہیں۔

ایک قصیدے میں قریش کو یوں متنبہ کرتے ہیں

ولا تسفهوا احلامکم فی محمد
ولا تتبعوا امر الغوات الاسائم

محمدؐ کے معاملے میں بیوقوف نہ بنو اور گمراہوں کی پیروی نہ کرو۔

تمنیتموا ان تقتلوہ وانما
امانیکم ہذی کاحلام نائم

تم نے یہ تمنا کی کہ ان کو قتل کر ڈالو تمہاری یہ تمنائیں سونے والے کا خواب ہیں۔

وانکم واللہ لا تقتلونہ
ولما تروا قطف اللحی والجماجم

خدا کی قسم انھیں قتل نہیں کر سکتے تب تک جنگ سر اور جبڑے کی ہڈی نہ توڑ دے

زعمتم بانا مسلمون محمدا
ولما نقاذف دونہ ونزاحم

تم نے گمان کر لیا کہ ہم بغیر لڑے محمدؐ کو تمہارے سپرد کر دیں گے۔

من القوم مفضال ابی علی العدی
تمکن فی الفرعین من آل ہاشم

قریش میں صاحب فضل وہ لوگ ہیں جو دشمنوں کے حملوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور وہ ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی ہیں

امین حبیب فی العباد مسوم
بخاتم رب قاہر فی الخواتم

بندگانِ خدا میں محمدؐ امین اور محبوب ہیں مہر نبوت ان کی شناخت ہے۔

یری الناس برہانا علیہ وہیبۃ
وما جاہل فی قومہ مثل عالم

نبی اتاہ الوحی من عند ربہ
ومن قال لا یقرع بہا سن نادم

یہ وہ نبی ہیں جن پر وحی آتی ہے جو انھیں رسولؐ مانے گا وہ شرمندہ نہ ہو گا۔

ایک جگہ قریش کو یوں مخاطب کرتے ہیں

تشاتموا احمدا ان تسخطوا

تم رسولؐ کو مجھ سے نہیں لے سکتے جب تک

طعاة السماح وحد القضب
ولتخفوا بين ابياتكم
صدور العوالي وخيلا شسبا
عليها صناديد من هاشم
هم الانجبون في المنتخب[1]

تیر کی نوکیں اور قبضہ تک تلوار کو خون میں نہ
نہالیں تم اپنے گھروں پر طویل تیز نیزوں اور
تیز گھوڑوں کو یاد کرو گے جن پر صنادید بنی ہاشم سوار
ہوں گے اور وہ سب و گھوڑے زور
اصیل ہوں گے۔

یہ حضرت ابوطالبؑ کی سیاست تھی کہ انہوں نے رسول خداؐ کی حمایت کا اتنی شدت اور اتنے بلند آہنگ سے اظہار کرتے رہنا ضروری سمجھا ورنہ بنی امیہ اور ان کے حلیفوں کی ہمت پست نہ ہوتی اور یہی ہوا کہ جب حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہوگیا تو سب نے رسولؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور آپ اپنے آبائی وطن سرزمین حرم میں نہ رہ سکے مدینے ہجرت فرما گئے تو وہاں فوج لے کے پہنچے اس کی قیادت بھی بنی امیہ نے کی اور انھیں کے جوان مارے گئے اس کے انتقام میں بنی امیہ نے قریش سے حلف لیا اور احد میں صف آرائی کی ہند نے عم رسولؐ کا کلیجہ چباکر اپنا دل ٹھنڈا کیا یہی وہ لوگ تھے جو تھک کے ہار کے اسلام لائے اور طلقا کہلائے۔

عرب ظہور اسلام کے بعد

یہ عرب جو قبائلی عصبیت سے رسولؐ سے برسرِ پیکار تھے کیا اسلام لانے کے بعد سچے مسلمان بن گئے اور ان میں قبائلی تعصب باقی نہیں رہا؟

---

[1] صرف اتنا ہی نہیں ہے اس سے بہت زیادہ کفار قریش کو حضرت ابوطالبؑ کے جواب رجزوں میں مذکور ہیں ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔

اس کا جواب علامہ احمد امین کی زبانی سنئے :-

اب دیکھنا یہ ہے کہ عرب کے یہ باشندے اسلام سے کس حد تک متاثر ہوئے کیا محض اسلام میں داخل ہو جانے سے جاہلیت کی تعلیمات اور جاہلیت کے یہ رجحانات بالکل ملیامیٹ ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہوا ادیان عالم کی تاریخ اس کے امکان سے قطعی انکار کرتی ہے۔ نئے اور پرانے رجحانات وراثتی دین اور نئے دین کے درمیان عرصہ دراز تک نزاع قائم رہتی ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ پرانی چیزیں یکسر مٹ جائیں یہی کچھ جاہلیت و اسلام کے درمیان ہوا وقتاً فوقتاً جاہلی رجحانات ظاہر ہوتے رہتے اور اسلامی رجحانات سے برسر پیکار ہوتے تھے ایک عرصہ دراز تک یہی صورت قائم رہی اس نبرد آزمائی کے کچھ مظاہر ہم بیان کرتے ہیں۔

جاہلی اور اسلامی رجحانات | اسلام آیا اور اس نے قبائلی اور جنسی تعصب کو مٹانے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا لوگو خدا نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر و غرور دور کر دیا ہے تم سب کے سب آدم ؑ کی اولاد ہو جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت اگر ہو سکتی ہے تو قوانین الٰہی کی نگہداشت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے گمراہی کے جھنڈے کے نیچے جنگ کی جبکہ وہ کسی عصبیت کی وجہ سے

غضب ناک ہو رہا ہو اور اس حالت میں قتل ہو جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

رسول اللہ نے مہاجر و انصار کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم فرما دیا تھا جبکہ قدیم زمانہ سے ان سے اور اہل مکہ سے عداوت چلی آرہی تھی۔ ان تعلیمات کے باوجود عصبیت کا رجحان مٹ نہیں گیا تھا جب کبھی عصبیت کو بھڑکانے والی چیز ظاہر ہو جاتی تھی یہ عصبیت پوری قوت کے ساتھ سر اٹھا کے کھڑی ہو جاتی۔

غزوہ بنی مصطلق کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ذرا اس کو دیکھو کہ رسول اللہ صلعم مہاجر و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے راستے میں کسی مہاجر مسلمان نے ایک انصاری کو پیچھے سے دھکا دے دیا دونوں میں لڑائی ٹھن گئی حتیٰ کہ انصار نے جماعت انصار کو مدد کے لئے پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو نبی اکرمؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جاہلیت کی پکاروں پر دوڑ پڑتے ہو لوگو ۔۔۔۔ ان باتوں کو چھوڑ دو۔ اس پر عبداللہ بن ابی سلول کہا کہ اگر ہم خیریت سے مدینہ واپس آگئے تو جو معزز ہوں گے وہ ذلیل لوگوں کو مدینہ سے باہر نکال دیں گے۔

تم نے دیکھا کہ ذرا سی معمولی نزاع نے جو ایک بہت ہی معمولی بات پر شروع ہوئی تھی کس طرح لوگوں کو بھڑکا دیا اور جاہلی رجحان کی طرف دعوت دے دی مکی اور مدنی

عصبیتوں کو از سرِ نو یاد دلا دیا۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں اسلام کے ابتدائی دور میں جاہلی اور اسلامی رجحانات ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ (فجر الاسلام)

مصر کے ایک اور انشاپرداز محمد حسنین ہیکل کی رائے یہ ہے:۔

"وہ کونسی جاہلی عادات و رسوم تھیں جو مسلمان ہونے کے بعد بھی عربوں میں باقی رہیں زمانہ جاہلیت میں عرب قبائلی اور نسلی تعصبیت کا شکار تھے دعوت اسلام اس کے خلاف تھی اس کے باوجود قبائلی اور نسلی تعصب اکثر عربوں کے دل میں اسی شدت اور اسی قوت کے ساتھ باقی رہا۔ تاریخ میں قبائلی تعصب کے برقرار رہنے کی بہت سی مثالیں ہیں۔

عہد رسالت کی بات ہے کہ اوس و خزرج میں بسلسلہ مفاخرت جنگ بعاث کا ذکر چھڑ گیا ۔۔۔۔ اگر رسول اللہؐ بیچ میں پڑ کر ان میں دوبارہ رشتہ اخوت قائم نہ کر دیتے تو فریقین میں یقیناً چل جاتی۔ عمر فاروق اعظم ص ۲۸۱-۲

ہندوستان کے مشہور بانی کتب خانہ بانکی پور مسٹر خدا بخش اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"اگرچہ تھوڑے عرصے کے لئے پرانی عادتیں مذہب سے دب گئی تھیں لیکن وہ عادتیں مکمل طور سے معدوم نہیں ہوئی تھیں واقعہ یہ ہے کہ عربوں کی آئندہ تاریخ یہی قبیلوں کی آپس کی رشک و حسد کی تاریخ ہے جو ہمیشہ عربوں کے دماغ پر مسلط رہی"

ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اسلام کے نہ اترنے کی وجہ یہ تھی کہ

وہ اپنے ماحول میں پختہ ہو چکے تھے وہ تا تلی عنبیت قدیم معتقدات جوان کی زندگی و ایمان کا ایک مدت تک جز رہ چکے تھے۔ ان سے خالی ہو کے اسلام نہیں لائے تھے۔

رسول خدا نے ایک جلیل القدر صحابی سے فرمایا۔ یا ......

الشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النمل لے .....

شرک تمہارے اندر چیونٹی کی چال کی طرح چھپا ہوا ہے۔ ؎۱

اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ بنی ثقیف خدمت رسول میں حاضر ہو کے اسلام لائے اور یہ خواہش کی کہ ہمارا بت خانہ ہمارے ہاتھ سے نہ تڑوایا جائے اسلام لانے کے بعد بتوں کا اتنا احترام ان کے دل میں تھا ان کے اسلام لانے کی وجہ یہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ نبی ہیں یا یہ کہ ان کا مقابلہ ممکن نہیں یا یہ کہ مسلمانوں سے منسلک ہو جانے میں فائدہ ہے اور ہر طرف سے وفود آنے . اور اسلام قبول کرنے

؎۱ ہم نے ان صحابی کا نام نہیں لکھا کسی کو برہنہ کرنا ہمیں نہیں آتا۔ بتانا صرف یہ تھا کہ عہد رسول کے بیشتر مسلمان پکے مسلمان نہ تھے ان کے دل کی گہرائیوں میں شرک چھپا ہوا تھا۔ حوالہ کی مجبوری سے ذیل کی کتابیں پیش کی جاتی ہیں ان میں یہ حدیث نام کے ساتھ موجود ہے۔ کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۷۱ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۵۴۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۹ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۴

ایک نکتہ: تحت الشعور آج کی اہم دریافت سمجھا جاتا ہے پیغمبر اسلام اس کو چودہ سو برس پہلے بتا چکے ہیں کہ شرک تمہارے اندر چیونٹی کی چال کی طرح چھپا ہوا ہے اسی کو تحت الشعور کہہ لیجیے۔

محارب۔ سعد

لگئے۔ مزینہ۔ اسد۔ تمیم۔ عذان۔ فزارہ۔ مرہ۔ ثعلبہ۔ محارب۔ سعد

بن بکر۔ کلاب۔ رؤس بن کلاب۔ عقیل بن کعب۔ بنی بکاء۔ کنانہ

اشجع۔ باہلہ۔ سلیم۔ ہلال بن عامر۔ عامر بن صعصعہ۔ ثقیف۔

عبدالقیس۔ بکر بن وائل۔ تغلب۔ حنیفہ۔ شیبان طے۔ تجیب۔

خولان۔ جعفی۔ صداء۔ مراد۔ زبید۔ کندہ صدف۔ خشین۔ یدیم۔

بلی۔ بہراء۔ عذرہ۔ سلامان۔ جہنیہ۔ کلب۔ جرم۔ ازد۔ غسان

حارث بن کعب۔ ہمدان۔ سعد العشیرہ۔ عنس۔ داریین۔ فدحج

غامد۔ بجیلہ۔ خثعم۔ اشعریین۔ حضرموت۔ عمان۔ غافق۔

بارق۔ دوس۔ ثمالہ والحدان۔ اسلم۔ جذام۔ مہرہ

حمیر۔ جیشان۔ نجران۔

قبائل کا اس کثرت سے ایک سال کے اندر اسلام لانا بتاتا ہے کہ وہ ظاہری حالات سے متاثر ہو کے اسلام لائے تھے۔ اگر آپ عہد رسالت کے مسلمانوں کا جائزہ لیں گے تو ہر ایک کے اسلام کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جو ہم آگے بتائیں گے۔ اس سے پہلے قریش کی ذہنی ساخت اور ان کے اسلام کا سمجھنا ضروری ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اسلام کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔

قریش کی ذہنیت

اور

انکے اسلام کی حقیقت

مصر کے مشہور عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ان کے متعلق یہ رائے ہے:۔

قریش کی قوت کا سرچشمہ خانہ کعبہ کے ارد گرد کی آبادی اور مناسک حج کی تولیت تھا جس کے باعث وہ تمام عربوں پر تسلط اور حکمرانی کرتے وہ خود میں ایک ایسی امتیازی شان پاتے تھے کہ دوسرا قبیلہ ان کا شریک نہ تھا۔ ان کی قوت کا دوسرا سرچشمہ ان کی وہ وسیع تجارت تھی جو عربوں کی تمام تجارتوں پر حاوی تھی انھیں حرم کے نواح میں آباد ہونے کی وجہ سے امن حاصل تھا ان سہولتوں نے اس قبیلے کو ایسی ذہانت۔ تدبر۔ دور اندیشی اور اولوالعزمی بخش دی تھی جو قبیلۂ ثقیف کے سوا عرب کے باشندوں میں کسی اور کو میسّر نہ تھی۔

قریش مشرق بعید اور مشرق قریب کے مابین تجارت کی وجہ سے ایک رشتہ قائم کئے ہوئے تھے اور اس بنا پر وہ مشرق و مغرب بلکہ روم و ہند کے درمیان

تعلقات قائم کئے ہوئے تھے اس تجارت نے قریش کو بہت عظیم مالی فائدوں سے دنیاوی تجربے سکھائے کثرتِ دولت نے قریش کو دُوربین محافظت دور خوش تدبیری اور مال سے زیادہ نفع حاصل کرنا سکھایا مسلسل تجربات اور اقوام عالم سے ارتباط و اختلاط نیز مختلف دُور دراز کے علاقوں کی سیر و سیاحت نے انھیں مشکلات کا مقابلہ کرنے اور ان پر قابو پانے میں ماہر بنا دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا نتیجہ تھا کہ قریش نہایت پختہ کار بڑا چالاک و ہوشیار اور حیلہ ساز قبیلہ بن گیا۔ اس کے سبب وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے اور غرور و کبریائی کا شکار ہو جاتے تھے اس کے باعث وہ مال کی محبت اور لالچ کرنے لگتے اور اسے ناحق لینے کے درپے ہو جاتے تھے یہی چیز انھیں خود غرضی کا سبق سکھاتی تھی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ زیادہ منافع اور لذات پر گر پڑتے تھے حالانکہ کبھی کبھی یہ لذتیں گناہ سے بھی مُلوث ہوتی تھیں۔ یہی چیز انھیں حرص بے پایاں کی راہ دکھاتی تھی جس کے باعث وہ ہر حد کو عبور کر کے دوسروں کے مال پر نگاہ ڈالنے کا عادی اور ظلم و استبداد کا مرتکب کر دیتی تھی۔

حضرت عمر ان مہاجر و انصار سے اس درجہ خائف تھے جو رسول اللہ کی صحبت میں رہے اور جنہوں نے ہر مقام اور ہر مصیبت کے موقع پر نہایت پامردی کا ثبوت دیا

تر اہمیت ہے۔ ان قریش سے جو بعد کو ایمان لائے ان سے زیادہ خطرہ ہے تھا کیونکہ ان میں وہ بوڑھے اور جوان بھی شامل تھے جنہوں نے برضا و رغبت اسلام قبول نہیں کیا یا تو وہ اسلام کے پلّے کو جھکتا ہوا دیکھ کے طمع و لالچ کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے یا پھر جب وہ مکّہ میں چاروں طرف سے گھِر گئے تو کرہاً اسلام قبول کر لیا۔ ان دونوں اسباب کی وجہ سے اسلام لانے والوں نے دینِ اسلام کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھا کہ وہ ایک ایسا دین ہے جس کا تعلق قلوب و ضمائر سے ہے اور جس میں اللہ کے حقوق و فرائض کی پابندی لازم ہوتی ہے بلکہ انھوں نے اسلام کو ایک بڑے سودے کی حیثیت سے دیکھا جیسے سودے وہ کرتے رہتے تھے۔

الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۷۷

اب ہم آپ کے سامنے بعثت نبوی سے لے کے فتح مکہ تک چند اسلام لانے والوں کو پیش کرتے ہیں انھیں دیکھ کے آپ عہد سعادت کے مسلمانوں کو پہچان لیں گے:۔

عمرو بن عاص

یہ رسول ؐ کے جلیل القدر صحابی اسلام کے عظیم المرتبت جنرل بساطِ سیاست کے مشہور شاطر تھے خلافت ثانیہ میں انھیں کے مشورہ اور تلوار سے مصر فتح ہوا اور بعد میں بھی ان کے کارنامے تاریخ اسلام میں اہم نتائج کے حامل ہیں۔ ان کے اسلام لانے کی تصویر مصری مورخ ہیکل نے جو کھینچی ہے [۲] اس کا آب و رنگ ملاحظہ فرمایئے:۔

جب مسلمانوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو قریش نے انہی کو

رئیس وفد بنا کر نجاشی کے دربار میں بھیجا تھا کہ یہ اپنے زور استدلال سے کام لے کر مسلمانوں کو مکہ واپس بھجوا دیں اور اگرچہ ان کی سفارت اپنے مقصد میں ناکام رہی لیکن انھوں نے مقدمہ پیش کرنے میں زور بیان اور قوت استدلال کا حق ادا کر دیا ان کی یہی عقلی برتری بعد کو انھیں اسلام کی طرف لے گئی اور انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا ہے اور وہ مدینہ ہجرت فرما گئے ہیں انھیں شبہ ہوا کہ قریش غلبہ نہ حاصل کر سکیں گے انھوں نے اپنے حق میں یہی بہتر سمجھا کہ تجارت کے لیے نکل جائیں چنانچہ وہ شام یمن حبشہ اور مصر کے تجارتی سفر پر چلے گئے اس کے بعد جب وہ اہل مکہ کے ساتھ غزوہ احزاب میں رسولؐ کے مقابلہ پر آئے اور شکست کھا کر واپس ہوئے تو انھیں یقین ہو گیا کہ وہ محمدؐ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس وقت انھوں نے قریش کو جمع کیا اور کہا واللہ مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ محمدؐ کا ستارہ اپنے انتہائی عروج پر پہنچنے والا ہے اس لئے میری رائے ہے کہ ہم نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہیں سکونت اختیار کر لیں اگر محمدؐ نے ہماری قوم پر غلبہ پا لیا تو ہم نجاشی کے پاس ہوں گے اور نجاشی کے زیر سایہ رہنا ہمارے لئے محمدؐ کے محکوم ہو کر رہنے سے کہیں بہتر ہے اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو کیا کہنا سامعین نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور وہ حبشہ چلے گئے ان لوگوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ جب تک قریش اور محمدؐ کا معاملہ کسی

واضح نتیجے پر نہیں پہنچے گا وہ حبشہ ہی میں رہیں گے اس کے بعد جب
رسول خدا نے حدیبیہ میں صلح کی تو حضرت عمرو عاص کو یقین ہو گیا
کہ محمدؐ کا ستارہ اقبال ترقی پر ہے اس لئے ابھی حبشہ سے مکہ
واپس ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب وہ سال بھی گذر
گیا اور انھیں عمرہ و قضا کی اطلاعات پہونچیں کہ مسلمان مکہ میں
داخل ہوئے تو ان کے دل نے تسلیم کر لیا کہ محمدؐ حق پر ہیں اور وہ
مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انھیں حضرت خالد بن ولید
ملے جو قبول اسلام کے لئے مدینہ جا رہے تھے یہ بھی ان کے ساتھ
ہو لئے۔ روایت ہے کہ قریش کا ایک نوجوان ان کے پاس آیا
اور کہا اے ابو عبداللہ قوم کا خیال ہے کہ تم محمدؐ کی طرف
ڈھلک گئے ہو؟ انھوں نے اسے جبل حرا میں ملنے کا وقت دیا
اور جب دونوں ملے تو انھوں نے اس نوجوان سے کہا تجھے خدا کی
قسم دیکے پوچھتا ہوں کہ ہم ہدایت پر ہیں یا ایرانی و رومی! نوجوان
نے بغیر سوچے کہا ہم! انھوں نے کہا یہ راست روی ہماری کس کام
کی جب وہ مادی اعتبار سے ہمارے مقابلہ میں کہیں زیادہ
صاحب مقدرت ہیں اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے حضرت
عمرو بن عاص کا خط فکر واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام
کے افادی پہلوؤں پر غور کر کے اسے قبول کیا تھا۔۔۔
انھوں نے اپنے بارے میں معاویہ کے سامنے سچی بات کہنے
میں خوف محسوس نہیں کیا اور جن اغراض نے انھیں معاویہ کا
ساتھ دینے پر آمادہ کیا تھا وہ سب ان کے سامنے بیان

کر دیئے۔ ایک دن انہوں نے بار بار معاویہ کو یہ کہتے سنا کہ اگر مسلمانوں کی بھلائی مقصود نہ ہوتی تو میں دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کے نہ دیکھتا اور مسلمانوں کی امارت کا بار کبھی نہ اُٹھاتا یہ سُن کر عمرو عاص دل تنگ ہوئے اور تنہائی میں اُن سے کہا۔ تم نے اپنی باتوں سے میرا کلیجہ پکا دیا کیا ہم نے علی کی مخالفت اس لئے کی تھی کہ ہمیں ان پر فضیلت حاصل ہے؟

واللہ ہم کتوں کی طرح دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں

خدا کی قسم یا تو اپنی دنیا میں سے ایک حصہ مجھ کو دو ورنہ میں تمہارا مخالف ہو جاؤں گا۔ عمر فاروق اعظم

ڈاکٹر طہٰ حسین فرماتے ہیں:

عمرو عاص چالاکی و مکاری میں معاویہ سے کم نہ تھے نہ مکر و فریب میں معاویہ سے کمزور۔ علی و فرزندان علی ص ۸۹

مغیرہ بن شعبہ:- ڈاکٹر طہٰ حسین نے ان کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

عرب کے مشہور شاطروں میں سے ایک شاطر تھے: مغیرہ کا معاملہ بڑا ہی عجیب و حیرت انگیز ہے۔ نیکی و بدی ان کی ذات میں کچھ اس طرح گڈ مڈ ہو گئی تھی کہ ان کی ذات پہیلی بن گئی تھی پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ آخر تھے کیا۔ جوانی کے زمانہ میں انہوں نے طائف کے بارہ تیرہ آدمیوں کو غداری کر کے مار ڈالا تھا۔ پہلے تو انہیں خوب شراب پلائی۔ جب وہ ہوش و حواس کھو بیٹھے تو انہیں ایک ایک کر کے قتل کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد ان کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اپنے وطن طائف واپس جائیں ان مقتولوں کا بے اندازہ مال و اسباب تھا کر جو وہ لوگ مصر سے کما کر لائے تھے لے کے...

چل دیئے اور پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہو کے اسلام قبول کر لیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ان کے نفس میں اچھی طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ بصرے میں یہ زنا کے مرتکب ہوئے کئی آدمیوں نے ان کے زنا کی گواہی دی قریب تھا کہ حضرت عمر ان پر حد جاری کریں مگر ایک گواہ زیاد بن ابیہ نے گواہی گڑبڑ کر دی جس کی وجہ سے یہ حد سے بچ گئے۔ البتہ جن لوگوں نے ان کے زنا کی گواہی دی تھی ان پر حد قذف جاری ہو گئی۔ حضرت عمر نے انہیں بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد انہیں کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ (علی و فرزندان علی ص ۲۹۷)

بلاذری کا بیان ہے کہ جب تین گواہ صحیح گذر چکے اور چوتھا گواہ زیاد بن ابیہ پیش ہوا تو حضرت عمر نے فرمایا میں ایسا چہرہ دیکھ رہا ہوں جس سے مجھے امید ہے کہ اس کے ہاتھ سے پیغمبر کا صحابی سنگسار ہو گا نہ اس کی گواہی کی وجہ سے وہ رسوا ہو گا۔

زیاد حضرت عمر کا منشاء سمجھ گیا اور اس نے گواہی خراب کر دی اور حضرت عمر نے مغیرہ کو چھوڑ دیا۔ مگر ان کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی۔ طہٰ حسین کہتے ہیں کہ جب وہ مغیرہ کو دیکھتے تو کہتے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے بدلے میں سنگسار کیا جاؤں۔

میرے خیال میں حضرت عمر نے مغیرہ کو ایک عقلمند اور کارپرداز آدمی سمجھ کے یہ نہیں پسند کیا کہ وہ ضائع ہو جائے۔

حضرت علیؑ نے عمار یاسر سے کہا کہ مغیرہ دین کو اسی حد تک اختیار کرتا ہے جتنا دنیا کے لئے ضرورت ہوتی۔ یہ حق کو باطل سے ملا دیتا ہے اور باطل کو حق ظاہر کرتا ہے۔

معاویہ بن ابی سفیان :- خواجہ حسن نظامی نے ان کے متعلق بہت بلیغ فقرہ کہا ہے۔ ابو سفیان کا بیٹا یزید کا باپ

ڈاکٹر طہٰ حسین نے ان کے متعلق جو کچھ کہا ہے اسے اسی فقرہ کی کی توضیح سمجھنا چاہیئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

معاویہ کے ظلم و تشدد کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اس ابو سفیان کا بیٹا ہے جس نے بدر کے بعد پیغمبر سے پے در پے لڑائیاں لڑیں اور ہر لڑائی میں اُس نے جان لڑا دی اور قوت و طاقت ظلم و بے رحمی مکر و فریب کے مظاہرے کیئے اور اس وقت تک اسلام نہ لایا جب تک اس کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ رہا دو ہی صورتیں باقی رہ گیئں تھیں یا موت کے گھاٹ اُترے یا پھر اسلام لائے۔

معاویہ نے بھی میراث میں اپنے باپ کی وہی قوت و بے رحمی اور مکر و فریب پایا تھا۔ معاویہ کی ماں بھی اس کے باپ سے کم اسلام اور مسلمانوں کی دشمن نہ تھی۔

حضرت عمر نے معاویہ کو شام کا گورنر مقرر کیا اور پھر انہیں معزول نہ کیا۔ حالانکہ ان کا دستور تھا کہ عاملوں کو برابر بدلتے رہتے تھے۔

(علی و فرزندان علی صہ ۸۳)

نہار الرجال بن عنفوہ :- مسلمان ہوا ہجرت کر کے مدینہ آیا۔ رسول کی صحبت اختیار کی قرآن پڑھا تفقہ فی الدین کا درجہ حاصل کیا۔ رسول خدا نے اس کے قبیلہ یمامہ میں اس کو تبلیغ کے لئے بھیجا دہاں اس نے اپنے

قبیلہ کے نبی مُسیلمہ کذاب کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ محمد کہتے ہیں کہ مُسیلمہ میری نبوت میں شریک ہے۔

طفیل بن عمر دوسی زمانہ جاہلیت کے موحدین میں ایک سنجیدہ آدمی بلند پایہ شاعر اور عزت و وقار کا مالک تھا رسول خدا سے قرآن سُن کے دنگ ہو گیا اور اسلام لے آیا۔

عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن حنظل، عبداللہ بن ابی سرح، عمر بن خطاب یہ سب قرآن سُن کے مسلمان ہوئے اسی وجہ سے کفار قریش کا مطالبہ تھا کہ مسلمان زور سے قرآن نہ پڑھا کریں۔ اس طرح اسلام لانے والے صنف باقی قسم کے لوگ تھے جن کے سامنے اسلام کی تعلیم اور پیغمبر اسلام کی ذات دونوں تھیں مگر وہ اسلام نہیں لائے قرآن کی فصاحت سے متاثر ہو کے دفعتاً مسلمان ہو گئے بعد میں یہ سب مرتد ہو گئے صرف حضرت عمر کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ آخر تک اسلام سے وابستہ رہے۔ مُسیلمہ کذاب کو خود ایک مدت تک صحبت رسول کا شرف حاصل رہا۔

اہل مدینہ کا اسلام: اہل مدینہ جو انصار کے لقب سے سرفراز ہیں سیاسی مسلمان تھے شام اور فلسطین میں یہود حکمران تھے دوسری صدی عیسوی میں رومیوں نے انہیں شکست دیکے نکال دیا وہ سرحد پار کر کے حجاز میں آ گئے اور مدینہ تک پھیل گئے یہاں انہوں نے بڑے بڑے قلعے تعمیر کئے یہ جوان کی فوجی چھاؤنیاں بھی تھے اور تجارت کی منڈیاں بھی انہوں نے اپنی دولتمندی سے قبائل عرب پر اقتدار حاصل کر لیا مگر ان کی فطرت میں بھی مغلوب ہو کے رہنا نہ تھا اس وجہ سے مستقل کشمکش رہنے لگی۔ توراۃ کے سفر استثنیٰ ۱۸ و ۱۵ میں ایک نبی کے آنے کی یہ پیشن گوئی ہے "تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کریگا تم اسکی طرف کان دھرو"

اس پیشین گوئی سے یہود ایک نبی کے منتظر تھے اور اعراب مدینہ کو یہ کہہ کے دھمکایا کرتے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے وہ تمہاری خبر لے گا۔
بعثت نبوی کے بعد انھوں نے ان پیشین گوئیوں کو دھرانا چھوڑ دیا۔
اہلِ مدینہ اپنی اندرونی اور بیرونی جنگوں سے تنگ آ کے عبداللہ بن ابی سلول کو بادشاہ بنانے اور ایک منتظم حکومت قائم کرنے کا تہیہ کر چکے تھے اور اس کی تیاریاں ہو چکی تھیں ایک تاج بھی بنوا لیا گیا تھا تاجپوشی کی رسم ادا ہونیوالی تھی اس غرض سے ایک سیاسی وفد اہلِ مکہ سے حلیفی کے لیے آیا یہاں اس نے نو گروہ دیکھے فطرتاً اس کے لیے یہ بات غور طلب ہوئی کہ ان میں سے کس کو اختیار کیا جائے انھوں نے آپس میں کہا خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جس کی خبر یہود دیا کرتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اسے اختیار کریں ہمیں اختیار کر لینا چاہیئے۔
ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہلِ مکہ سے ان کی پرانی عداوت تھی اس وقت وہ مجبوراً یہود کے مقابلہ میں ان کو دوست بنائے آئے تھے لیکن ان کے دل صاف نہ تھے انھوں نے اپنے پرانے دشمنوں کے مقابلے میں ایک نیا گروہ دیکھا اور اسے اپنے لئے بہتر سمجھا یہ وہ لوگ تھے جو نئی حکومت کے قیام میں ان کے بہتر مددگار ثابت ہو سکتے تھے اس لئے وہ عقبہ میں چھپ کے رسولؐ خدا سے ملے اور اسلام قبول کر کے مدینے واپس ہوئے اور بہت سے لوگوں کو انھوں نے مسلمان بنایا دوسرے سال حج کے موقعے پر ہر قبیلے کے آدمی نے بطور وفد رسولؐ کی خدمت میں باریابی حاصل کی اور مدینے ہجرت کرنے کی دعوت دی پیغمبرؐ نے ان کی پیش کش قبول کر لی۔
عبداللہ بن ابی سلول کی بادشاہی خاک میں مل گئی وہ خفیہ در اندازیوں پر اتر آیا اور ہمیشہ کے لئے منافق بن گیا مصر کے مشہور انشا پرداز

محمد حسنین ہیکل اس داستان کو یوں بیان کرتے ہیں۔
اسلام سے پہلے اوس و خزرج ایک دوسرے کے حریف تھے ان دونوں قبیلوں میں اس وقت سے دشمنی چلی آرہی تھی جب سے ان کے آباء اجداد یمن سے منتقل ہو کے یثرب میں آباد ہوئے اس وقت یثرب اور اس کے گرد و نواح میں یہود کا تسلط تھا اوس و خزرج بھی مدت دراز تک یہود کے زیر اقتدار میں غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے آخر ان کی حمیت نے جوش مارا اور انہوں نے یہود سے بغاوت کر کے ان کو اس مرتبے سے محروم کر دیا جس پر وہ مدت سے فائز تھے" یہود کے پنجے سے تو انہوں نے رہائی حاصل کر لی لیکن خود ان کے درمیان اختلاف کی بنیاد پڑ گئی جس نے بڑھتے بڑھتے شدید دشمنی کی شکل اختیار کر لی جنگ بعاث بھی اسی دشمنی کا شاخسانہ تھی جس میں طرفین کی سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں اس جنگ کے بعد یہود نے پھر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا اوس و خزرج یہود کے پہلے سلوک کو بھولے نہ تھے انہوں نے آپس میں صلح کر لی اور طے کیا کہ خزرج کے ایک شخص عبداللہ بن ابی سلول کو اپنا سردار بنا لیا جائے وہ لوگ انہیں تیاریوں میں مشغول تھے کہ ان کی ایک جماعت حج کے موقع پر مکہ آئی وہاں ان کی ملاقات رسول اللہ سے ہوئی آپ نے انھیں توحید کی تبلیغ کی اس پر انھوں نے ایک دوسرے سے کہا:۔
خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جس کی خبر ہمیں یہود دیا کرتے ہیں

ہمیں اسے قبول کر لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود اسے قبول کر کے ہم سے بڑھ جائیں چنانچہ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اسلام لے آئے پھر آپ سے کہا۔

"ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں جو عداوت و بغض و عناد میں کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعہ سے انہیں متحد کر دے گا۔

اگر وہ آپ کے ذریعہ متحد ہو گئے تو یثرب کا کوئی شخص عزت و بزرگی میں آپ سے بڑھ کے نہ ہوگا۔

یثرب واپس آکر انھوں نے اپنی قوم سے سارا حال بیان کیا اور یہی واقعہ بیعت عقبۃ الکبریٰ کا باعث یثرب میں اسلام پھیلنے کا موجب اور رسول اللہ کی ہجرت کا پیش خیمہ ہوا۔

صاف ظاہر ہے کہ قبول اسلام کی یہ صورت سیاسی نوعیت کی تھی جس کا مقصد یہود کے مقابلہ میں اپنے کو منظم کرنا تھا۔ عبداللہ بن ابی سلول نہ یہی محمدؐ بن عبداللہ یہی اس میں اسلام کی روح کیونکر سمجھ میں آسکتی تھی قرآن نے ان کے ضعف ایمان کی شہادت دی ہے۔

ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق "اور اہلِ مدینہ میں بعض منافق ہیں"

اور ان کی اتنی کثرت تھی کہ وفات رسولؐ کے وقت مدینہ منافقوں سے جھلک رہا تھا۔

شبلی نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں :—

آنحضرت نے جس وقت وفات فرمائی مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان منافقوں کی دو قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ زبان سے توحید و نبوت کے قائل مگر دل مطمئن بکفر۔

۲۔ وہ لوگ جو داخلِ اسلام ہوئے مگر تحقیق سے نہیں ایسے طبقے ضعیف الاسلام کو رسالتِ حضرت پیغمبرؐ میں شکوک واہیہ اور شبہات رکیکہ دلوں میں گذرتے تھے یہ دل سے نہ مسلمان ہو سکتے تھے نہ اسلام کا پھندا گلے سے نکال سکتے تھے ان لوگوں کا نفاق عمل و اخلاق کا نفاق تھا ایسے لوگ زیادہ تھے۔

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر مطبوعہ مطبع مجتبائی ص۱۱

نتیجہ

مذکورہ بالا تاریخ اور عوام کے قبول اسلام کے پس منظر کو دیکھئے اور سوچئے تو سمجھ میں آئیگا کہ عوام جو اس وقت کے جمہور اہلِ اسلام ہیں ان کی اسلام میں کوئی بصیرت ایسی نہ تھی جس کے ساتھ وہ دین کے تقاضوں کو پوری طرح سمجھ سکیں اور حقیقت دین و منشاء الٰہی سے واقف ہو سکیں اور اسی ڈھرے پر چل سکیں جس پر پیغمبرِ اسلام انہیں چلا رہے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی روح کے خلاف حکومت قائم ہوئی جس سے اسلام اور مسلمان دو الگ چیزیں الگ ہو گئیں۔ اب جو فتوحات ہوں وہ اسلام کے نہیں مسلمانوں کے ہیں اور جو شکستیں ہوں وہ بھی اسلام کی نہیں مسلمانوں کی ہیں۔ بعد کے مورخین چونکہ عموماً جمہوری مزاج کے حامل تھے اس لیے انہوں نے اس کو اسلام کی روح کے منافی نہیں سمجھا اور مسلمانوں کے مادی فتوحات کو اسلام کے فتوحات کی حیثیت سے زریں حروف سے لکھتے رہے اور جناب اقبال تک کے شعراء ان فتوحات پر ناز کرتے رہے اور جناب حفیظ جالندھری نے پورا شاہنامہ اسلام لکھ ڈالا جس ایک اقلیت

اس سے خوش نہیں رہی بلکہ اس پر آنسو بہاتی رہی مگر عام دنیا اسے ایک ایسی جماعت سمجھتی رہی جو فیصلہ جمہور کے خلاف اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے رہی اور جمہور اہلِ اسلام سے کٹ کے علیحدہ ہوگئی بہرحال اس جمہوری نقطہ نظر سے اگر کوئی جانچے تو وہ اس دور کو انتہائی ارتقا کا دور کہہ سکتا ہے اور جو اس خیال کے نہیں وہ اسے حقیقی اسلام کے انتہائی تنزل کا دور سمجھتے ہیں۔

ہم نے چونکہ ایک آزاد مورخ کی حیثیت سے قلم اٹھایا ہے لہذا ہم اس دور کے جو زرین کارنامے ہیں ان کو بیان کرنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

حضرت ابو بکر کا دَورِ حکومت

حضرت ابو بکر کا عہد اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل منفرد ہے۔ ان کا زمانہ رسول اللہ کی دینی سیاست اور حکومت کی دنیوی سیاست کا سنگم تھا۔ یہ درست ہے کہ دین مکمل ہو چکا تھا اور کسی شخص کو اس میں تغیر و تبدل اور اس کی تنسیخ کا حق حاصل نہ تھا لیکن رسول اللہ کی وفات کے معاً بعد عرب میں ارتداد کی وبا پھیل گئی اور بہت سے قبائل اسلام سے روگرداں ہو گئے اس صورتِ حال کی موجودگی میں ابو بکر کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ اس عظیم الشان خطرے کو دور کرنے کے لئے ایک مضبوط پالیسی مرتب کریں۔

ابو بکر صدیق اکبر صفحہ ۹۹ مطبوعہ مکتبہ جدید میری لائبریری

یہ ہے وہ رائے جو محمد حسین ہیکل نے حضرت ابو بکر کے دَورِ حکومت کے متعلق ظاہر کی ہے۔ ہم آگے جو کچھ بھی لکھیں گے وہ اسی کی توضیح و تشریح ہوگی۔ یعنی ہم اس میں دو باتیں بیان کریں گے پہلے یہ کہ حضرت ابو بکر کو خلیفہ ہوتے ہی کن دشواریوں کا سامنا

کرنا پڑا۔ دوسرے یہ کہ ان دشواریوں پر قابو پانے کے لئے انھوں نے وہ کون سے کام کئے جن سے دین میں دنیوی سیاست داخل ہو گئی۔

حضرت ابوبکرؓ کے مشکلات

حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہوتے ہی پوری اسلامی دنیا میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سعد بن عبادہ اور ان کے حامیوں نے بیعت سے انکار کر دیا۔ بنی ہاشم خود حریف خلافت تھے۔ محمد حسنین ہیکل کہتے ہیں۔

سقیفہ میں بمقابلہ انصار مہاجرین نے اپنی خلافت کے لئے یہ دلیل پیش کی تھی کہ ہم کو رسولؐ اللہ سے روحانی تعلق رکھنے کے علاوہ جسمانی تعلق بھی ہے اور عرب سوا قریش کے کسی کی اطاعت قبول نہ کریں گے۔ یہ دلیل بذاتِ خود اس کا ثبوت ہے کہ بنو ہاشم دوسرے لوگوں کی نسبت رسولؐ خدا کی جانشینی کے زیادہ حقدار تھے۔ اس لئے لازم تھا کہ وہ اپنا حق مقدم سمجھتے اور ابوبکرؓ کی بیعت سے رکے رہتے اور یہی حضرت علیؑ نے کیا بھی۔

اصحاب صفہ یعنی سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، عمار یاسرؓ، مقداد اسود، بلال حبشیؓ، ابی ابن کعب وغیرہ نے خلافت کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔

بعض اور اکابر صحابہ عثمان بن حُنیف انصاری، سہیل بن حنیف، براء بن عازب، جابر بن عبداللہ انصاری، خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین، حذیفہ یمانی نے بیعت سے انحراف کیا۔ بعض اموی سرداروں نے جیسے خالد بن سعید اور ان کے بھائی نے خلیفہ ماننے سے انکار کیا۔ ان میں اصحاب صفہ مہاجر اور انصار سب ہی طرح کے لوگ تھے۔

ابوسفیان مدینے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپسی میں وفاتِ رسولؐ اور خلافت ابوبکر کی خبر ایک مسافر سے سُنی اور اس عزم و ارادہ سے مدینے میں داخل ہوئے کہ علیؑ کو خلیفہ بنا کے رہیں گے۔ عقد الفرید میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے۔

جب رسولؐ خدا نے انتقال فرمایا تو ابوسفیان مدینے سے باہر گئے ہوئے تھے واپسی میں راستے میں ایک شخص مدینے سے آتا ہوا ملا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کیا رسولؐ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ اس نے کہا ہاں پوچھا کون ان کی جگہ بیٹھا اس نے کہا ابوبکر۔ ابوسفیان نے کہا ان دونوں (عباسؓ و علیؑ) نے کیا کیا جنھیں کمزور سمجھ لیا گیا۔ اس نے کہا وہ دونوں بیٹھ رہے ابوسفیان نے کہا اگر میں زندہ رہا ان دونوں کو بلند کر کے رہوں گا۔ میں فتنہ و فساد کا وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خونریزی ہی دبا سکتی ہے۔ جب مدینے پہنچے تو گلی کوچوں میں گھوم گھوم کر اس واقعہ پر اپنے غصہ اور تعجب کا اظہار کرتے تھے۔ اور چند اشعار پڑھتے جن کا مطلب یہ تھا۔ اے بنی ہاشم لوگوں کو اپنے بارے میں طمع نہ دلاؤ خاص کر بنی تیم اور بنی عدی کو کیونکہ خلافت تمہارے خاندان کے سوا اور کسی میں نہیں رہنا چاہیئے۔ اور تمہاری طرف اس کی بازگشت ہونا چاہیئے۔ عمرؓ نے ابوبکر سے کہا لو یہ بھی آ گیا یہ بڑا فساد مچائے گا۔ رسولؐ خدا اس کی تالیف قلب فرماتے تھے اس کے ہاتھ میں جو صدقہ کے امور ہیں ان کو اسی طرح رہنے

عقد الفرید ج ۲ صفحہ ۱۹۶

دو ابو بکر نے ایسا ہی کیا۔

کچھ لوگوں نے یہ شعر کہے تھے۔

ما کنت احتسب ان الامر منصرف	میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ
عن هاشم ثم منهم ابی حسن	خلافت خاندان رسالت سے نکل جائے
و اقبل الناس ایمانا و سابقته	گی اور خاص طور پر علیؑ سے جو سب سے پہلے
و اعلم الناس بالقرآن و السنن	ایمان بھی لائے اور عبادت خدا کرتے رہے

اور قرآن کے سب سے زیادہ عالم ہیں۔

تاریخ ابو الفدا مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵۶

عبد البر اور علامہ ابن اثیر نے دوسرے شعر کو یوں لکھا ہے۔

الیس اول من صلی بقبلتہ	کیا علیؑ وہ نہیں ہیں جنھوں نے سب سے
و اعلم الناس بالقرآن و السنن	پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور
	قرآن و حدیث سب سے زیادہ جاننے
ج ۲ صفحہ ۳۸۶ صفحہ ۵۴	والے ہیں۔

بعض مورخین نے یہ شعر عتبہ بن ابی لہب کے بتائے ہیں۔

زبیر بن العوام نے تلوار کھینچ لی کہ جب تک علیؑ خلیفہ نہ ہو جائیں گے میں تلوار نیام میں نہ رکھوں گا۔

خالد بن سعید اور ان کے بھائیوں نے لبطور احتجاج محصل زکوٰۃ کے عہدے سے استعفے دے دیا۔

کان خالد بن سعید	خالد بن سعید اور ان کے سب بھائی
و اخوانہ عمالا لرسول	رسول خدا کی طرف سے مختلف
اللہ فرجعوا عن عمالتهم	ملکوں میں عامل تھے جب رسول اللہ

حین مات رسول اللہ فقال ابوبکر مالکم رجعتم عن عمالتکم ما احد احق بالعمل من عمالتہ رسول اللہ ارجعوا الیٰ اعمالکم فقال نحن بنی احیحہ لا نعمل لاحد بعد رسول اللہ ابداً استیعاب ج اص ۱۵۵

کا انتقال ہو گیا تو سب نے اپنا اپنا کام چھوڑ دیا ابوبکر نے پوچھا تم لوگ اپنے کام سے کیوں الگ ہو گئے جو عہد رسولؐ میں عمال تھے ان سے زیادہ کوئی حقدار نہیں کہ عامل بنایا جائے۔ تم لوگ اپنے کام پر جاؤ بس ان سب نے کہا ہم ابواحیحہ کی اولاد ہیں رسول کے بعد کسی کی طرف سے عامل بننا پسند نہیں کرتے۔

کبار صحابہ جنھوں نے بیعت نہیں کی انھوں نے دوسرے جمعہ کو سر منبر علیؑ کے استحقاق خلافت پر تقریریں کیں۔

ان لوگوں کا منشا یہ تھا کہ سقیفہ میں جو کچھ ہوا وہ ہم سب کی عدم موجودگی میں ہوا اس کارروائی کو نظر انداز کر کے خود حضرت ابوبکر علیؑ کے حق میں خلافت چھوڑ دیں مگر حضرت ابوبکر نے ایسا نہیں کیا اور بیعت لینے میں سختی برتی۔

علیؑ اور ان کے ساتھ کبار صحابہ جن کے نام اوپر آچکے ہیں ان کے لئے تین ہی صورتیں تھیں۔ صلح۔ جنگ۔ خاموشی۔

علیؑ آغوش رسولؐ کے پروردہ تھے اور ان کے ساتھی رسولؐ کے مقرب صحابہ اور فقیہہ دین خدا تھے وہ جس چیز کو غلط سمجھتے تھے اس میں کچھ لو اور کچھ دو۔ کی بنا پر کوئی معاملت نہیں کر سکتے تھے۔

رہی جنگ تو اس وقت تک مسلمانوں نے دو گروہوں میں بٹ کے آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہایا تھا اس صورتِ حال سے دوچار

ہونا انھیں کسی طرح گوارا نہ تھا۔ بات وقت کے تقاضے کے بھی خلاف تھی۔
خود مدینہ منافقین سے بھرا ہوا تھا جو اس طرح کا موقع پیدا ہونے
کے خواہشمند تھے اور ایسی صورت پیدا کرنا چاہتے تھے کہ یہ خانہ جنگی
اسلام کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو۔

مدینے سے باہر تمام مملکت اسلامیہ میں مخالفت کا طوفان برپا تھا۔
یہ مخالفت مدینے سے بالکل متصل شروع ہو کر عرب کے تمام حصوں میں پھیل
گئی تھی۔

مدینے کے نزدیکی قبائل عبس، ذبیان، کنانہ، غطفان اور فزارہ
نے خلافت تسلیم کرنے اور زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ عرب کے جنوبی حصے میں
بنو تمیم کے قبائل نے بھی یہی کیا۔

یمن، بحرین، عدن اور عمان کے قبائل میں کچھ مرتد ہو گئے، اور کچھ دوسرے
مدعیان نبوت پر ایمان لے آئے۔ محمد حسنین ہیکل نے اس نازک وقت کی یہ
تصویر کھینچی ہے۔

بغاوت کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح عرب کے ایک سرے
سے دوسرے سرے تک پھیل گیا جب یہ خبریں مدینے
پہونچیں تو لوگوں میں سخت گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوئی
ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نازک موقع پر بغاوت فرو
کرنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ بعض لوگوں کی
جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی شامل تھے۔ یہ رائے
تھی کہ اس موقع پر مانعین زکوٰۃ کو نہ چھیڑا جائے اور
جب تک وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے اقراری ہیں انھیں

ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر
مانعین زکوٰۃ کو بھی مرتدین کے زمرہ میں شامل کر لیا گیا
تو جنگ کی آگ وسیع پیمانے پر پھیل جائیگی جس کا انجام خدا
جانے کیا ہو لیکن ابو بکر نے تمام خطرات کو بالائے طاق رکھتے
ہوئے مرتدین کی طرح مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کا مصمم
ارادہ کر لیا اور کوئی طاقت کوئی دباؤ انھیں ایسا کرنے سے
باز نہ رکھ سکا۔ ابو بکر صدیق اکبر ص ۲۱

یہ تھے اُس وقت کے اسلامی مملکت کے حالات جو مرکز اسلام میں
جنگ کے شعلے بھڑکنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے ان حالات میں خاموشی ہی
سب سے بہتر تھی اور یہی علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے اختیار کی لیکن مخالفت پھر
بہر حال مخالفت تھی اور حضرت ابو بکر کو مدینے کے اندر اور باہر دونوں پر
قابو پانا تھا اور ان سب کے متعلق کچھ کرنا تھا۔

ایک غور طلب مسئلہ

غور طلب اور پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ ان مخالفین کے متعلق دین
کیا چاہتا ہے؟ اگر کوئی شخص ادعائے اسلام کے ساتھ اطاعت خدا و
رسولؐ کا منکر ہو تو وہ مسلمان نہیں۔
اب سوال یہ ہے کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں اطاعت
الوالامر کی بھی یہی حیثیت ہے؟
جماعت اسلامی کے سلسلے مباحث میں ایک کتاب "اسلامی ریاست"
امین احسن اصلاحی کے قلم سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:-

اسلام میں جس طرح اللہ کی اطاعت کے لئے رسولؐ کی اطاعت لازم ہے۔ اسی طرح رسولؐ کی اطاعت کے لئے اس کے خلفا اور نائبوں یعنی الوالامر کی اطاعت لازم ہے۔
اللہ رسولؐ اور الوالامر کے درمیان یہ تعلق ایسا لازمی ہے کہ اس کو کسی حالت میں بھی توڑا نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام کی زنجیر میں یہ تینوں کڑیاں بالکل متصل اور یکے بعد دیگرے واقع ہوئی ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی اگر آپ توڑ کر علیحدہ کرنا چاہیں تو بیک وقت تینوں ہی ٹوٹ جائیں گی۔ بلکہ اسلامی نظام کی پوری زنجیر ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔
رسولؐ کے ساتھ اس گہرے اور ناقابل شکست تعلق کی وجہ سے جو نظام سیاسی وجود میں آتا ہے اس کو خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج السنہ کہتے ہیں اور اس کو بہت سے ایسے حقوق و امتیازات حاصل ہو جاتے ہیں جو رسولؐ کے سوا اسلام میں کسی اور کو حاصل نہیں ہیں۔ ان میں بعض باتوں کا ہم یہاں ذکر کریں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایک حقیقی اسلامی حکومت دنیوی حکومت کے مقابل میں کتنے اہم امتیازات کی حامل ہے اور اس کی اطاعت میں اور دوسری دنیوی حکومتوں کی اطاعت میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔
اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ اس جماعت کے ساتھ اطاعت و وفاداری کی وابستگی جو اسلام کے ساتھ

وفاداری کے لیے شرط لازم قرار پاتی ہے اور اس کی موجودگی میں کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں رہ جاتا کہ وہ اس جماعت سے علیحدہ رہ کر اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی قائم رکھ سکے چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔

عن ابی ذر قال رسول اللہؐ من فارق الجماعہ شبراً خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔	ابوذر سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو نظام جماعت سے بالشت بھر بھی ہٹا اس نے اسلام کا حلقۂ اطاعت اپنی گردن سے نکال دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اولوالامر کی ایسی جماعت کی اطاعت صرف حکومت کے اندر شہری و اجتماعی حقوق حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ آخرت میں نجات حاصل کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اسلامی ریاست کے صاحب امر کی اطاعت سے انحراف کرلے اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کے تمام دینی اعمال اکارت ہو جائیں گے اور اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔"

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اطاعت اولوالامر کا منکر کافر اور جہنمی ہے ممکن ہے کہ اس سے کسی کو اختلاف ہو لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلم بھی ہے اور کافر بھی یا کوئی منکر مسلم ہے اور کوئی کافر اس وقت

بیعت سے انکار کرنے والے علیؑ ابن ابی طالبؑ ان کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلبؓ فاطمہ بنت رسولﷺ اور دوسرے بنی ہاشم ہیں۔
اصحاب میں سلمان فارسی ابوذر غفاری عمار یاسر مقداد اسودؓ بلال حبشی ابی بن کعب خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین براء بن عازب جابر بن عبداللہ انصاری سعد بن عبادہ خباب بن منذر اور ان کے ساتھی۔ مدینے سے باہر عبس۔ ذوبیان۔ غطفان۔ فزارہ اور بنی یربوع کے قبائل علیؑ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر سے زیادہ مستحق خلافت ہوں بنی ہاشم اور بہت سے صحابہ ان کی تائید کرتے اور بیعت سے گریز کرتے ہیں۔
انصار میں سعد بن عبادہ کہتے ہیں کہ خلافت انصار کا حق ہے۔
بنی یربوع کے سردار مالک بن نویرہ کہتے ہیں کہ اگر دین کا کوئی محافظ قائم ہوا تو ہم اس کی اطاعت کریں گے لیکن اگر کسی نے حکومت قائم کی تو مخالفت کریں گے۔
خطیل بن اوس کہتا ہے:۔

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا	ہم نے رسول اللہؐ کی اطاعت کی وہ ہمارے نبی تھے خدا کے بندوں ابوبکر کو ہمارے معاملات سے کیا مطلب
فیا لعباد اللہ ما لابی بکر	
ایورثنا بکر اذا مات بعدہ	کیا ابوبکر اپنے بعد ہمیں بکر (نوجوان اونٹ یعنی اولاد ابوبکر) کے حوالہ کر جائیگا۔ خدا کی قسم یہ کمر توڑ دینے والی بات ہے۔
وتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظہر	

بیعت سے انکار اور زکوٰۃ بھیجنے سے انکار میں کوئی فرق نہیں مانعین زکوٰۃ کو زکوٰۃ نکالنے سے انکار نہ تھا ابوبکر کے پاس بھیجنے سے انکار تھا۔

ہندوستان کے مشہور عالم مولانا سعید احمد صاحب اپنی کتاب ابوبکر صدیق اکبر میں لکھتے ہیں:۔

وہ کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے لیکن اس کو مدینے نہ بھیجیں گے کیونکہ خدا نے فرمایا ہے:۔

خذمن اموالهم صدقته تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم. التوبہ

آپ لوگوں سے صدقہ لیجئے جو ان کو پاک کرے کیونکہ آپ کی طلب رحمت ان کے لئے تسکین کا باعث ہوگی۔

حضورؐ کے بعد اب کوئی ایسا نہیں جس کی طلب رحمت سے تسکین قلب ہو۔ آنحضرتؐ کا زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہے:۔

توخذ من اغنیاھم وترد والی فقراھم

ہر جگہ کے مالداروں سے زکوٰۃ لو اور وہیں کے فقراء کو دیدو۔

لہٰذا ہم زکوٰۃ نکالیں گے اور اپنے قبیلے کے فقراء پر تقسیم کر دیں گے مدینے نہ بھیجیں گے ص ۱۲۷

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں، وہ کہتے تھے کہ:۔

ہمیں یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ انصار و مہاجر کی طرح ہم بھی اپنے میں سے کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیں جو ہمارے لئے جانشین رسولؐ کے طور پر ہو ابوبکر یا ان کے سوا کسی اور کی اطاعت سے متعلق نہ دین میں کوئی نص موجود ہے

کتاب اللہ سے اس کا پتہ چلتا ہے اس لئے ہمیں صرف اس شخص کی اطاعت واجب ہے جسے ہم خود اپنا امیر مقرر کر لیں۔

یہ لوگ اپنی تائید میں یہ امر بھی پیش کرتے تھے کہ رسول اللہؐ نے عرب کے متعدد شہروں کو اپنی زندگی میں بڑی حد تک خود مختاری عطا فرمادی تھی اب اگر آپؐ کی وفات کے بعد وہ مکمل خودمختاری چاہتے ہیں تو کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہونی چاہیئے ان کا کہنا تھا کہ آپؐ نے یمن کے عامل بدھان (بازمان) کو جو ایرانیوں کی طرف سے وہاں حاکم تھا مجوسیت ترک کرنے اور اسلام لانے کے بعد بدستور وہاں کا حاکم بنائے رکھا اسی طرح بحرین اور حضرموت وغیرہ کے تمام امراء کو بھی قبول اسلام کے بعد ان کے عہدوں پر برقرار رکھا اور اپنی ص ۱۴۴ طرف سے کوئی عامل ان علاقوں میں نہیں بھیجا۔ ابوبکر صدیق اکبر سعد ابن عبادہ رئیس خزرج تھے وہ صاحب نصاب تھے انھوں نے نہ بیعت کی نہ زکوٰۃ دی۔

علیؑ اور ان کے ساتھی صاحب نصاب نہ تھے ورنہ وہ بھی زکوٰۃ نہ دیتے لہذا زکوٰۃ نہ دینا کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ اصل خلافت تسلیم نہ کرنا ہے اور یہ سب میں مشترک ہے اگر مرتد ہیں تو سب اور مسلم ہیں تو سب اس صورت میں ایسا حکم تلاش کرنا ضروری ہے جو تمام منکرین پر یکساں طور سے نافذ کیا جا سکے یعنی سب کو چھوڑ دیا جائے یا سب کو قتل کر دیا جائے۔

وصولی زکوٰۃ میں عمل رسول

جن لوگوں نے آنحضرت سے مدینہ زکوٰۃ نہ بھیجنے کی اجازت چاہی۔
آپ نے انہیں اجازت دے دی۔

یمن اور بحرین کے قدیمی حکمران جب اسلام لائے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں کے لوگ زکوٰۃ نکالنے پر تو آمادہ ہو جائیں گے مگر مدینہ بھیجنے پر راضی نہ ہوں گے۔ آپ نے کہا وہیں تقسیم کر دی جائے۔

یہی اسلام کا منشاء ہے زکوٰۃ کے مستحق ذوالقربیٰ، یتیمی مساکین، اور مسافر ہیں اگر یمن کی زکوٰۃ مدینہ میں تقسیم ہو تو وہاں کے یہ طبقات محروم ہو جائیں گے۔

کچھ لوگ اپنے اطمینان قلب کیلئے زکوٰۃ آنحضرت کو بھیجتے تھے لیکن جہاں آپ محصل زکوٰۃ کو بھیجتے تھے وہ وہاں کی زکوٰۃ وہیں تقسیم کر دیتے تھے۔ محدث بیہقی نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے انہیں کہیں تحصیل زکوٰۃ کے لیے بھیجا جب وہ واپس آئے تو پوچھا مال کہاں ہے؟ انہوں نے کہا تم نے ہمیں مال لانے کے لیے بھیجا تھا؟ ہم نے جہاں سے وصول کیا وہیں تقسیم کر دیا جو رسول اللہ زمانہ میں ہوا کرتے تھے۔

بے شک جن لوگوں نے زکوٰۃ نکالی ہی نہیں انہیں حضرت نے پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا مگر جبر ان پر بھی نہیں کیا۔

مفسرین نے "ومنہم من عاہد اللہ" کی تفسیر میں لکھا

ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس نے زکوٰۃ
دینا بند کر دی تھی۔ لوگوں نے آنحضرت سے کہا کہ اس کے حق میں دعا فرمایئے
خدا اس کا رزق وسیع کر دے تو وہ سب حقوق ادا کرے گا۔ آپ نے دعا
فرمائی اس کا رزق وسیع ہو گیا مگر اس نے جمعہ میں بھی آنا چھوڑ دیا۔

صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ پ ۶ ص ۱۵۴ میں ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے
والوں نے شکایت کی کہ ابن جمیل۔ خالد بن ولید اور عباس بن عبد المطلب
زکوٰۃ نہیں دیتے آپ نے فرمایا ابن جمیل کیوں نہیں دیتے۔ خدا نے انہیں
فقر سے مالدار کر دیا۔ منہاج نبوت یہ ہے کہ جس نے زکوٰۃ نکالی اور اپنے ہی
لوگوں میں تقسیم کر دی اس نے واجب ادا کر دیا مدینہ زکوٰۃ بھیجنا ضروری نہیں
جس نے زکوٰۃ نکالی ہی نہیں وہ گنہگار ہوا۔ واجب النقل نہیں

رسول خدا کے زمانہ میں جن لوگوں نے مدینہ زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کیا
انہوں نے آنحضرت کو پیغمبر ماننے سے انکار نہیں کیا تھا اس طرح مقصد رسالت
پورا ہو رہا تھا مگر خلیفہ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے کے بعد خلیفہ کے لئے
کیا رہ جاتا؟ سیاست کی پیچیدگی سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں رہ گیا تھا۔

منکر بن بیعت میں علی بن ابی طالب اور تمام بنی ہاشم انصار میں سعد بن
عبادہ رئیس خزرج اور ان کے ساتھی اصحاب میں سلمان فارسی ابو ذر
غفاری مقداد اسود وغیرہ ہیں یہ حالت مدینہ کی ہے اور باہر پورا ملک خلافت
ابوبکر سے انکار کر رہا ہے اگر سب کے ساتھ یکساں طرز عمل اختیار کیا جاتا
ہے اور سب کو چھوڑ دینا چاہیے تو خلافت ختم ہوئی جاتی ہے۔

ختم کر دیا جاتا ہے تو خلافت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد فوراً ان کے داماد۔ چچا اور اہلِ خاندان کو تلوار کے گھاٹ اتار دینا آسان نہ تھا۔

اکابر صحابہ میں سلمان فارسی ابوذر غفاری۔ عمار یاسر مقداد اسود ابی بن کعب براء بن عاذب۔ خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین جابر بن عبداللہ عثمان بن حنیف حذیفہ یمانی وغیرہ قتل کر دیئے جاتے تو مسند خلافت کا بچا رہنا ممکن نہ تھا اگرچہ یہ سب ایک حکم میں ہیں خلیفہ کے لئے

حضرت ابوبکر کی بے پناہ سیاست

حضرت ابوبکر کی نگاہ دور رس نے صورت حال کے نشیب و فراز کو دیکھا اس کا جائزہ لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ایک حکومت قائم کی جائے اور ملوکانہ سیاست پر عمل کیا جائے۔

سعد بن عبادہ کے بارے میں بشیر بن سعد کے مشورہ پر عمل کیا ان کو چھوڑ دیا ان کے ساتھ علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو بھی چھوڑ دیا۔

ابوسفیان کے لئے حضرت عمر کا مشورہ قبول کیا اور صدقے کے امور اس کے سپرد کر کے اس کو نرم کر لیا دوسرے قبائل کے متعلق انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو شخص بیعت کرنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کریگا اسے قتل کر دیا جائیگا۔ صحابہ نے اس کی مخالفت کی مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں۔

عمر بن خطاب اور بیشتر مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والوں سے ہرگز

نہ لڑنا چاہئے بلکہ ان کو ساتھ ملا کے مرتدین کے خلاف مصروف پیکار ہونا چاہیئے۔ ابو بکر صدیق اکبر ص ۱۸۵

مگر حضرت ابو بکر اپنی رائے پر جمے رہے۔

ان تمام مشوروں اور حضرت ابو بکر کے اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کے نزدیک تمام منکرین بیعت سے یکساں طرز عمل خلاف مصلحت تھا بلکہ جو دب سکتا ہو اسے دبایا جائے جس کے دبانے میں مفسدہ ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔ کسی کو کچھ دے کے اپنی طرف کر لیا جائے۔ سیاست کی ہمیشہ سے یہی رائے ہے لیکن حضرت ابو بکر کی اس سیاست تک کسی کا دماغ نہ پہونچ سکا کہ انھوں نے اس مشورہ کو صرف مدینے تک محدود رکھا۔ اس طرح مرکز کو خلفشار سے بچا کے اس پر قابو حاصل کر لیا۔ باہر ہر اس شخص سے جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا جو بیعت کرنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے۔ انھوں نے یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ کچھ لوگ ادعائے نبوت کر کے ان کی حکومت کے مقابلے میں اپنی حکومت قائم کر کے ملک کے ایک حصہ پر قابض رہیں۔ انھوں نے تھوڑی سی جمعیت لے کے اپنے مشیروں کی رائے کے خلاف ایک حکومت قائم کی ان کے بے مثال تدبر و سیاست نے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا قبائل عبس و ذوبیان کی قلت تعداد کا فائدہ اٹھا کے ان پر چند آدمیوں سے شب خون مارا اس کے بعد ذی القصہ میں پڑاؤ ڈالا اور گیارہ لشکر ترتیب دیکر گیارہ طرف روانہ کئے اور امیر لشکر کو حسب ذیل ہدایت کی۔

جس بستی میں پہنچو وہاں اذان دو اگر لوگ اذان سے جواب دیں تو انھیں مسلمان سمجھو اور زکوٰۃ کا مطالبہ کرو اگر وہ زکوٰۃ دے دیں تو ان کو چھوڑ دو ورنہ سب کو لوٹ لو

قتل کردو زندہ آگ میں جلادو۔

ایک تحریری اعلان بھی دیا کہ جس بستی میں پہنچو پہلے یہ خط پڑھ کے سناؤ۔

"یہ خط ہے ابوبکر خلیفہ رسول ؐ کی طرف سے ہر خاص وعام کے نام خواہ وہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے پھر گیا ہو۔ میں، فلاں کو تمہاری طرف ایک فوج کے ساتھ بھیج رہا ہوں اس فوج کو میں نے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں میں سے جو شخص میرا حکم نہ مانے اس سے ضرور جنگ کرے اور قابو پالینے کے بعد ذرہ برابر بھی رحم نہ کرے۔ آگ میں جلادے قتل کردے عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنالے۔"

ان ہدایات کے ساتھ رسول ؐ اللہ کی وفات کے ستّرہ روز کے اندر چاروں طرف یلغاریں شروع ہوئیں۔

خالد بن ولید ایک جرار لشکر لے کے طلیحہ بن خویلد اسدی مدعی نبوت پر حملہ آور ہوئے۔

عکرمہ بن ابی جہل نے مسیلمہ کذاب پر حملہ کیا۔

مہاجر بن امیہ نے اسود عنسی مدعی نبوت کی امت پر دھاوا بولا۔ عنسی دو ہفتے پہلے اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا مگر اس کی امت نے عرب کے ایک بڑے علاقہ میں اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔

شرحبیل بن حسنہ کو ایک کمکی دستہ دے کے عکرمہ اور عمرو عاص کو یکے بعد دیگرے مدد کرنے کا حکم دیا۔

سوید بن مقرن اوسی کو تہامہ پر حملہ کا حکم دیا۔

حذیفہ بن محصن غلفانی نے عمان جاکر مدعی نبوت ذوالتاج لقیط

بن مالک ازدی پر چھاپا مارا۔

عرفجہ بن ہرثمہ نے مہرہ پر حملہ کیا۔

طریفہ بن حاجز نے قبائل بنو سلیم کو گھیر لیا۔

خالد بن سعید نے مصارف ہشام پر چڑھائی کی۔

ان مہموں سے فارغ ہو کے دیاجر بن امیہ کندہ پر اور خالد بن ولید مالک بن نویرہ پر حملہ آور ہوئے۔

عراق پر یلغار عراق پہ حملہ کرنے کا یہ نہایت موزوں وقت تھا۔ معین الدین ندوی لکھتے ہیں :۔

اس زمانے میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت وطوائف الملوکی کے باعث اپنی اگلی عظمت و شان کھو چکی تھی نیز وگرد شاہنشاہ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی۔ عراق کے وہ قبائل جو ایرانی حکومت کے تختہ مشق رہ چکے تھے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے چنانچہ موقع پاکر نہایت زور شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلہ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی و سوید عجلی نے تھوڑی جمعیت بہم پہنچا کر حیرہ اور ابلہ کے نواح میں غارت گری شروع کر دی۔ مثنیٰ اسلام لا چکے تھے انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی۔ خلفائے راشدین ص ۹ وہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مجھے عراق کا امیر بنا دیں۔

تو میں اپنی قوم کو آمادہ کر کے عراق کو آپ کی حکومت میں شامل کردوں انھوں نے خالد سے مشورہ کیا خالد نے مثنیٰ کی تائید کی ابوبکر نے ان کو ایک جرار لشکر دے کے مثنیٰ کے ساتھ کر دیا ابلہ کے مقام پر ہرمز حاکم عراق سے مقابلہ ہوا جس میں وہ مارا گیا یہ خوشخبری مال غنیمت میں خمس کے ساتھ دربار خلافت میں بھیجی گئی اس میں ہرمز کا تاج بھی تھا جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی حضرت ابوبکر نے وہ تاج جس میں تمام مجاہدین کا حصہ تھا ازراہ قدر دانی تنہا خالد کو عنایت کیا۔ اس کے بعد مثنیٰ۔ ولجہ۔ ابلہ میں ایرانیوں سے معرکے ہوئے پھر حیرہ، دومۃ الجندل بابل۔ حصید، خناخس، مضیخ اور فراز میں مسلمانوں کی تلواریں چمکیں اس کے بعد شام کا رخ کیا اور جنگ یرموک واقع ہوئی۔

حضرت ابوبکر اور خالد بن ولید

ان معرکوں میں خالد بن ولید نے بے مثل شجاعت دکھائی اور مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔

اس وقت مسلمانوں کو اپنی دھاک بٹھانے کے لئے میدان کی ضرورت تھی وہ مدعیان نبوّت جو رسولؐ کے زمانہ سے اپنی اُمت بڑھا رہے تھے کام آگئے اور لگے ہاتھ ان کا صفایا ہو گیا۔

خود مسلمانوں کے اندر جو مخالف قوتیں تھیں ان میں کچھ فتوحات میں پھنس کے کچھ فتوحات کو دیکھ کے ختم ہو گئیں اور حضرت ابوبکر کی حکومت مسلم ہو گئی۔

اس سلطنت کے قیام میں خالد بن ولید کے کارناموں کو بڑا دخل تھا۔ حضرت ابوبکر کی مردم شناسی نے ان کے انداز طبیعت کو پہچانا صلاحیتوں کو سمجھا کام کرنے کا موقع دیا ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کی، انعامات کی بارش کی اور زبانی تعریفوں سے دل بڑھایا وہ حضرت ابوبکر کے حکم کی

خلاف ورزی بھی کرتے تھے مگر وہ اپنی دانشمندی سے اس کی تائید کر کے عدول
حکمی کی صورت پیدا ہونے دیتے۔

مسیلمہ کذّاب کی قوم بنی حنیفہ کے لئے حضرت ابوبکر نے حکم دیا کہ ان
کا ہر بالغ قتل کر دیا جائے، مگر خالد نے ان سے صلح کر لی۔

ایران کے مقبوضہ عراق پر حملہ کرنے کے لئے، مثنیٰ بن حارث کے ساتھ
خالد کو ضرور بھیجا تھا لیکن وہاں کامیابی کے بعد اور مقبوضات ایران پر
قبضہ کرنے کا منصوبہ خالد نے بنایا اس میں مصالحتیں اور جنگیں سب اپنی مرضی
سے کیں حضرت ابوبکر کی طرف سے کسی حکم کی اطلاع تاریخ میں نہیں۔

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں :۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ خالد اپنی فوجوں کے ساتھ جب عراق کے ڈیلٹائی علاقہ میں
پہنچے تو ان کے سامنے کوئی معین مقصد اور پہلے سے تیار شدہ منصوبہ نہ تھا وہ حضرت مثنیٰ کی مدد
اور انھیں ایرانیوں کے لشکر سے نجات دلانے آئے تھے۔ لیکن
جب ابتدائی جنگوں میں انہیں کامیابی ہوئی تو انھوں نے بطور
خود پیش قدمی کا منصوبہ بنا کر حضرت ابوبکر کی اجازت حاصل کئے
بغیر حیرہ اور شمالی عراق کی جانب بڑھنا شروع کیا اور
حضرت ابوبکر کی خدمت میں صرف خمس بھیجنے پر اکتفا کی۔ ابوبکر صدیق اکبر ص ۳۹۵

خالد کی انھیں کارگذاریوں نے حضرت ابوبکر کی نظر میں ان کی قدر
بڑھا دی اور وہ اپنی حکومت کے لئے ان کو ایک ضروری اور اہم رکن سمجھنے
لگے وہ ان کے خلاف ایک حرف بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے خواہ وہ کچھ بھی کریں
اور عمر ہی ان کے خلاف کیوں نہ کہیں۔ مالک بن نویرہ کے واقعہ میں یہی ہوا۔

حضرت مالک بن نویرہ کی شہادت

عرب کے جنوبی حصہ میں بنی تمیم کے قبائل کو جاہلیت اور اسلام دونوں میں خاص امتیاز حاصل رہا ہے ان میں بنی یربوع کو تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

مالک بن نویرہ بنی یربوع کے سردار اور قبائل پر اتنا اثر رکھتے تھے کہ بعض مورخوں نے ان کو بادشاہ لکھدیا ہے۔

وہ نہایت حسین اور وجیہہ تھے ان کے خوبصورت چہرے پر لمبی لمبی زلفوں نے حسن کو دوبالا کر دیا تھا۔ اعلیٰ درجہ کے شہسوار بلند پایہ شاعر اور ایسے مہمان نواز تھے کہ رات بھر باورچی خانہ روشن رہتا تھا۔

شجاعت کے ساتھ بلند کردار ایسے کہ ہمیشہ جنگ کو صلح سے بدل دیتے تھے اکثر ایسا ہوا کہ دوسرے قبیلے نے ان کے قبیلے پر چھاپا مارا اور وہ عرب کے دستور کے خلاف بجائے انتقام لینے کے تنہا اس قبیلے میں پہونچ گئے اور اپنے کردار و گفتار سے متاثر کر کے بغیر فدیہ دیئے اپنے قیدی واپس لے آئے۔

مورخین کا خیال ہے کہ ان کا حسن و جمال اور فصاحت دلوں کو مسخر کر لیتی تھی وہ رسولؐ کے صحابی اور عامل بھی تھے۔

ان کی بیوی لیلیٰ ام تمیم بھی حسن میں شہرت رکھتی تھی وفات رسولؐ اور خلافت ابوبکر کی خبر سن کے انھوں نے اپنے قبائل کو ابوبکر کی خلافت تسلیم کرنے اور مدینے زکوٰۃ بھیجنے کی ممانعت کر دی ان کے چند شعر بھی اس کے متعلق تاریخوں میں موجود ہیں۔

فان قام بالامر المخوف قائم — اگر کسی نے خوفناک حکومت قائم کی تو
منعنا وقلنا الدین دین محمد — ہم اس کی مخالفت کریں گے اور کہدیں

فان قام بالدین المحق قائم
اطعنا وقلنا الدین دین محمد

گے کہ دین تو وہی دین ہے جو محمدؐ مصطفےٰ لائے تھے۔ اگر یہ دین جس کا سردار اٹھ گیا ہے اس کا کوئی محافظ قائم ہوا تو ہم اس کی اطاعت کریں گے اور کہیں گے کہ دین تو وہی ہے جو محمد مصطفےٰ لائے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ حکومت قائم کرنے کو دین محمدؐ کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے زکوٰۃ روک دی بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی خلافت چاہتے تھے اور کوئی محافظ قائم ہوا تو ہم اس کی اطاعت کریں گے اس میں محافظ سے مراد علیؑ ہیں۔

جب انھیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا ارادہ کرلیا ہے تو ایک وفد بھیجا اس نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں ہم خدا و رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں ارکان دین کے پابند ہیں زکوٰۃ بھی نکالیں گے مگر اپنے قبیلے کے ناداروں پر تقسیم کردیں گے ہم سے کس دلیل سے جنگ کی جائے گی مگر انھوں نے کہا کہ میں ضرور جنگ کروں گا اور وفد کو واپس کردیا حضرت عمر نے اس موقع پر بھی ابوبکر کی رائے کی مخالفت کی تھی۔

خالد نے قبائل اسد و غطفان کی غارت گری کے بعد بنی تمیم کی طرف کوچ کا حکم دیا انصار نے مخالفت کی اور کہا کہ خلیفہ نے یہ حکم نہیں دیا ہے بلکہ ہدایت کی ہے کہ اس مہم سے فراغت کے بعد دوسرا حکم آنے تک ہم یہیں مقیم رہیں۔ خالد نے کہا میں تمہارا امیر ہوں اور جس وقت جو مناسب سمجھوں گا کروں گا۔ چاہے خلیفہ کی طرف سے کوئی ہدایت میرے پاس نہ بھی ہو لیکن اگر تم جانا نہیں چاہتے تو مجھے اصرار نہیں مہاجر و تابعین کو لے کے لیجاؤں گا۔ یہ جلدی لیلیٰ اُم تمیم کی وجہ سے تھی چنانچہ وہ مہاجر و تابعین کو لے کے روانہ ہو گئے اور انصار نے مشورہ کیا کہ اگر خالد کو شکست ہوئی تو ہم پر ساتھ چھوڑ

دینے کا الزام آئے گا اور فتح ہوئی تو مال غنیمت سے محروم رہیں گے لہذا ہمیں بھی چلنا چاہیئے اور اپنے آنے کی خبر بھیجدی وہ انتظار میں ٹہر گئے اور سب کو لے کے بطاح پہنچے۔

مالک اپنے قبیلہ کو منتشر ہونے کا حکم دیکے روپوش ہو گئے خالد نے اپنے لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے چاروں طرف پھیلا دیا مالک کی تلاش میں جو دستہ گیا تھا اس میں ابو قتادہ اور عبداللہ بن عمر بھی تھے یہ مالک کو مع ان کی بیوی لیلیٰ کے گرفتار کر لائے اور گواہی دی کہ ان لوگوں نے اذان دی اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی اور سفارش کی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے یا ابوبکر کے پاس بھیجدیا جائے مگر خالد نے ان کی بات نہیں سُنی اور مالک کو قتل کر دیا رات ہو چکی تھی اُسی وقت ان کی بیوی سے زنا بالجبر کیا اور مالک کا سر بہت سے سروں کے ساتھ جمع کر کے اس میں آگ لگوائی اور کھانا پکوایا۔

مورخین کا بیان ہے کہ لیلیٰ اُم تمیم اپنے حسن و جمال میں مشہور تھی اور خالد جاہلیت ہی سے اس پر فریفتہ تھے۔

بعض کا قول ہے کہ جب مالک گرفتار ہو کے آئے اور خالد سے ان سے باتیں ہونے لگیں مالک نے کہا میں تمہارے آقا ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دوں گا خالد نے کہا وہ ہمارے آقا ہیں تمہارے نہیں ہیں میں اس بات پر تمھیں قتل کر دوں گا۔ ان کی بیوی نے خالد کو یہ کہتے ہوئے سُنا تو وہ بیتاب ہو کے نکل آئی اور خالد سے رحم کی طلبگار ہوئی۔ اس وقت اس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھیں۔ خالد اسے دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئے اور قتل کا حکم دے دیا۔ مالک نے کہا میرے قتل کا باعث میری بیوی ہوی۔ خالد نے کہا تیرے اعمال

اور گردن اڑا دی گئی اور پھر وہی کچھ ہوا جس کے لکھنے سے قلم تھرا آتا ہے۔
ابو قتادہ اس واقعہ سے اتنا خفا ہوئے کہ قسم کھالی کہ اب کبھی خالد کے جھنڈے کے نیچے نہیں لڑوں گا اور انھیں چھوڑ کے سیدھے مدینے روانہ ہوگئے وہاں کی حالت محمد حسین ہیکل یہ بیان کرتے ہیں۔

ابو قتادہ مدینے گئے ان کے ساتھ مالک کا بھائی متمم بن نویرہ بھی تھا۔ ابو قتادہ سیدھے ابوبکر کے پاس گئے اور مالک کے قتل اور لیلیٰ سے نکاح کا واقعہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ انھوں نے قسم کھالی ہے کہ آئندہ کبھی خالد کے ساتھ ہو کر نہ لڑیں گے لیکن ابوبکر خالد کے کارناموں اور فتوحات سے بہت متاثر تھے انھوں نے ابو قتادہ کی بات پر کوئی توجہ نہ کی بلکہ ان سے کہا کہ تمھیں ایسے شخص کے متعلق ایسی بات نہ کہنی چاہیئے جسے رسولؐ نے سیف اللہ کا خطاب عطا کیا ہو اس پر ابو قتادہ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا وہ عمر بن خطاب کے پاس گئے اور ان سے سارا قصہ بیان کیا انھوں نے خالد کو ایسے شخص کی شکل میں پیش کیا جس کی نفسیاتی خواہشات اس کے نفس پر غالب آجاتی ہیں اور وہ تسکین نفس کی خاطر اللہ کے احکام کو نظر انداز کر دیتا ہے عمر ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے چنانچہ ابو قتادہ کو لے کے ابوبکر کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ خالد کو معزول کر دیں انھوں نے کہا خالد کی تلوار اب ظلم پر اتر آئی ہے اس لئے اب انھیں صرف معزول کرنے پر اکتفا کریں بلکہ قید بھی کر دیں لیکن ابوبکر کو اپنے

عمال سے ایسا سخت برتاؤ پسند نہ تھا جب عمر نے ان کی معزولی پر اصرار کیا تو انھوں نے فرمایا:۔

عمر! بس کرو۔ خالد نے تاویل کی یہ اور بات ہے کہ تاویل کرنے میں ان سے غلطی ہوئی۔ لیکن عمر اس سے مطمئن نہ ہوئے اور برابر اپنے مطالبہ پر قائم رہے۔ ابوبکر بہت تنگ ہوئے تو انھوں نے فرمایا عمر! ایسا نہیں ہو سکتا میں اس کی تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا۔

مدینہ میں خالد کی طلبی پھر بھی خالد کے اس فعل کو ناراضی ہی کی نظر سے دیکھتے رہے اور ان کا دل ان سے صاف نہ ہو سکا خالد سے جواب طلبی کرنے کے متعلق ان کا اصرار برابر جاری رہا آخر ابوبکر بھی مجبور ہو گئے اور انھوں نے خالد کو جوابدہی کے لئے مدینہ طلب فرمایا خالد میدانِ جنگ سے مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی میں آئے وہ ایک زنگاری قبا پہنے ہوئے تھے اور اپنے عمامہ میں تیر لگا رکھے تھے جب عمر نے انھیں مسجد نبوی میں داخل ہوتے دیکھا تو ان کے عمامہ سے تیر جھپٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور کہا تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اس کی بیوی سے نکاح کیا میں تمھیں سنگسار کروں گا۔

خالد بالکل خاموش رہے اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا کیونکہ انھیں خیال تھا کہ ان کے متعلق ابوبکر کی بھی یہی رائے ہوگی ..... آخر وہ ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

اور مالک کا سارا واقعہ انھیں سنایا ...... اس کے قتل کے متعلق معذرت پیش کی جو ابوبکر نے قبول فرمائی اور جو فروگذاشتیں ان سے ہوئی تھیں ان سے درگذر فرمائی لیکن مالک کی بیوی سے شادی پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔

مالک بن نویرہ کے معاملے میں ابوبکر و عمر کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے در حقیقت دونوں اپنے اپنے خیال میں سچے تھے اور دونوں کی نظر میں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی رہی تھی اس موقع پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اختلاف انفرادی نوعیت کا سمجھا جائے جس کا محور صرف خالد کی ذات اور ان کا فعل تھا یا ہمہ گیر سیاسی نوعیت کا

خالد کے بارے میں عمر کا موقف

میرے نزدیک اس اختلاف کی نوعیت سیاسی تھی

ابوبکر و عمر دونوں کے نزدیک سیاسی راہ تھی جسے وہ ٹھیک سمجھتے تھے اور جس پر انھیں عمل کرنا چاہیئے تھا۔ عمر جو عدل و انصاف کی مجسم تصویر تھے یہ چاہتے تھے کہ خالد نے چونکہ ایک مسلمان پر زیادتی کی ہے اور اس کی بیوی کے ایام عدت گذرنے سے پہلے اس سے نکاح کر لیا ہے اس لئے انھیں لشکر کی قیادت پر قائم رکھنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی نیک شہرت کو دھبا لگے گا اور عرب میں انھیں جو منزلت حاصل ہے وہ باقی نہ رہے گی ان کے خیال میں صرف خالد کی معزولی ہی کافی نہ تھی بلکہ لیلیٰ سے نکاح کرنے کے جرم میں قرار واقعی

سزا بھی ملنی چاہیئے تھی۔

عمر یہ کہتے تھے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مالک کے معاملے میں خالد سے اجتہادی غلطی صادر ہوئی گو اس کا امکان نہیں تو بھی اس کی بیوی سے نکاح کا معاملہ ایسا ہے جس کے باعث خالد پر حد جاری کرنا ضروری ہے ان کی صفائی میں یہ عذر پیش نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہؐ نے انھیں سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا تھا اور وہ ایسے سپہ سالار ہیں کہ فتح و نصرت ہر دم ان کے قدم چومتی ہے اگر خالد جیسی حیثیت رکھنے والے اشخاص سے اسی قسم کی چشم پوشی کی گئی تو امر دین میں خلل اندازی کا دروازہ کھولنے کا مرادف ہوگا۔ مسلمان کتاب اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالنے میں دلیر ہو جائیں گے اور احکام الٰہی کا احترام ان کے دلوں میں باقی نہ رہے گا۔ انھیں خیالات کے باعث عمر برابر ابوبکر پر زور دیتے رہے کہ خالد کو ضرور سزا دینی چاہیئے جس پر آخر ابوبکرؓ نے انھیں میدان جنگ سے بلایا اور ان کے فعل پر انھیں سرزنش کی۔

خالد کے بارے میں ابوبکرؓ کا موقف عمر کے بالمقابل ابوبکرؓ کا خیال تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ مسلمانوں پر چاروں طرف سے خطرات کے مہیب بادل منڈلا رہے ہیں اور سارے عرب میں فتنہ و فساد اور بغاوت کی آگ زور و شور سے بھڑک رہی ہے کوئی سپہ سالار کسی فردِ واحد یا جماعت کو غلطی سے قتل کر دیتا ہے تو اس کا زیادہ خیال نہ

کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے نازک وقت میں کمانڈر سپہ سالار کو سخت سزا دینا اور اس کے الزام کی تشہیر کرنا مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگا ـــــــــ خالد کو میدان جنگ سے بلا کر سرزنش کرنا اور لیلی کو طلاق دینے کا حکم ہی ان کے لئے کافی سزا سمجھی گئی۔ خالد نے یمامہ میں بھی اسی طرح ایک عورت سے شادی کی تھی ـــــــ ابو بکر نے اس پر بھی سختی سے خالد کو سرزنش کی۔ صفحہ ۲۷۰ تا ۲۷۷

مصر کے ایک دوسرے جلیل القدر عالم علامہ علی عبد الرزاق جو جامعہ ازہر کے استاد اور شرعی عدالتوں کے جج بھی رہ چکے ہیں اپنی کتاب الاسلام والاصول الحکم میں اس واقعہ کی نوعیت کو واضح طور پر لادینی اور خالص سیاسی قرار دیتے ہیں۔

جب کبھی بھی ہم تاریخ کی ان روایات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے بارے میں دیکھتے ہیں جنھوں نے سلطنت ابو بکر سے بغاوت کی جنھیں مرتدین کا لقب دیا گیا اور جن کے خلاف جنگوں کو حروب ردہ کہا گیا تو ہم تاریخ کی گمراہی تاریکی اور ظلم سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت کے نور کی ایک چنگاری تاریخ کی اس ظلمت میں ہمیشہ پیدا ہوتی رہی ہے اور عنقریب علماء اس کی طرف ایک نہ ایک دن ضرور متوجہ ہوکر رہیں گے اور ممکن ہے کہ وہ اس آگ کی روشنی سے ہدایت حاصل کریں

خالد بن ولید اور مالک بن نویرہ کی باہمی گفتگو پر

آپ غور کریں۔ مالک ان لوگوں میں سے ہے جنھیں مرتدین کا لقب دیا گیا تھا اور جس کے قتل کا خالد نے حکم دیا تھا اس کے سر کو ہنڈیا رکھنے کے لئے چولھے کا پتھر بنایا گیا۔ مالک مسلسل واضح اور صریح طور پر اس کا اعلان کرتا رہا کہ وہ اسلام پر قائم ہے لیکن وہ خالد کے آقا یعنی ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دے گا اس لحاظ سے یہ بالکل غیر دینی تنازعہ تھا یہ تنازعہ اس مالک کے بارے میں تھا جو مسلمان اور اپنے دین پر قائم تو تھا لیکن بنو تمیم میں سے تھا اور ابوبکر القرشی کی خلافت کا منکر تھا جو ایک سلطنت کے بانی تھے جس کے سردار قریش میں سے تھے۔ یہ نزاع قواعد دین یا اصول ایمان کے بارے میں نہ تھی بلکہ ملوکیت وحکومت کے بارے میں تھی۔

خود مالک ہی نے اپنے اسلام کی شہادت نہیں دی بلکہ حضرت عمر بن خطاب نے بھی اس کی گواہی دی۔ جب انھوں نے حضرت ابوبکر سے کہا تھا خالد نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اس لئے اسے قتل کر دیجیے۔ بلکہ خود حضرت ابوبکر بھی اس کے اسلام پر گواہ تھے جب انھوں نے حضرت عمر کو جواب دیا میں اسے قتل نہیں کر سکتا اس نے غلط مفہوم لیا اس سے غلطی ہو گئی۔ دیکھیے تاریخ ابوالفداء جزء اول ص ۱۵۷ ، ۱۵۸

ایک اور مثال لیجیے ان میں سے ایک شاعر کہتا ہے (حطیل بن اوس

اطعنا رسول اللہ کان بیننا
فیا لعباد اللہ ما لابی بکر
ایورثنا بکرا اذا مات بعدہ
وتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظہر
تاریخ طبری ج ٣ ص ٢٢٣

ہم نے رسول کی اطاعت کی وہ ہمارے نبی تھے خدا کے بندو! ابوبکر کو ہمارے معاملات سے کیا مطلب کیا ابوبکر اپنے بعد ہمیں بکر (نوجوان اونٹ یعنی اولاد ابوبکر) کے حوالہ کر جائیگا خدا کی قسم یہ کمر توڑ دینے والی زیادتی ہے۔

ان اشعار میں صرف ایک ایسا انسان نظر آتا ہے جو ابوبکر پر ناراض ہے ان کی اطاعت کو تسلیم نہیں کرتا اور بیعت کا تارک ہے لیکن اس وقت ساتھ ہی اس کا دل آنحضرت پر ایمان لا رہا ہے اور وہ اسلام میں کسی بات کو چھوڑ نہیں رہا ہے۔

پھر اس کے بعد کیا ہم نے تاریخ میں نہیں دیکھا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مرتدین کے قتل سے منع کیا تھا؟ اور کہا تھا آپ کیوں ان لوگوں سے جنگ کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت نے فرمایا ہے مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے صرف اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں جس نے کہہ دیا اس کا مال اور جان محفوظ ہے۔ بخاری ج ٢ ص ١٠٥

یہ قلیل ترین روایات ہیں جو پوری صداقت سے ہم تک پہنچی ہیں جنکے آثار تاریخ مٹانے پر تلی

ہوئی آگور جن کے حالات مٹ جانے والے تھے اور
تلاش کیجئے بہت کچھ مل جائے گا۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وہ جنگ
جسے ابوبکر کی خلافت کے اولین دور میں حرب
مرتدین کہا جاتا ہے ہرگز دینی جنگ نہ تھی بلکہ
محض سیاسی جنگ تھی۔ عوام یہ سمجھتے تھے کہ
وہ دین کے لئے تھی وہ سب کی سب دین کے
لئے نہ تھی۔" اسلام اور اصول حکومت صفحہ ۱۹۰

حضرت ابوبکر کی نظر میں جرائم کی اہمیت ہمیشہ سے نہ تھی معین الدین ندوی مسند احمد بن حنبل کے حوالہ سے لکھتے ہیں :۔

حضرت ابوبکر صدیق ذاتی طور سے مجرموں کے
ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے چنانچہ عہد
نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے ان کے سامنے
بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے ... کسی اور سے بھی
کہا ہے اس نے کہا نہیں فرمایا اس راز کو پوشیدہ
رکھو ...... اگر اس نے ان کے مشورہ پر عمل
کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا لیکن اس نے خود دربار رسالت
میں آکر اقرار جرم کیا اور سنگسار ہوا۔ خلفائے راشدین

خالد کے ساتھ بھی انھوں نے درگذر سے کام لیا جو ان کے دست راست تھے اور جنھیں وہ اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے یمامہ پر فوج کشی کا حکم دیا لیکن اس درگذر کا نتیجہ یہ ہوا کہ یمامہ پہنچکر خالد نے پھر ایسی ہی حرکت کی۔

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں :-

مجاعہ کی بیٹی سے شادی تو اس حال میں ہوئی کہ بارہ سو ۱۲۰۰ مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں میدان جنگ میں پڑی تھیں اور تمام قبائل عرب میں ایک ماتم برپا تھا وہ (ابوبکر) بے حد حلیم ہونے کے باوجود اپنے غصہ پر قابو نہ پا سکے اور خالد کو ایک سخت خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے طبری کے قول کے مطابق خون ٹپکتا ہے۔ انھوں نے تحریر فرمایا۔ اے خالد تمھیں کیا ہوا ہے تم عورتوں سے شادی کرتے ہو حالانکہ تمہارے خیمے کے سامنے بارہ سو ۱۲۰۰ مسلمانوں کا خون زمین پر پھیلا ہوا ہے جس کے خشک ہونے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ خالد کو ابوبکر کے خط سے بہت رنج ہوا ـــــ لیکن یہ یہ معاملہ ابوبکر کے خط اور اس پر خالد کے اظہار افسوس سے آگے نہیں بڑھا ـــــ

خالد مجاعہ کی بیٹی اور ام تمیم کو لے کے یمامہ کی ایک وادی دبر میں مقیم ہو گئے تا آنکہ انھیں ابوبکر کی جانب سے عراق جا کر ایرانیوں سے لڑنے کا حکم ہوا۔ ابوبکر صدیق اکبر ص ۳۰۷

خالد نے تاڑ لیا تھا کہ حضرت ابوبکر اپنے کو ان کا محتاج سمجھتے ہیں اس لئے وہ ان کی ناراضی کی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ الٹے خود اپنی ناخوشی کا اظہار کرتے تھے اور نتیجہ میں حضرت ابوبکر ہی جھکتے تھے۔

خالد کا یہی انداز حضرت عمر کو ناپسند تھا اور وہ انھیں سنگسار کرنے پر مصر تھے۔

یہ حضرت ابوبکر کی سیاست تھی کہ عمر اور دوسرے صحابہ کے مطالبہ قصاص کو دبانے کے لیے انھوں نے مالک کی دیت ادا کر دی۔

اس سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اس معافی و درگذر کے بعد خالد کو عراق کی مہم پر بھیجا تو مدینے میں خمس کا ڈھیر لگ گیا اور زر و جواہر کی گھٹائیں جھوم جھوم کے برسیں اور حضرت ابوبکر نے گھر گھر روپیہ تقسیم کیا اور خوشنودی عام حاصل کی ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:۔

فلما اجتمع الناس علی ابی بکر قسم من الناس قسما فبعث الی عجوزۃ من بنی عدی بن النجار تقسمھا مع زید بن ثابت فقالت ما ھذا قال قسم قسمہ ابوبکر للنساء قالت اتر شونی عن دینی قالت لا آخذ منہ شیأ ابدا

جب لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تو انھوں نے لوگوں میں مال تقسیم کرنا شروع کیا زید بن ثابت کے ہاتھ بنی عدی بن النجار کی ایک ضعیفہ کے پاس اس کا حصہ بھجوایا اس نے پوچھا یہ کیا ہے زید نے کہا ابوبکر نے عورتوں میں کچھ مال تقسیم کیا ہے یہ تمہارا حصہ ہے اس نے کہا تم مجھے رشوت دیکر حق سے ہٹاتے ہو بخدا میں قیامت تک ایسا نہ کروں گی۔ ص ۱۲۹

وظائف کا تعین

رسول خدا کے زمانے میں خمس و زکواۃ کی جو رقمیں آتی تھیں وہ فوراً حاجت مندوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں اب چونکہ رقم کثیر آنے لگی تو حاجت کا لحاظ نہیں رہا بلکہ بطور وظیفہ لوگوں کو تنخواہیں مقرر کر دیں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خود ان کی تنخواہ مقرر

ہو گئی تھی۔ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اولیات ابوبکر میں لکھا ہے۔
اوّل خلیفہ فرض لہ عیتۃ العطا وہ پہلے خلیفہ ہیں جن کیلئے رعیت نے تنخواہ
مقرر کی۔ صفحہ ۵۳

علامہ طبری نے یہ تنخواہ چھ ہزار درہم سالانہ بتائی ہے۔

بیت المال انھوں نے بیت المال بھی قائم کیا مگر اس میں مال کبھی جمع نہیں کیا عہد نبوی کی طرح جتنا آیا سب فوراً تقسیم کر دیا۔

رشید اختر ندوی لکھتے ہیں:۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کے شروع دور میں قریب
قریب وہی صورت حال رہی جو رسول اللہ کے
زمانہ میں تھی۔ تہذیب و تمدن اسلامی صفحہ ۱۶۴

گورنروں کا تقرر حضرت ابوبکر نے جب دوسرے ممالک پر فوجیں بھیجیں تو ہر صوبہ کا ایک گورنر مقرر کیا کہ فتح کے بعد وہاں حکومت قائم کرے یہ بڑا سیاسی اقدام تھا۔ محمد حسین ہیکل جنگ کے یرموک کے موقع پر لوگوں کے یہ تاثرات بیان کرتے ہیں:۔

اس وقت ان تمام امراء کے دلوں میں یہ خیالات
گردش کر رہے تھے کہ اگر خدانخواستہ رومیوں
نے غلبہ پا لیا اور انھیں شکست دے کر پیچھے
ڈھکیل دیا تو ان ولایات کیا ہو گا جو ابوبکر
نے شام آنے سے قبل ان لوگوں کے لئے مقرر
کی تھیں۔ اگر ابوعبیدہ حمص نہ پہنچ سکے تو وہاں
کی ولایت کیونکر حاصل کر سکیں گے اگر مسلمانوں

کو پیچھے ہٹنا پڑا تو یزید (ابن ابی سفیان) بلقار کی
امارت پر کس طرح قبضہ حاصل کر سکیں گے اگر انھیں
پسپائی اختیار کرنا پڑی، تو شرجیل اردن پر کیونکر
تسلط بٹھا سکیں گے اگر اس سرزمین پر مسلمانوں
کے قدم نہ ٹھہر سکے تو عمرو بن عاص عربہ میں کس طرح
حکومت قائم کر سکیں گے۔ ابوبکر صدیق اکبر ص ۵۱۰

اگر حضرت ابوبکر اس سیاست سے کام نہ لیتے اور ان لوگوں کو گورنر نہ بناتے تو ان میں وہ جوش و خروش پیدا نہ ہوتا جو اس ترکیب سے ہوا اور اگر کامیاب بھی ہو جاتے تو یہ فوج کشی مالِ غنیمت کے وقتی فائدے سے آگے نہ بڑھتی۔

حضرت ابوبکر کی مضبوط پالیسی

انھوں نے اطراف ملک میں فوج کشی کے وقت حکم دیا کہ جو لوگ اطاعت نہ کریں ان سے تلوار اور آگ دونوں سے کام لو اس حکم کی تعمیل میں خالد نے بزاخہ میں بڑے بڑے گڑھے کھدوائے اور دیواروں کے گھروندے بنوا کے آگ جلوائی اور جیتے لوگ گرفتار ہوئے تھے سب کو زندہ جلوا دیا اسی ذرجامیہ میں سبیع بھی آگ میں جلائے گئے وہ رسول کے صحابی اور محصل زکوٰۃ تھے انھوں نے ابوبکر کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔ علامہ دیار بکری تاریخ خمیس جلد دوئم میں لکھتے ہیں کہ جب خالد نے گڑھے کھدوائے تو لوگوں نے وجہ پوچھی انھوں نے کہا اس میں آگ روشن کر کے قیدیوں کو جلاؤں گا لوگوں نے اس پر اعتراض کیا انھوں نے ابوبکر کا فرمان دکھایا۔

خود ابوبکر نے مصلی میں آگ جلوائی اور فجار سلمی کی مشکیں بندھوا کے

کو آگ میں جھونک دیا یہ واقعات تمام تاریخوں میں موجود ہیں۔

علامہ ابن اثیر نے تفصیل سے اُن سزاؤں کا ذکر کیا ہے جو ابتدائے خلافت ابوبکر میں لوگوں کو دی گئیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

ابوبکر کی فوج مخالفین کو پکڑ کے اپنے سرداروں کے پاس لائی تو اس نے ان کا بدن شکنجے میں کسوا دیا ان کو آگ میں جلا دیا بدنوں کو پتھر سے کوٹ کے چکنا چور کر دیا۔ پہاڑوں پر لیجا کر نیچے پھینک دیا۔ ٹانگوں میں رسیاں باندھ کے کنوؤں میں اُلٹا لٹکا دیا اور تمام تفصیلات ابوبکر کو لکھ کر بھیج دیئے۔ ترجمہ تاریخ کامل ص ۱۳۳

علامہ طبری نے ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے :-

حدوس بنی ہلال کی ایک عورت اُمّ تغلب کو بیاہ کے اپنے گھر لایا ابوبکر کی فوج نے اسی رات اُس کو قتل کر دیا۔

کچھ لوگ ان واقعات سے حضرت ابوبکر کی بڑی بھیانک تصویر بناتے ہیں لیکن یہ تمام واقعات ابتدائے خلافت کے ہیں جب مخالفت کا طوفان زوروں پر تھا اگر اس وقت اتنے سخت احکام صادر نہ ہوتے تو سرکشی کم نہ ہوتی ہر حکمران قیام سلطنت کے وقت خون ریز اور خونخوار بن جاتا ہے اس کے بعد وہی مشفق و مہربان ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے بھی یہی کیا جب ان کا تسلط ہو گیا تو کفار کے ساتھ بھی وہ رحم و کرم کی تصویر بن گئے۔ زکوٰۃ سے انکار تو درکنار مسلمانوں کو قتل کرنے والوں کی بھی جان بخشی کر دی کیونکہ اب ان کی رعایا بن چکے تھے

محمد حسین ہیکل اس قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے:۔

عئیہ بن حصن فرازی مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور طلیحہ (مدعی نبوت) کی فوج میں شامل ہو کے مسلمانوں سے جنگ کر چکا تھا وہ قرہ بن ہبیرہ کے ساتھ قید ہو کے مدینہ آیا اس کے ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے مدینے کے لڑکے اسے کھجور کی شاخوں سے مارتے تھے اور کہتے تھے "اے اللہ کے دشمن تو ہی ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا،، عئینہ جواب دیتا۔،،میں تو کبھی اللہ پر ایمان نہیں لایا،،۔لیکن اس کے باوجود ابوبکر نے اس کی جان بخشی کر دی اور اسے کچھ نہیں کہا۔ قرہ بن ہبیرہ۔ علقمہ بن علاثہ ابو الشجرہ۔ عبد العزیٰ ان سب کو چھوڑ دیا۔ (ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۲۰۴)

مخالفین کے ساتھ حکمت عملی

اپنے مخالفین کو زیر کرنے میں انھوں نے بڑی حکمت عملی سے کام لیا خالد بن سعید اور اُن کے بھائی رسول ؐ کی طرف سے عامل زکواۃ تھے۔ وفات رسول ؐ کی خبر سن کے یہ لوگ کام چھوڑ کے مدینے واپس آ گئے پہلے حضرت ابوبکر نے بلا کے سمجھایا کہ تم رسول ؐ اللہ کے مقرر کردہ عامل ہو تم سے بڑھ کر کوئی اس عہدہ کا مستحق نہیں لہذا اپنے کام پر واپس جاؤ مگر انھوں نے کہا کہ ہم ابو احیحہ کی اولاد ہیں رسول ؐ کے بعد کسی کے عامل بننا پسند نہیں کرتے۔ جب اس طرح قابو میں نہ آئے تو فوج کی امارت پیش کی۔ یہ زکواۃ کی تحصیل نہ تھی

بلکہ صوبے کی گورنری تھی۔ اب ابواحیحہ کی اولاد ہونا بھول گئے اور فوراً قبول کرلی۔

حضرت ابوبکر کو چاروں طرف مہمیں روانہ کرنا تھیں ایک طرف ان کو بھی بھیجدیا۔ اس کے بعد شام پر لشکر کشی ہوئی تو پہلا علم ان کو دیا اور کچھ ہی دنوں بعد معزول کرکے ان کی سیاسی کمر ہمیشہ کے لئے توڑ دی اور وہ گوشہ نشین ہو گئے۔

طبری

حضرت ابوبکر نے سنہ ۱۳ھ میں شام کی طرف لشکر بھیجا تو پہلا علم خالد بن سعید کو دیا پھر معزول کردیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وفات رسولؐ کے بعد یمن سے مدینے آئے اور دو مہینے تک حضرت ابوبکر کی بیعت میں تامل کرتے رہے وہ کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ خدا نے مجھے حاکم بنایا اور کبھی معزول نہیں کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا وہ حضرت علیؑ و عثمان سے مل کر کہتے تھے کہ آپ کے نفس نے کیونکر گوارہ کیا کہ خلافت دوسرا لے لے۔ (تاریخ طبری ج ۴ صفحہ ۲۹ و ج ۲ صفحہ ۱۵۴)

ابوسفیان کا معاملہ اس سے مختلف تھا وہ خود بااثر آدمی تھے ایسی ترکیبوں سے انھیں توڑا نہیں جاسکتا تھا لہذا ان کے ساتھ دوسری ترکیب کی۔ مورخ طبری کا بیان ہے:۔

عرب میں ابوسفیان بھی ایک زبردست شخص تھا اس نے حضرت ابوبکر کی خلافت پر سخت اعتراض کیا اور حضرت علیؑ سے کہا آپ مجھے حکم

دیجئے تو مدینہ کو سوار اور پیدل سے بھر دوں

مگر حضرت علیؑ نے خدا لپسند نہیں کیا۔ (طبری ج ۳ ص ۲۰۲ ۲۸ھ)

ابوسفیان کو حضرت ابوبکر نے ملا لیا اور اس کے بیٹے یزید کو ملک شام کا سپہ سالار بنا کے بھیج دیا جس پر ابوسفیان بہت خوش ہوا۔

حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں انصار سے کہا تھا کہ امیر ہم میں اور وزیر تم میں سے ہو لیکن اسیر انھوں نے سمجھوتا نہیں کیا تو حضرت ابوبکر نے خلافت ملنے کے بعد وزارت کا عہدہ قائم نہیں کیا کیونکہ یہ پیشکش ان کو راضی کرنے کے لئے تھی۔

عباسؓ عم رسولؐ سے کہا کہ ہم خلافت میں تمہارا حصہ معین کرنا چاہتے ہیں انھوں نے منظور نہیں کیا۔ خلافت مضبوط ہونے کے بعد انھوں نے کچھ نہیں دیا کیونکہ یہ پیشکش عباسؓ اور علیؑ میں اختلاف پیدا کرنے کے لئے تھی۔ یہ تھے حضرت ابوبکر کے وہ اقدام جن سے دین میں دنیا داخل ہوئی۔

حضرت ابوبکر اور مسند قضا و افتا

قیاس کا اصول حضرت عمر نے قائم کیا تھا حضرت ابوبکر کے زمانہ میں قیاس نہ تھا احکام شرعیہ کا دارومدار قرآن وسنت پر تھا حضرت ابوبکر اسی کی رو سے فتویٰ دیتے تھے ان میں یہ خوبی تھی کہ جس بات کو وہ نہیں جانتے تھے اسے صاف کہہ دیتے تھے کہ قرآن وحدیث سے مجھے اس کا علم نہیں۔ ابھی جاؤ کسی سے پوچھ کے بتاؤں گا۔

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور میں اور علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں ملا علی متقی کنزالعمال میں لکھتے ہیں :-

ایک شخص نے ان سے فاکہتہ واب کے معنی پوچھے انھوں نے صاف کہدیا کہ کون آسمان مجھ پہ سایہ فگن ہوگا اور کون زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں کلام خدا میں وہ بات کہوں جسے میں نہیں جانتا۔

اصحاب سنن اربعہ نے مالک و قبیصہ سے روایت کی ہے کہ ایک متوفی کی دادی نے حضرت ابوبکر سے اپنی میراث کے بارے میں سوال کیا انھوں نے کہا کہ میں یہ حکم کتاب خدا اور سنت نبیؐ سے نہیں جانتا ابھی تو واپس جائیے لوگوں سے پوچھ کے بتاؤں گا۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر تھا حضرت نے اس صورت میں چھٹا حصہ دلوا دیا۔ ابوبکر نے کہا کوئی گواہ ہے۔ محمد بن مسلمہ نے گواہی دی۔

حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صفحہ ۳ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۶ صواعق محرقہ صفحہ ۱

دارقطنی نے محمد بن محمد سے روایت کی ہے کہ ایک متوفی کی دادی اور نانی حضرت ابوبکر کے پاس آئیں دونوں اپنی میراث چاہتی تھیں آپ نے نانی کو وارث قرار دیا۔ عبدالرحمٰن بن سہیل انصاری بدری نے کہا کہ آپ نے اس کو ورثہ دیا اگر یہ مر جائے تو یہ اس کی وارث نہ ہوگی آپ نے دونوں پہ برابر تقسیم کر دیا۔ صواعق محرقہ صفحہ ۲۱

متقابل خلافت

علیؑ اور ان کے ساتھ بنی ہاشم اور اکابر صحابہ میں فقہاء کی جماعت ابوبکر کی سیاست سے علیحدہ اور ان کی حکومت سے کنارہ کش ہو گئی ان لوگوں نے حضرت علیؑ کو وصی کہنا شروع کیا جو نائب رسولؐ کے لئے تمام ناموں سے زیادہ زوردار تھا اس طرح ایک متقابل خلافت قائم ہو گئی جس کا تعلق پیغمبرانہ طرز زندگی اور اتباع قرآن و سنت سے تھا۔ حضرت ابوبکر کی حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا ان لوگوں کی دین و دنیا ان سے الگ تھی۔

علامہ احمد امین لکھتے ہیں۔

> صحابہ میں کچھ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ حضرت ابوبکر، عمر سے افضل ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس قسم کی رائے حضرت عمارؓ ابوذر سلمان فارسی اور دیگر بہت سے صحابہ کی تھی۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

> حضرت علیؑ کو وصی کا لقب دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے بعد خلافت کی وصیت حضرت علیؑ کے حق میں فرمائی تھی۔ ....
>
> کچھ اس قسم کے اشعار بھی نقل کئے جاتے ہیں جن میں دور اول کے شعراء نے حضرت علیؑ کو وصی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ لوگوں نے ابو الہیثم کے یہ اشعار نقل کئے ہیں۔ (یہ بدری صحابہ تھے)

شعار شعائر ناہ

یفدی یمیننا الروح والابصار	ہم آپ جیسی کے اشعار اور ابراہیم
ان الوصی امامنا وولینا	ہماری جان اور ہماری آنکھیں
برح الخفاء و باحت الاسرار	ان پر قربان ہیں بے شک وصی

ہمارے امام اور ولی ہیں بات چھپی نہیں رہی اور راز کھل گیا۔

کہتے ہیں کہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی فوج سے ایک نوجوان یہ کہتا ہوا نکلا ۔

نحن بنی ضبة اعداء علیؑ	ہم بنی ضبہ علی کے دشمن ہیں وہی
ذالك یعرف قدماً بالوصی	علیؑ جو قدیم زمانے سے وصی کے لقب

فجر الاسلام ص۲۲۲ تا ص۲۷۲ — سے مشہور ہیں۔

علیؑ نے نہ بیعت کی نہ اطاعت کی نہ ابوبکر کی حکومت کے معاملات میں مداخلت کی ان کا ایک الگ گروہ تھا جو انھیں خلیفہ برحق مانتا تھا۔

علامہ عبید اللہ امرتسری نے معاویہ بن ثعلبۃ اللیثی سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوذر بیمار ہوئے اور حضرت علیؑ سے کچھ وصیتیں کیں لوگوں نے کہا اگر آپ نے یہ وصیتیں امیر المومنین عمر سے کی ہوتیں تو زیادہ بہتر تھا انھوں نے فرمایا کہ میں نے سچے امیر المومنین سے وصیتیں کی ہیں۔ (ارجح المطالب ص۹)

خاندانِ رسالت کی نظر بندی

علیؑ نے اگرچہ ابوبکر کے معاملات حکومت میں کچھ دخل نہیں دیا مگر ان کا کھنچا کھنچا رہنا لوگوں پر پوشیدہ نہ رہ سکا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں سے معرکہ کارزار گرم ہوا تو حضرت علی کی طرف نگاہیں گئیں مگر ان سے کہنے کی جرأت نہ ہوئی ان کے اسی طرز عمل نے حضرت ابوبکر کو متفکر بنا رکھا تھا۔

آخر ابوبکر نے بنی ہاشم اور بعض اکابر صحابہ کو جن سے انہیں اطمینان نہ تھا پابند مدینہ کر دیا یہ بڑی دور اندیشی کی بات تھی۔ بنی ہاشم کا مدینہ سے باہر تمام قبائل عرب پر اثر تھا انھوں نے اسلام قائم کیا تھا اور اس وقت جو کچھ تھا وہ ان کا بنایا ہوا تھا وہ اپنے کو اس کا وارث سمجھتے تھے وہ باہر جا کے اپنے موافق فضا پیدا کر سکتے تھے لہذا ابوبکر نے نہ ان کو کوئی عہدہ دیا نہ مدینہ سے باہر جانے دیا اور ان کے پرانے حریف بنی اُمیہ کو ان کے مقابلہ میں اُبھارا اور ان کی فضیلت کا سارا زور توڑ دیا۔ ڈاکٹر حمید الدین تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر نے بنی اُمیہ کے اعزاز کا بڑا خیال رکھا۔ ابوسفیان کے بیٹے یزید بن کو ایک دستہ کا سپہ سالار مقرر کیا۔ حضرت عمر نے دمشق کی فتح کے بعد یزید ابی سفیان کو وہاں کا عامل مقرر کیا جب وہ وفات پا گئے تو یہ عہدہ ان کے چھوٹے بھائی معاویہ کو سونپ دیا گیا۔ حضرت عثمان خود بنی اُمیہ میں سے تھے انھوں نے اپنے عہد میں معاویہ کو سارے ملک شام کا والی مقرر کر دیا ص ۱۷۵

اقتدار پر قدغن حضرت ابوبکر نے نہ صرف انھیں پابند مدینہ کر دیا بلکہ ان کی مرکزیت کے تمام ظاہری وسائل پر قبضہ کر لیا اور کوئی چیز ان کے

پاس باقی ہی نہ چھوڑی جو دنیا کے لئے باعث کشش ہو۔ اب ان کے پاس روکھا علم اور سوکھا عمل رہ گیا وہ نہ کسی کے کپڑے بنوا سکتا تھا نہ پیٹ بھر سکتا تھا جبکہ دوسری طرف ممالک فتح ہو رہے تھے اور سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے ان سے نظر پھیر کے ان کے سوکھے ساکھے علم و عمل کی طرف کون دیکھتا چنانچہ یہی ہوا کہ سوا دو چار آدمیوں کے اور کوئی ان کے گرد نہیں رہ گیا۔

فدک

مرکزیت کے جن وسائل پر حضرت ابوبکر نے قبضہ کیا ان میں سب سے بڑی چیز فدک تھا یہ مدینہ سے دو منزل کے فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب علاقہ یہود کی ملکیت تھا جسے انھوں نے پیغمبر کو جنگ نہ کرنے کے معاوضہ میں دیا تھا۔ اتنی بڑی بات کا معاوضہ سو پچاس درخت نہیں ہو سکتے اس کی تائید حضرت عمر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ابوبکر سے کہا تھا کہ تمھیں جنگ درپیش ہے اس کے لئے کہاں سے لاؤ گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اتنا بڑا علاقہ تھا جو مصارف جنگ میں مدد کر سکتا تھا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مہدی عباسی کو اس کی یہ حد بتائی تھی کوہ احد۔ عریش مصر۔ سیف البحر۔ دومۃ الجندل۔ یہ علاقہ پیغمبر کی ذاتی ملکیت تھا قرآن میں ہے کہ جو مال اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بغیر جنگ دلوایا جن کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے تسلط عطا کرتا ہے۔

ملا علی متقی کنز العمال میں ابوسعید خدری صحابی سے روایت کرتے ہیں:-

لما نزلت وآت ذوی القربیٰ حقہ قال النبی یا فاطمہ لک فدک۔

جب یہ آیت ات ذوی القربیٰ حقہ نازل ہوئی تو آنحضرت نے فرمایا فاطمہ فدک تمہارا ہے۔

آنحضرت اور ان کے اہلبیتؑ اپنے ذاتی مال کو بھی اپنی ضرورتیں روک کے دوسروں کو دیدیتے تھے اور خود تکلیف برداشت کر لیتے تھے ان کا فقر و فاقہ افلاس سے نہیں تھا فدک کی آمدنی بھی تقسیم ہو جاتی تھی۔ اتنا بڑا علاقہ ان کے پاس رہتا تو وہ اپنی داد و دہش سے مرکز کشش بنے رہتے اور ان کی مرجعیت قائم رہتی۔

بخاری باب الخمس میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ جب خدا نے اپنے نبیؐ کو دنیا سے اٹھا لیا تو ابوبکر نے کہا میں ان کا ولی ہوں اور فدک پر قبضہ کر لیا۔

فاطمہؑ خود دربارِ خلافت میں گئیں اور کہا کہ فدک رسول خدا نے مجھ کو ہبہ کیا تھا مجھے ملنا چاہیئے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ حضرت ابوبکر کہتے کہ بضعۃ الرسول ایک فدک کیا ہے ایسے ایسے ہزار فدک آپ پر نثار ہیں یہ بھی لیجئے اور اس کے علاوہ جو خطہ پسند ہو وہ بھی حاضر ہے جو کچھ ہے وہ آپ کے والد اور شوہر کا بنایا ہوا ہے قوم اور ملک کی تعمیر میں میرا کچھ حصہ نہیں یہ سب آپ کے گھر کا فیض ہے مگر حضرت ابوبکر نے گواہ مانگے حضرت علیؑ اور ام ایمن نے گواہی دی حضرت ابوبکر نے بڑی مہربانی کے لہجہ میں کہا بنت رسولؐ آپ جانتی ہیں کہ گواہ کے لیئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا چاہئیں نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ خارج ہوا تو انھوں نے میراث کی حیثیت سے دعویٰ کیا اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے رسولؐ سے سنا ہے۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقہ کیا ہم گروہ انبیا نہ وارث بنتے ہیں نہ کسی کو اپنا وارث بناتے ہیں جو چھوڑتے ہیں صدقہ ہے۔

بنتِ رسولؐ نے اس کی صحت سے انکار کیا اور کہا کہ اس کا تعلق ہماری ذات سے ہے اگر ایسا ہوتا تو رسولؐ ہم سے کہتے نہ کہ تم سے جن کا ان کی میراث سے کوئی تعلق نہیں یہ بات قرآن کے بھی خلاف ہے اس میں انبیا کے ترکہ کا صریحاً ذکر ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

ورث سلیمان داؤد — سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔

ذکریا کے بارے یوں ہے۔

وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقراً فهب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله رب رضیاً۔

مجھے اپنے چچازاد بھائیوں سے اندیشہ ہے کیونکہ میری بیوی بانجھ ہے پس تو مجھ کو ایک ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو

اور اس کو اپنا پسندیدہ فرما۔

یہ سنکر حضرت ابوبکر نے فدک کا قبالہ فاطمہؑ کو لکھدیا۔ علامہ سبط ابن جوزی سیرۃ الحلبیہ میں لکھتے ہیں۔

حضرت فاطمہؑ ابوبکر کے پاس آئیں وہ منبر پر بیٹھے تھے پس انھوں نے کہا کتاب خدا میں ہے کہ تمہاری بیٹیاں تمہاری وارث ہیں اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں یہ سن کر ابوبکر رونے لگے منبر سے اترے اور فدک کا قبالہ لکھدیا۔ اتنے میں عمر آئے اور کہا کہ یہ کیا ہے کہا یہ نوشتہ ہے جو فاطمہؑ کو ان کے باپ کی میراث کا لکھا گیا ہے انھوں نے کہا تم سے مقابلہ درپیش ہے مسلمانوں کو کیا دوگے یہ کہہ کے وہ وثیقہ لے لیا اور پھاڑ ڈالا۔

شیعوں کا استدلال:۔ شیعہ کہتے ہیں کہ نصاب شہادت پورا نہ ہونے کا عذر بارد تھا کسی دعوے یا خبر کے ردوقبول کا انحصار راوی اور مدعی کے ثقہ ہونے پر ہے خبر واحد اسی اصول پر قبول کی جاتی ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے دعویٰ کیا۔

کہ مجھے رسولؐ اللہ نے یمن کے مال سے اتنا ہبہ کیا تھا

اب وہ مال تمہارے زمانے میں آیا ہے لہذا وہ مجھے دو۔

ابوبکر نے اتنا مال ان کو دیدیا۔ صحیح بخاری جلد ۲ جزو ۱۰ صفحہ ۱۶۰

اس حدیث کی شرح میں علامہ بن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں :۔

یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ میں سے
ایک عادل کی بھی خبر قبول کی جاسکتی ہے اگرچہ وہ
خود اس کے فائدے کے لئے ہو کیونکہ ابوبکر نے جابر
سے ان کے دعوی کی صحت پر کوئی گواہ طلب نہیں کیا۔

مُلّا علی متقی لکھتے ہیں :۔

رسول اللہ، ابوبکر عمر اور عثمان ایک ہی گواہ اور
مدعی کی قسم پر فیصلہ کرتے تھے۔ کنزل العمال ج ۴ ص

مگر ابوبکر نے فاطمہؑ ایسی مدعیہ اور علیؑ اور امّ ایمن ایسے گواہ کی گواہی قبول نہیں کی۔ وراثت کے لئے بھی وہ کہتے ہیں تمام انبیاء نے اپنے باپ کا ورثہ لیا خود رسول اللہ نے اپنے والد بزرگوار کی میراث میں ایک تلوار چند دنبیاں اور ایک کنیز پائی تھی۔

لانرث و لانورث والی حدیث کی صحت سے جب حضرت فاطمہؑ نے انکار کیا اور قرآن کی آئتیں اس کے خلاف پڑھیں تو حضرت ابوبکر نے اپنی حدیث پر زور نہیں دیا نہ حضرت عمر نے فدک کا فاطمہؑ کی ملکیت ہونے سے انکار کیا بلکہ یہ کہا کہ عجم سے جنگ درپیش ہے اس کے مصارف کہاں سے لاؤ گے یہ کہہ کے انھوں نے نوشتہ پھاڑ ڈالا اس کا جواز یہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے امر جنسی کے تحت اس کو لے لیا۔

جناب فاطمہؑ باپ کی وفات شوہر کی محرومی جائداد کی ضبطی اور اپنی بے بسی سے اتنا متاثر ہوئیں کہ دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہنے لگے۔ وہ اپنے دروازے پر منبر رسولؐ کی طرف رُخ کر کے بیٹھ جاتیں

اور رونا شروع کر دیں یہ ایک زبردست احتجاج تھا خلافت ابوبکر کے خلاف اس طرح وہ چند روز کے اندر گھل گھل کر مرگئیں۔

ہندوستان کے مشہور عالم وانشاپرداز شمس العلماء ڈاکٹر **نذیر احمد** لکھتے ہیں :۔

پیغمبر خداؐ کی وفات سے جو سب سے زیادہ متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبرؐ صاحب ہی تھے اور باپ بھی کیسے باپ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا اور زمک برجراحت ترکہ پدری فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمے کا ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کے مرجاتا مگر صبر و ضبط انھیں کے ساتھ تھے پھر بھی انہیں رنجوں میں گھل گھل کے چھ مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنھوں نے ان کو رنج دیتے تھے نہ بولیں نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازے میں آنے کی ممانعی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ رویائے صادقہ ص ۱۰۹

لبنان کا شہرہ آفاق محقق عمر ابو النصر لکھتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کے لئے زمین و آسمان تاریک ہو گئے۔ ان کا شفیق اور مہربان باپ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ انہیں اپنی زندگی ایک بار محسوس ہونے لگی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے حضور اکرم کی وفات کے بعد پھر کبھی حضرت فاطمہؓ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی نہ دیکھی گئی۔

ایک بار وہ رسول اللہؐ کے مزار پر آئیں قبر کی مٹی ہاتھ میں لی اور اسے آنکھوں اور چہرے پر مل کے اشکباری کی حالت میں یہ اشعار پڑھنے لگیں۔

ماذا علی من شم تربۃ احمد ۔ لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انھا ۔ صبت علی الایام صرن لیالیا

جو شخص احمد کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی خوشبو نہ سونگھے۔

مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں، تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔ ان اشعار میں حضرت فاطمہؓ نے اپنے حزن والم و مصائب کا پورا پورا حال بیان کر دیا ہے۔

اس کے بعد جب عرب کے طول و عرض میں ارتداد کا فتنہ بڑے زور شور سے بھڑکا تو حضرت عمر کو خیال ہوا کہ اس نازک وقت میں مسلمانوں کے اختلافات رفع ہو جانے

چاہئیں اور تمام لوگوں کو مل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے اس
لئے ضروری تھا کہ بنو ہاشم کو حضرت ابوبکر کی بیعت کے لئے
آمادہ کیا جائے چنانچہ وہ حضرت ابوبکر کو لیکر حضرت علیؑ
کے گھر کی طرف چلے تاکہ ان سے بیعت لی جائے جب حضرت فاطمہؑ
نے ان لوگوں کی آوازیں سنیں تو بلند آواز سے کہا "اے ابا جان
ہم نے آپ کے بعد ابن خطاب اور ابن قحافہ کے ہاتھوں بہت
تکلیفیں اٹھائیں" جب لوگوں نے حضرت فاطمہؑ کے رونے
چلانے کی آواز سنی تو وہ بھی رونے لگے اور اپنے گھروں کو
چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کو بھی بہت رنج ہوا اور آپ نے حضرت
ابوبکر صدیق سے کہا "ہم نے فاطمہؑ کو ناراض کر دیا ہے۔
ہمیں انھیں منانے کی کوشش کرنی چاہیئے" چنانچہ وہ
دونوں پھر حضرت فاطمہؑ کے گھر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت
چاہی لیکن آپؑ نے اجازت نہ دی اس پر وہ حضرت علیؑ کے
پاس پہنچے اور ان سے بات کی وہ ان دونوں کو لے کر حضرت
فاطمہؑ کے پاس پہنچے اور انھیں بٹھا دیا لیکن حضرت فاطمہؑ
نے ان دونوں سے منہ پھیر کر دیوار کی طرف کر لیا انھوں
نے سلام کیا لیکن جواب نہ ملا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے
کہا اے رسول اللہ کی محبوب بیٹی خدا کی قسم رسول اللہ کے
قرابت دار مجھے اپنے عزیزوں سے زیادہ پیارے ہیں آپ

مجھے اپنی بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہیں میری خواہش تھی کہ جس روز رسول اللہ کا انتقال ہوا میں بھی اسی روز مر جاتا۔ اور ان کے بعد زندہ نہ رہتا کیا آپ دیکھتی نہیں کہ مجھے آپ کے فضل و شرف کا اعتراف ہے۔ حضرت فاطمہ نے کہا کہ اگر میں تمھیں رسول اللہ کی حدیث سناؤں، تو کیا اسے سچ جانوں گے۔ دونوں نے جواب دیا یقیناً حضرت فاطمہ نے کہا میں تمھیں قسم دلا کر پوچھتی ہوں۔ کیا تم نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جس نے میری بیٹی فاطمہ سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی۔ جس نے میری بیٹی فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا۔ جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ دونوں نے جواب دیا دونوں بے شک ہم نے رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے"

حضرت فاطمہ نے کہا۔ میں اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بناتی ہوں کہ تم نے مجھے ناراض کیا اور مجھے راضی نہیں کیا جب میں رسول اللہ سے ملوں گی تو تمہاری شکایت کروں گی یہ سن کر حضرت ابوبکر زار و قطار رونے لگے اور باہر

نکل کر لوگوں سے کہا کہ وہ خلافت کا بار اٹھانے کے لئے تیار نہیں، لوگوں نے اصرار کیا۔

حضرت فاطمہؓ کی وفات تک، حالات اسی نہج پر چلتے رہے۔ حضرت فاطمہؓ کا یہ حق تھا کہ وہ انتہائی خوش بخت ہوتیں اور خوشی و شادمانی سے زندگی گذارتیں کیونکہ وہ مسلمان عورتوں کی سردار اور رسولؐ کی محبوب ترین بیٹی تھیں لیکن اپنے والد رسولؐ اللہ کی محبت ان کے لئے ناقابلِ برداشت صدمہ ثابت ہوئی اور اس صدمے نے انہیں گھن کی طرح کھالیا۔ ان کے دل میں برابر رسولؐ اللہ کا خیال رہتا تھا اور زبان پر آپ ہی کا نام رہتا تھا۔ رسولؐ اللہ کے خاندان کے لیے یہ مقدر تھا کہ وہ دنیا میں اس طرح رہے جس طرح لق و دق اور تپتے ہوئے صحرا میں عظیم الشان درخت صحرا کی ناقابلِ برداشت گرمی میں لوگوں کو اپنی گھنیری چھاؤں میں آرام پہنچاتا ہے لیکن خود اس درخت کے لئے دوپہر کی شدید گرمی میں تپنا ہی مقدر ہوتا ہے اگر زمانہ ان سے انصاف کرتا اور انہیں ان کی خدمات کا پورا پورا صلہ دیتا تو ان سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب نہ ہوتا۔

عمر ابو النصر نے زمانہ کی بے انصافی کے پردے میں جو کچھ کہہ ڈالا ہے
وہ ان کی عقیدت مندی ہے سیاست کی نظر میں حریف کا استحقاق یا مذہبی
آئینیں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس سلسلے میں دنیا میں جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم
ہے۔ اس کے مقابلے میں حضرت ابوبکر نے خاندانِ رسالت کے ساتھ بڑا مدبرانہ
برتاؤ کیا۔

انھوں نے اپنا کام نکالنے سے زیادہ کچھ نہیں کیا اور اعزاز و اکرام میں
ظاہری طور سے کوئی کمی نہیں کی جس کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت
کا دعویٰ ہے کہ ان میں قلبی اتحاد تھا وہ خاندان رسالت کی غلامی پہ فخر
کرتے تھے۔ شبلی نعمانی کہتے ہیں ان کو کوئی عہدہ دینا ان کے اعزاز کے
خلاف سمجھتے تھے اگرچہ علیؑ و فاطمہؑ نے ناراضی کے اعلان میں کوئی دقیقہ
اٹھا نہیں رکھا۔ ان کی شب و روز کی گریہ وزاری ان کے حالات کی
نقیب تھی لیکن حضرت ابوبکر نے وفات رسولؐ سے سترہ دن کے اندر
چاروں طرف یلغاریں شروع کر دیں جس نے لوگوں کی توجہ ادھر موڑ
دی۔ اس کے ساتھ بکثرت مال آنے اور تقسیم ہونے لگا۔ جس نے زبانوں
پر مہر لگا دی اور بولے بھی تو یہ کہ علیؑ سے کہا فاطمہ کی شب و روز کی
گریہ وزاری نے ہمارے اوقات تلخ کر دیئے ہیں ان سے کہئے یا دن کو
رو لیا کریں یا رات کو۔

ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی ہاشم اور بنی تیم اور بنی عدی کی
پرانی عداوتیں تازہ ہو گئیں۔ مصر کے مشہور محقق محمد ابن عبدہ لکھتے ہیں۔

ابوبکر کی خلافت کی وجہ سے بنی ہاشم اور بنی تیم میں دشمنی
پیدا ہو گئی۔

"مصر کی صاحب تصنیف خاتون عائشہ بنت الشاطی لکھتی ہیں کہ :-

فاطمہؑ کی خبر وفات سن کے عائشہ ان کے گھر گئیں تو
اسماء بنتِ عمیس نے حجرہ میں داخل ہونے سے روک
دیا انھوں نے ابوبکر سے شکایت کی کہ اسماء ہمارے
اور بنتِ رسولؐ کے درمیان حائل ہوتی ہیں ابوبکر
نے اسماء سے پوچھا انھوں نے کہا فاطمہؑ کی وصیت
تھی کہ عائشہ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں۔

امام بخاری لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ ابوبکر سے ناراض تھیں اور مرتے
دم تک بات نہیں کی علیؑ نے فاطمہؑ کو دفن کرکے ان کی قبر پر کھڑے ہو کے
جو کچھ فرمایا وہ حالات کی صحیح تصویر ہے انھوں نے فرمایا :-

اے خدا کے رسولؐ آپ کو میری اور آپ کے پڑوس
میں اترنے والی اور آپ سے جلد ملحق ہونے والی آپ
کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو یا رسولؐ اللہ آپ کی برگزیدہ
بیٹی کی رحلت سے میرا صبر و شکیب اور میری ہمت و
توانائی نے ساتھ چھوڑ دیا۔

آپ کی مفارقت کے حادثہ عظمیٰ اور آپ کی
رحلت کے صدمہ پر صبر کر لینے کے بعد اس مصیبت پر
صبر ہی سے کام لینا پڑے گا جبکہ میں نے اپنے ہاتھوں
آپ کو قبر کی لحد میں اتارا آپ کا سر میری گردن اور
سینے کے درمیان رکھا تھا اور آپ کو دم توڑتے دیکھ
رہا تھا انا للہ وانا الیہ راجعون اب یہ امانت پلٹالی

گئی گرد رکھی ہوئی چیز چھڑالی گئی میرا غم بے پایاں اور میری راتیں بے خواب رہیں گی جب تک کہ خدا میرے لئے بھی اس گھر کو منتخب نہ کرے جس میں آپ ہیں وقت آگیا کہ آپ کی بیٹی آپ کو بتائیں کہ کس طرح آپ کی امت نے ان پر ظلم ڈھانے کے لئے ایکا کر لیا آپ ان سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام احوال و واردات دریافت کریں یہ ساری مصیبتیں ان پر گذر گئیں حالانکہ آپ کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا آپ کے تذکروں سے زبانیں بند نہ ہوئی تھیں آپ دونوں پر میرا الوداعی سلام ہو نہ ایسا سلام جو کسی ملول و دل گیر کی طرف سے ہوتا ہے، اب اگر میں یہاں سے پلٹ جاؤں تو اس لئے نہیں کہ آپ سے میرا دل بھر گیا اور اگر ٹھہرا رہوں تو اس لئے نہیں کہ میں اس وعدے سے بدظن ہوں جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے۔

یہ الفاظ ہیں کہ خون کی دھاریں ہیں جو علیؑ کے دل سے فاطمہؑ کی قبر پر گری ہیں۔

اس کے بعد بیٹھ کے رونا شروع کیا عباس بن عبدالمطلب نے ان کا بازو پکڑ کے اٹھایا اور گھر پہنچایا۔

تیرہ سو برس کے بعد علمائے اہل سنت میں دو عالموں نے ایک نئی بات کہی ہے شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے کہ شوہر کی محرومی جائیداد کی ضبطی باپ کی وفات سے فاطمہ اتنی متاذی ہوئیں کہ دن رات روتی رہیں آخر وفات پاگئیں اور جن لوگوں نے ان کو دکھ دیئے تھے ان کو اپنے جنازے پر آنے کی منا ہی کردی۔

ڈاکٹر ابوالنصر عمر کہتے ہیں کہ اہل بیت رسول کی مثال اس درخت کی ہے جسے دھوپ تپا رہی ہو اور لوگ اس کے سایہ میں آرام سے بیٹھے ہوں اگر دنیا ان سے انصاف کرتی

قرابت سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہ تھا۔ اس کے برخلاف تمام علمائے اہل سنت آج تک یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ باپ کا غم فاطمہ کو گھن کی طرح کھا گیا۔

رسول اللہ کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنا گئے تھے۔ حضرت ابوبکر سے نماز پڑھوا کے ان کی خلافت کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ جب رسول خدا نے ان کو ہمارے دین کے لئے منتخب کیا تو کیوں نہ ہم اپنی دنیا کے لئے بھی انہیں منتخب کر لیں۔ اس طرح ابوبکر کی خلافت وقوع میں آگئی۔

علی ابوبکر و عمر سے بہت خوش تھے بڑی مسرت و شادمانی سے ان کی بیعت فوراً کر لی۔ سیرت شیخین کی پیروی سے انکار اس وجہ سے کیا تھا کہ وہ بہت سخت مرحلہ تھا وہ سمجھے کہ شاید میں اس عہد کو پورا نہ کر سکوں اس وجہ سے قرآن وسنت کی نبوی پر اکتفا کی۔

بنی ہاشم کو کوئی عہدہ دینا اس کے اعزاز کے خلاف سمجھا۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کو پھیلا کے تاریخ اسلام مرتب ہوتی ہے۔

ایک ظریف شیعہ نے مجھ سے کہا کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے وصیت کر دی تھی کہ میرے بعد خلافت کا انتظام عمر کریں علی و بنی ہاشم کو خبر نہ ہونے پائے۔

وفات حضرت ابوبکر دو سال تین مہینے کی مختصر مدت میں ایک حکومت قائم کر کے بیمار ہوئے جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے حضرت عمر کو سب کی مخالفت (باستثنائے عثمان) کے باوجود خلیفہ نامزد کر دیا کہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ ہو اور پندرہ دن داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت ابوبکرؓ اور انکی خلافت پر تبصرہ

میرے خیال میں حضرت ابو بکرؓ کو ان کے اعلیٰ تدبر و سیاست کی وجہ سے ایک عظیم الشان شخصیت تسلیم نہ کرنا حقیقت سے چشم پوشی اور کوتاہ بینی ہے۔ وہ حجاز جہاں کے باشندوں میں کبھی حکمرانی کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ان میں کی ایک فرد جس کی جوانی اور بڑھاپا تجارت میں گذرا ہو اس نے اپنے مشیروں کی رائے کے خلاف جن حالات میں حکومت قائم کی وہ ان کا حیرت انگیز کارنامہ ہے انہوں نے بستی بستی اور گاؤں گاؤں فوجیں بھیج کر پورے عرب کو تسخیر کیا اس طرح نبرد آزمائی کی خوابیدہ صلاحیتیں انگڑائیاں لے کے کھڑی ہو گئیں۔ فتوحات کا سیلاب بڑھا اور مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے عراق و ایران کی سرزمین لرزنے لگی۔ ملک گیری کی صلاحیتیں رکھنے والے مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو عاص معاویہ ابن ابی سفیان ایسے لوگ ان کی سیاست کی پیداوار ہیں انھوں نے نہ صرف حکومت قائم کی بلکہ ایسے دل و دماغ پیدا کئے جو تدبر و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ان کے طرز زندگی میں بڑی سادگی تھی معمولی کپڑے پہنے مسجد کی چٹائی پر بیٹھے رہتے تھے جہاں نہ حاجب تھے نہ دربان۔ مسائل شرعیہ میں بہت محتاط تھے قرآن و حدیث کی پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ جو بات نہ معلوم ہوتی تھی اسے صاف کہہ دیتے کہ مجھے نہیں معلوم کسی سے پوچھ کے بتاؤں گا۔ ان کی رعایا ان سے عدل کی فرمائش کر سکتی تھی وہ خود کہتے تھے کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر مجھے ٹیڑھا دیکھو تو سیدھا کر دو۔

خلافت ابوبکر کے نقصانات

(۱) رسول خدا کے گھر سے خلافت نکلنے سے ان کے اہلبیت کی اہمیت ختم ہو گئی اور ان پر سخت گیری ابتداء ہوئی۔

شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد فرماتے ہیں۔

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر کی وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ انکا وہ ادب و لحاظ جو ہونا چاہیئے تھا اس میں ضعف آگیا اور شدہ شدہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی کہ سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ رویائے صادقہ ص ۱۸۹

(۲) علم و تقویٰ میں برتری خلیفہ کیلئے ضروری نہیں رہی اس سے خلافت کا معیار گر گیا

(۳) خلافت کا ہر قبیلے میں پہنچنے کا امکان پیدا ہو گیا۔ خاص طور پر بنی امیہ میں

(۴) خلافت کا کوئی اصول قائم نہیں ہوا حضرت عمر کی بیعت سے حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے انہوں نے حضرت عمر کو نامزد کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر خلافت پر ایک نیا طریقہ وجود میں آگیا

(۵) ملوکیت کی بنیاد قائم ہوئی شمشیر و سنان سے حکومت چلی اس کے لئے جنگجو لوگوں کی ضرورت ہوئی وہ سیرت و کردار میں بلند نہ تھے دین و تقویٰ سے انہیں کام نہ تھا انہوں نے قتل و غارت پر کمر باندھ لی اور وہ کچھ کیا جس سے شیطان بھی پناہ مانگ گیا چونکہ حکومت کو ان کی تلوار کی ضرورت تھی اس وجہ سے ان کے ہر ظلم و جور سے چشم پوشی کی۔

(۶) سیاست دین پر غالب آگئی کسی سے زبردستی بیعت لی کسی کو کچھ دیکے ملا لیا جس کے دبانے میں فساد کا اندیشہ تھا اسے چھوڑ دیا ایک حیثیت کے لوگوں سے مختلف برتاؤ ہوا نبوی سنت ای سیا کا تقاضا

۷۔ مدینے زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کرنے والے مسلمانوں کا ناحق خون بہایا

۸۔ خالد بن ولید نے صحابی رسولؐ مالک بن نویرہ کو بے گناہ قتل کیا اور ان کی بیوی سے زنا بالجبر کیا۔ حضرت عمر نے خالد کو سنگسار کرنے پر اصرار کیا تو انھوں نے کہا کہ میں خالد کی تلوار کو نیام میں نہیں رکھ سکتا جب اصرار بڑھا تو مالک کی دیت ادا کر دی اور ان کی بیوی کو چھوڑنے کا حکم دیا مگر خالد نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی زندگی بھر زنائے محصنہ کرتے رہے اور حضرت ابوبکر کی نوازشیں ان پر ہوتی رہیں۔

۹۔ فجاءِ سلمیٰ کو زندہ آگ میں جلوا دیا۔ ۶۔ عنیہ بن حصن فزاری نے طلیحہ مدعی نبوت کی فوج میں شامل ہو کے مسلمانوں کا خون بہایا جب وہ گرفتار ہو کے آیا تو اس کی جان بخشی کر دی۔

۱۰۔ ابوالشجرہ۔ علقمہ بن علاثہ۔ عبدالعزیٰ جنھوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا ان سب کو چھوڑ دیا یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنے کو محفوظ کرنے کے لیے اسلام کا لبادہ کبھی نہیں اوڑھا اور اپنے کفر پر قائم رہنے کا اظہار کرتے رہے۔

۱۱۔ حرقوص کو ان کی فوج نے شبِ عروسی قتل کر دیا۔ یہ ایسی ظالمانہ حرکت تھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے مگر حضرت ابوبکر نے کچھ نہیں کہا اس کا اثر فوج اور عام معاشرہ پر بہت برا پڑا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر کے زمانہ میں فوج اس سے زیادہ کیا

۱۲۔ زمانہ جاہلیت کی بیہمانہ سزاؤں کا حکم دیا۔ یہ وہ باتیں تھیں جن سے

روح اسلام مردہ ہوگئی اور وہ سراسر ملوکیت بن گیا۔ دنیا
میں ہمیشہ یہی ہوا ہے۔

نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

"جب ان انبیاء کے بعد ان کے حواریین و تابعین کا دور شروع ہوا تو انہوں نے مذہب کی روح صلح و آشتی کو نظر انداز کر دیا اور اسے حکومت و سلطانت میں تبدیل کرنے کیلئے ہر قسم کے مادی اور غیر مادی ذرائع سے کام لے کے دنیا میں ہنگامہ برپا کر دیا اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے وہ سب کیا جو مادی و جسمانی غلبہ سے تعلق رکھتا تھا بلکہ انسان کے ذہن و فکر کو بھی مغلوب کرنے کے لئے مذہب کو روایتی حیثیت دے کر اسے تماشا بنا دیا"۔ تنقیح اسلامی غیر

یہی اسلام کے ساتھ ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول خدا کے بعد مذہب و ملت کی امامت حضرت ابو بکر نے حاصل کی۔ وہ چالیس برس کی عمر میں اسلام لائے۔ زمانہ جاہلیت کے رجحانات اور قبائلی عصبیتیں اتنے زمانہ تک ان کے دین و ایمان کا جزو رہیں بے شک اسلام لانے کے بعد ان کو سابقون الاولون میں ہونے کا شرف ہوا۔ لیکن مسلمان ہونے کے بعد بھی انہیں اپنے اہل و عیال کے لئے رزق حلال بہم پہنچانا واجب تھا۔ اس وجہ سے وہ روز صبح کو کپڑے کی گٹھڑی لیکے نکل جاتے تھے اور کوسوں کا چکر لگا کے تھکے ماندے شام کو گھر واپس آتے پھر اسی خستگی کی حالت میں ڈیڑھ میل کی مسافت اور طے کر کے خدمت رسالت میں حاضر ہوتے کم سے کم آدھا گھنٹہ نماز میں صرف ہوتا

ہو گا۔ گھنٹہ آدھ گھنٹہ نشست ہوتی ہو گی۔ حاضری کے اس قلیل وقت میں اسلام
کی تعلیم اس طرح کیسے سمجھ میں آسکتی تھی جو ہمہ وقت کے حاضر باشوں کے حصہ میں آئی
سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر سے حدیثیں بہت کم مروی
ہیں اور تفسیر میں تو شاید دس سے زیادہ نہیں ہیں۔ تیئیس[۲۳] برس کی رفاقت میں
جس کو قرآن کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتوں میں شاید دس آیتوں کی تفسیر معلوم
ہوتی ہو۔ اس نے قرآن کو کتنا سمجھا ہو گا اور اسلام سے کتنا واقف ہوا ہو گا۔ یہی وجہ
ہوئی مگر انہوں نے اسلام میں حکومت قائم کرنے اور ملوکانہ سیاست اختیار کرنے
میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ محمد حسین ہیکل کا خیال ہے کہ وقت کے حالات
نے انہیں دین میں دنیا کو داخل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر خدا کسی حالت میں
بھی دین سے تجاوز کی اجازت نہیں دیتا۔

رسول خدا کی مخالفت حضرت ابو بکر سے کہیں زیادہ ہوئی مگر انہوں نے
دین میں دنیا کو داخل نہیں کیا۔

علی کی مخالفت کیا کم ہوئی مگر انہوں نے بھی دنیوی سیاست اختیار نہیں کی
مغیرہ بن شعبہ نے ان سے کہا بھی کہ خلافت مستحکم ہو جانے کے بعد معاویہ کو معزول
کیجئے گا انہوں نے کہا دنیاوی حیثیت سے تمہارا مشورہ صحیح ہے مگر یاد رکھو جو
عمل بد کے ذریعہ غالب آیا وہ مغلوب ہے

اگر وہ مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ قبول کر لیتے تو معاویہ مطیع و فرمانبردار بن
جاتے مگر ایک طرف دنیاوی سیاست اختیار کرنا پڑتی دوسری طرف معاویہ
کے افعال کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی جن کے قبول کرنے پر وہ تیار نہیں
ہو سکتے تھے۔ کیونکہ بقول حضرت عمر وہ صراط مستقیم سے نہ ہٹ سکتے تھے نہ
کسی کو ہٹنے دیتے۔

حضرت عمر کا دورِ حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بُنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد میں پڑی لیکن نظامِ حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کے دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہوگیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام قائم نہیں ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لیے کافی ہوسکتا تھا۔ حضرت عمر نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں عرب میں مل گئیں دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔ الفاروق مدینہ پبلشنگ کمپنی صـ ۲۶۰

حضرت عمر کا عہد یقیناً اسلام کا درخشاں عہد ہے اس میں سلطنت کی بنیادیں استوار کی گئیں قواعد مملکت مضبوط بنیادوں پر قائم کیا گیا۔ ابوبکر صدیق اکبر صـ ۲۸
محمد حسین ہیکل

طرزِ حکومت

حضرت عمر نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضا سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہوسکے تاہم جو چیزیں جمہوریت کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ صـ ۲۸۲

مجلس شوریٰ و کونسل ان میں سب کا اصل اصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔
انعقاد کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا الصلوٰۃ جامعۃ

یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمر مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے نماز کے بعد منبر پر چڑھ کے خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ الفاروق صفحہ ۲۸۵ تا ۲۵۳

حضرت عمر کے فتوحات

حضرت عمر کی خلافت کا دور فتوحات سے شروع ہوا اس وجہ سے ہم بھی فتوحات سے ابتدا کرتے ہیں۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

حضرت عمر مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے بے شمار آدمی آئے تھے اور تین دن تک ان کا تانتا بندھا رہا حضرت عمر نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کہا مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ الفاروق صفحہ ۱۲۹

اشاعت اسلام | اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگ

کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر اس طریقہ کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت لا اکراہ فی الدین پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا — اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو — اسلام کے اصول سمجھا کے اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کر دیتے تھے کہ پہلے ان کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ الفاروق صفحہ ۳۹۸

جنگ قادسیہ قادسیہ پہنچ کر سعد نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائیں انھوں نے آ کر بیان کیا کہ رستم جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے سعد نے حضرت عمر کو اطلاع دی وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں — (یزدگرد) نے بڑے ساز و سامان سے دربار سجایا اور سفراء کو طلب کیا — پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟

نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا ہم دُنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں اسلام یا جزیہ ۔۔۔ اس واقعہ کے کئی مہینے بعد تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم چونکہ لڑائی سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کی گفتگو کی جائے سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا ——— آخری سفارت میں مغیرہ گئے رستم نے سلطنت کی شان وشوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلایا جائے گا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کے کہا اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا رستم بھڑک اٹھا اور صلح وآشتی کی تمام اُمیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔ الفاروق ص ۱۵۲ تا ۱۴۵

جنگ فحل

مسلمانوں کا استقلال دیکھ کے رومی عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیام بھیجا ——— رومیوں نے کہا ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم اس طرف کس غرض سے

آئے ہو ابیسینا کا ملک تم سے قریب ہے وہاں کا بادشاہ مر چکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے پاس ہے اس کو چھوڑ کر ہماری طرف تم نے کیوں رخ کیا ——— معاذ نے کہا سب سے پہلے ہماری درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ——— اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو اس سے بھی انکار ہے تو آگے تلوار ہے ———
رومیوں نے کہا اچھا ہم تم کو بلقا کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے قریب ہے دیئے دیتے ہیں تم یہ ملک چھوڑ کر واپس چلے جاؤ معاذ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔

الفاروق ص ۱۸۱ تا ۱۸۲

مصر کی فتح

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ مصر ان کی تجارت کی جولانگاہ تھا ——— اس کی شادابی اور زرخیزی ہمیشہ ان کی نظر میں پھرتی رہتی تھی حضرت عمر نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔ الفاروق ص ۲۵۳

جنگ یرموک

دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس پیغام

بھیجا (رومیوں نے) کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا ——— مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی باہان نے معمولی بات چیت کے بعد جو بطور لکچر تقریر شروع کی ———

اہل عرب! تمہاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک میں آ کر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کئے ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا لیکن تم خلاف توقع ہمارے ملک پر چڑھ آئے کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکالدو تم کو نہیں معلوم کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کئے مگر کامیاب نہیں ہوئے خالدؓ اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا خدا نے ہم پر رحم کیا اور پیغمبرؐ بھیجا ——— اس نے ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں جس نے ان کو مانا وہ ہمارا بھائی ہے جس نے نہ مانا اور جزیہ دینا قبول کیا ہم اس کے حامی اور محافظ ہیں۔ جس کو دونوں سے انکار ہے اس کے لئے تلوار ہے۔ الفاروق ص ۱۹۰ تا ۱۹۵

یہ تھا وہ جنگی اور تبلیغی طریقہ جو رسول خدا کے بعد حضرت عمر نے اختیار کیا۔ اس کے لئے ضروری ہوگیا کہ وہ آنحضرت کے طریقے کو نظر انداز کر کے نئی حکمت عملی تیار کریں۔ رسول خدا کا کوئی جنگی پروگرام ہی نہ تھا جس کے لئے مستقل فوج

رہتے یا جو ان پر حملہ کرتا تھا اس کے دفاع کے لئے رن کار فوج تیار کرتے تھے اس کی کوئی تنخواہ نہ تھی کیونکہ وہ اپنی حفاظت کے لئے لڑتی تھی ان کی تنخواہ کون دیتا۔ مال غنیمت میں ہر مجاہد کو برابر کا حصہ ملتا تھا۔

حضرت عمر کا جنگی پروگرام | حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں یہ جنگی پروگرام بنایا۔
ہر سال تیس ہزار فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں معین تھیں یعنی جو سرد ممالک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں
(الفاروق ص ۳۸۹)

فوج کی وسعت | یہ پروگرام ایک بہت بڑی اور مستقل فوج کا متقاضی تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس تقاضے کو بہت شاندار طریقے سے پورا کیا
فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجر والنصار سے ہوئی تھی۔ وسیع ہوتے ہوتے۔ تمام ملک عرب کو محیط ہو گیا۔ (الفاروق ص ۳۸۰)

عورتوں کی فوج | شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں: اس معرکہ (رومیوں کے) کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور بہادری سے لڑیں امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں عضد وا الغلفان بسیوفکم امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔ (الفاروق ص ۳۰۰)

یونانی و رومی فوج | یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔

یہودی فوج | یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ غرض حضرت عمرؓ نے

صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کوئی قید نہ تھی۔ والینٹر فوج میں تو ہزاروں یہودی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔

مجوسی فوج فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔

عیسائی فوج نمر و تغلب کے لوگوں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کے کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں ان دونوں قبیلوں کے ساتھ ہزاروں آدمی تھے۔ اور عجم کے مقابلہ میں جوش سے لبریز تھے

(الفاروق صـ ۱۳۶)

حضرت عمرؓ کی جنگیں دینی نہ تھیں اس صورت میں ان محاربات کا دین سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

ہم نے ایرانیوں کے خلاف عرب کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے دوش بدوش انہیں کی حمیت کے ساتھ لڑتے دیکھا ہے اور انس بن ہلال نمیری کو یہ کہتے سنا ہے کہ انس مانا کہ تم ہمارے ہم مذہب نہیں ہو مگر عرب ضرور ہو مجھے مہران (ایرانی سردار) پر حملہ کرتے دیکھنا تو تم بھی حملہ کر دینا اور تقریباً یہی بات انہوں نے

ابن الفہری تغلبی سے کہی تو کیا یہ اس امر کی قطعی دلیل
نہیں ہے کہ عراق کی جنگ نہ صلیبی تھی نہ اسلامی اور
اسے بھڑکانے میں کسی مذہبی جذبے کو دخل نہ تھا۔
میرے نزدیک تو یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس
میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں پھر
جو محرک عراق کی جنگ کا تھا وہی شام کی جنگ
کا تھا۔ عمر فاروق اعظم ص ۱۵۳ ہیکل

یہی وجہ تھی کہ جب معرکہ ایران میں حضرت علیؑ سے فوج کی قیادت کی خواہش
کی گئی تو انھوں نے انکار کر دیا۔

اسی وجہ سے تیسری خلافت کے موقع پر انھوں نے سیرت شیخین کی
پیروی سے انکار کر دیا۔

یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر نے اصحاب رسولؐ کو مشورہ کے لئے بلایا
تو ابو عبیدہ نے صاف کہدیا۔ ص ۲۹۷

"عمر تم اصحاب محمدؐ کو دنیا میں کیوں آلودہ کرتے ہو" الفاروق

یہی وجہ تھی کہ جب فتوحات کے بعد ممالک اسلامیہ کا انتظام درپیش ہوا تو
اس وجہ سے کہ عیسائی بھی ساتھ دے چکے تھے اور اب مجوسی بھی رعایا بن چکے
تھے ان پر اسلامی قوانین عائد نہیں کئے گئے نوشیروانی آئین پر عمل کیا نوشیروان
کے آئین انھیں بہت پسند تھے اس لئے انھوں نے مجوسیوں کو اپنا مشیر بنایا
جو ان کی خلوت کی صحبتوں میں سلاطین عجم خصوصاً نوشیروان کے آئین بتاتے تھے

حضرت عمر نے اپنے سکہ کے درہم جاری کیے جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ
تھے ص ۴۲۹

رسد کا انتظام:- شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں
پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں
البتہ گوشت کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمر مدینہ منورہ
سے بھیجا کرتے تھے۔
(الفاروق ص ۲۹۵)

• جہاں اب بغداد ہے وہاں اس زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا مثنیٰ
نے عین بازار کے دن حملہ کیا بازاری جان بچا کر ادھر اُدھر بھاگ گئے
اور بے شمار نقد و اسباب ہاتھ آیا۔ (الفاروق ص ۱۳۹)

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں۔

عذیب میں کسی ایرانی کو نہ پا کے حضرت سعد نے وہاں قیام کیا اور شب
خون مارنے کیلئے دستے بھیجنے شروع کئے جس سے لوگوں پر رعب بھی
طاری ہونے لگا اور مالِ غنیمت کے علاوہ قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ
آنے لگے ایک دفعہ ایک غارت گر دستہ رات کے وقت حیرہ کی طرف چلا
سلحین سے گذر کر جب اُس نے پل عبور کیا جو نجمین کے دار السلطنت
کے راستے میں پڑتا تھا تو شور و شغب کی آوازیں سنائی دیں یہ دستہ
ایک کمین گاہ میں چھپ گیا یہاں تک کہ ہنگامہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حاکم
حیرہ مرزبان کی بیٹی کی برات ہے جو ایک عجمی سردار حاکم صنین سے بیاہی گئی ہے
جب یہ برات مسلمانوں کی کمین گاہ سے گذری تو انھوں نے اس پر حملہ کر دیا براتی بھاگ
کھڑے ہوئے اور دلہن تیس دہقانی بیگمات اور سو خدمتگاروں خواصوں سمیت گرفتار کر لی گئی
اس کے علاوہ بہت سے قیمتی زیورات اور بیش بہا سامان ہاتھ لگا۔ حضرت سعد نے
مسلمانوں میں تقسیم کرا دی حضرت سعد نے قادسیہ میں ایک ہفتہ قیام رکھا اس دوران میں ان
کی فوج نے بڑے اطمینان کے دن گذارے البتہ کبھی کبھا چھاپہ مار دستوں کے

ذریعہ جن کا دائرہ جیرہ کسکر اور انبار تک پھیلا ہوا تھا کھانے پینے کا وافر سامان جمع ہو گیا تھا۔ حضرت سعد نے بارگاہ خلافت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں اپنے موقف کی صراحت کے علاوہ شاید قادسیہ کا مکمل جائزہ لیا گیا تھا۔ عمر فاروق اعظم صہ ۱۸۰

طبری اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ عاصم بن عمر ایک غارت گری کے سلسلہ میں میسان گئے۔ میسان والے اطراف کی گڑھیوں اور قلعہ میں گھس گئے۔ لیکن ایک شخص عاصم کے ہاتھ آ گیا عاصم نے پوچھا بتاؤ بکریاں اور گائیں کہاں ہیں؟ لیکن چرواہا ہونے کے باوجود اس نے لاعلمی کا اظہار کیا اس پر ایک بیل چلا کر بولا ہم یہاں ہیں یہ سنکر عاصم اندر گھس گئے اور تمام بیلوں کو ہانک لائے۔ عمر فاروق اعظم صہ ۱۸۶

حضرت سعد کے فوجی دستے نجف فراض اور عراق کے طول وارض میں پھیلے ہوئے قبائل کی غارتگری کر رہے تھے اور اسلامی فوج کو مویشیوں اور کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت لاحق نہ ہونے دیتے تھے۔ عمر فاروق اعظم صہ ۱۹۳

حضرت عمر ان واقعات سے باخبر تھے مولانا شبلی لکھتے ہیں۔

جاسوسی — ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی خبر ان کو پہنچتی تھی۔

ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا مذہب چھپائیں اور
چونکہ یہ لوگ وضع قطع سے عیسائی معلوم ہوتے تھے
اس لیے دشمن کی فوج میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ الفاروق صـ ۲۹۵

یہ تقیہ کا بے محل استعمال تھا اسلام اس کے لیے تقیہ کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر نو بنی حکمت عملی کا یہی تقاضا تھا۔ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر مصالح وجوہ کی بنا پر حکم دیتے تھے اور یہ بات انہیں پر منحصر نہ تھی حضرت ابوبکر نے بھی اپنے دو سالہ دور خلافت میں اسی اصول پر عمل کیا اور اسی سے ایک عظیم الشان سلطنت کی تاسیس ہوئی۔

پولیس کا قیام | شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

پولیس کا صیغہ مستقل طور سے قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ (الفاروق صـ ۳۲۵)

اسلامی نظام میں پولیس نہیں ہے خدا نے ایک کو دوسرے کا نگران بنایا ہے اور ہر شخص پر واجب کیا ہے کہ وہ اچھائیاں کرنے کا حکم دے اور برائیاں کرنے سے روکے اس میں حکمت یہ ہے کہ جب ہر شخص اپنے اوپر واجب سمجھ کے لوگوں کو برائیاں کرنے سے روکے گا اور اچھائیاں کرنے کا حکم دے گا تو پہلے اپنی تطہیر آپ کرے گا اس طرح سارا معاشرہ متقی و پرہیزگار بن جائے گا پولیس کا قیام اس فرض عمومی کو سلب کر دیتا ہے اس طرح قرآن کا یہ حکم وجوبی معطل ہو جاتا ہے جو معاشرہ کی درستی کا ضامن ہے۔

حضرت عمر کی سیاست

مولانا شبلی لکھتے ہیں :-

حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں ان کو اختیار کرتے تھے۔ خراج۔ عشر۔ دفتر۔ رسید۔ کاغذات حساب ان تمام انتظامات میں انھوں نے ایران و شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیجدو چنانچہ یہ زمیندار مترجم کے ساتھ ان کے پاس آئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مال گذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا؟ — جزیہ حالانکہ مذہبی لگاؤ رکھتا ہے تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول مدنظر رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں اور بالخصوص جزیہ ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے:-

ذی الوضائع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین۔ افتتح بلاد الفرس

یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتدار کی اس سے زیادہ صاف اور مصرح علامہ بن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے ـــــ

عمر فارس کے چند آدمیوں کو	ان عمر یکثر الخلوۃ
اپنی صحبت خاص میں رکھتے تھے	بقوم من الفرس
یہ لوگ اُن کو بادشاہوں کے	یقرؤن علیہ سیاسا
آئین حکومت پڑھ کر سُنایا	ت الملوک ولا سیما
کرتے تھے خصوصاً شاہان	ملوک العجم الفضلاء
عجم اور ان میں بھی خاص کر	وسیما انوشیروان
نوشیروان کے اس لئے کہ ان	فان کان معجباً بھا
کو نوشیروان کے قانون بہت پسند تھے	کثیر الاقتداء بھا

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر نے اس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کر لیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے مشورہ لیتے تھے۔ الفاروق صفحہ ۷۹ ، ۷۰ ، ۲۸۱

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مصر کی طرح وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ الفاروق صفحہ ۳۲۲

اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمر نے برتا یہ تھا کہ

بند وبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی
یا عیسائی تھے ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے ۔ اسی طرح مصر کے
انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے جو پہلے مصر
کا حاکم تھا خراج کے معاملہ میں اس سے رائے لو ۔ (الفاروق ص۳۲۹)

زمیندار و تعلقہ دار | جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار
تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے ۔
حضرت عمر نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے
جو اختیار و حقوق تھے سب بحال رکھے ۔ (الفاروق ص۳۱۵)

جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات
پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا یہاں تک کہ دفتر کی زبان
تک نہیں بدلی ۔ خراج کے محکمہ میں جس طرح قدیم پارسی یونانی ملازم
تھے ۔ بدستور بحال رہے ۔ (الفاروق ص۳۱۷)

ملازمت اور خدمت تو ایک طرف حضرت عمر نے فرائض کی
ترتیب اور درستی کے لئے ایک رومی اور ایک عیسائی کو مدینہ
منورہ میں طلب کیا (الفاروق ص۲۹۱)

حضرت عمر نے اپنے سکے کے درہم جاری کئے جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے
(الفاروق ص۲۹۴)

عہدہ دار | صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے صوبیدار رہتے تھے
والی ۔ یعنی حاکم صوبہ ۔ احداث یعنی پولیس افسر کاتب میر منشی صاحب
بیت المال افسر خزانہ کاتب دیوان دفتر فوج کا میر منشی قاضی صدر
الصدور منصف صاحب الخراج کلکٹر صاحب احداث پولیس افسر ۔ (الفاروق ص۲۹۳)

طٰہٰ حسین لکھتے ہیں۔ مکہ کے لوگوں کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

جب صحرانشین بدوؤں نے حضرت ابوعبیدہ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی کے رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرانشینوں کا روزینہ مقرر نہیں ہو سکتا۔ (الفاروق ص ۳۰۲)

حضرت فاروق غیر مسلم محتاجوں کو بھی وظائف دیا کرتے تھے۔ (تہذیب و تمدن اسلامی ص ۱۴۰)

پولٹیکل تنخواہیں عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور و اقتدار قائم تھا اس لیے ان کی پولٹیکل تنخواہیں مقرر کیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے ــــــ شام و مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائداد نہیں چھوڑا تھا ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انھوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ الفاروق ص ب

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمر نے مصر و شام میں لوگوں کے ساتھ کچھ رعائتیں کیں اور ایران کے زمینداروں کی پولٹیکل تنخواہیں مقرر کیں اور مکہ کے مسلمانوں اور بادیہ نشینوں کو کچھ نہیں دیا۔

جاگیر کا رواج ان تمام زمینوں (عراق کی) کو حضرت عمر نے خالصہ قرار دے دیا تھا جس کی آمدنی ساٹھ ستر لاکھ تھی رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی تھی کبھی کبھی کسی شخص کو صلہ میں جاگیر عطا کی جاتی تو انھیں زمینوں سے۔ (الفاروق)

وظائف میں اضافہ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے ان بزرگوں میں سے ہر ایک کا وظیفہ ان کے مرتبہ اور مقام سبقت باسلام اور رسولِ خداؐ سے نسبت و قرابت کے مدنظر مقرر کیا تھا۔ (الفتنۃ الکبریٰ ص ـــ)

جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ ان کی تنخواہ مقرر نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ فطرتاً مجتہد تھے آپ کو ان کے اقوال وافعال میں قدم قدم پر اجتہاد نظر آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رسولِ خداؐ سے اُن کی زندگی اور بعد دونوں میں اختلاف کیے بغیر نہ رہ سکے تو حضرت ابوبکرؓ سے اختلاف کیوں نہ ہوتا۔

رشید اختر ندوی لکھتے ہیں:۔

صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ نے تقسیم میں مساوات کیوں برتی اسلام لانے کے شرف کو ملحوظ کیوں نہ رکھا حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ پہلے اسلام نے کا اجر اللہ پر ہے وہ اس کا اجر دے گا۔ یہ معاش ہے اس میں مساوات ہی بہتر ہے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ ابوبکرؓ کی رائے اور تھی اور میری رائے اور ہے۔

(تہذیب و تمدن اسلامی۔ حصہ اول ص۱۹۷)

چونکہ فتوحات سے مال غنیمت بکثرت آنے لگا اس وجہ
بیش قرار تنخواہوں کے ساتھ سرکاری عمارتیں بھی عالیشان
تھیں ان کے علاوہ امرائے اسلام نے

عالیشان محلات تعمیر کرائے طلحہ بن عبداللہؓ نے کوفہ
میں ایک عظیم الشان محل تیار کرایا ـــــ مدینے
میں ایک ایسا ہی محل بنوایا تھا سعد بن وقاصؓ نے
وادیٔ عقیق میں ایک ایسا محل بنوایا تھا جس کی چھت
بہت بڑی اور بہت اونچی تھی۔

اگر حضرت ابوبکرؓ کو یہ اولیت حاصل ہے کہ وہ ایک سلطنت کے بانی تھے
تو حضرت عمرؓ کو اس کے معمار ہونے کا فخر حاصل ہے۔ وہ اس ریگزار میں
ایک تہذیب نو ایک تمدن جدید اور ایک تنظیم خاص کے بانی تھے۔

نیاز فتحپوری ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

مسلمانوں کی یہ جدید معرکہ آرائیاں نہ صرف ایامِ
جاہلیت سے مختلف تھیں بلکہ عہد نبوی کے غزوات
سے بھی مختلف تھیں عربوں میں باقاعدہ و منظم عسکریت
پیدا کرنا ان کے لئے نئی زندگی تھی نئی دشوار گذار
منزل تھی اس میں شک نہیں کہ اس نازک دور سے کامیاب
گذر جانا محض تصرف تھا حضرت عمرؓ کی فراست
کا ـــــ پھر حضرت عمرؓ کے سامنے صرف جنگی سیاست
ہی کی دشواریاں نہ تھیں بلکہ عام نظم و نسق کے
بھی اہم مسائل آپ کے سامنے تھے مفتوحہ ممالک

کا تغیر کے مروجہ اصول کے مطابق انتظام کرنا عربوں
میں نظم و نسق کی اتنی ہی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ـــــــ جو
مالِ غنیمت ہاتھ آتا اس کا ایک حصہ بیت المال
میں رکھ دیا جاتا تھا اور باقی سب گورنروں کے ذاتی
مصارف کے کام آتا تھا اسی عمل کو حضرت عثمان نے
بھی جاری رکھا جس سے اصل مقصد امراء کو دولتمند
بنانا نہ تھا بلکہ اس سطح پر لے آنا تھا کہ وہ بھی بازنطینی
اور ایرانی حکومتوں کے مقابلہ میں ایک باضابطہ
حکومت قائم کر کے ان پر اپنا رعب ڈال سکیں۔ یہ
تھا وہ بنیادی خیال جس کو حضرت عمرؓ نے عملی صورت
دی بنی امیہ نے آگے بڑھایا اور بنی عباس نے اس
سے پورا فائدہ اٹھایا۔ تبصرہ خلافت معاویہ و یزید صہ ۱۳ تا ۱۶

حضرت عمرؓ کے ذہن میں جس عظیم الشان حکومت کا تصور تھا اس کے لئے
تنخواہوں کا معیار بلند کرنا ضروری تھا انھوں نے پہلے اپنی تنخواہ متعین کرانا
چاہی مگر معاملہ اپنی ذات کا تھا اس لئے خود کچھ کرنا مناسب نہ تھا اصحابِ
رسولؐ کا جلسہ طلب کر کے معاملہ پیش کیا لوگوں نے مختلف رائیں دیں حضرت
علی خاموش تھے جب ان سے خاص طور سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا
معمولی کھانا کپڑا۔ یہ تجویز ان کو پسند نہیں آئی کیونکہ ان کے ذہن میں جس
عظیم الشان حکومت کا تصور تھا اس کی روح کے یہ منافی تھی۔ شبلی
نعمانی فرماتے ہیں۔

امیر معاویہ شام میں بڑے سرو سامان سے رہتے تھے

اور حضرت عمر ان سے کچھ تعارض نہیں کرتے تھے شام کے
سفر میں حضرت عمر نے ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر اسقدر
کہا۔ "یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا"، مگر جب
انھوں نے جواب دیا کہ رومیوں سے سابقہ ہے
اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و
داب قائم نہیں رہ سکتا تو حضرت عمر نے پھر تعارض
نہیں کیا۔ الفاروق ص ۳۰۷

یہی وجہ تھی کہ امیر معاویہ کی تنخواہ سب سے زیادہ تھی پانچہزار روپے ماہوار
لیکن معاملہ اس وقت ان کی ذات کا تھا اس لئے حضرت عمر خاموش ہو گئے
اور حضرت علیؑ کی تجویز پر عمل کیا۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی ادنیٰ
سے ادنیٰ شرح جو دو سو روپے تھی تین سو روپے کر دی
افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کے دس ہزار
تک بڑھا دی۔ الفاروق ص ۳۸۵

عمال کی دیانت اور راست بازی قائم رکھنے
کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا کہ تنخواہیں
بیش قرار مقرر کیں۔ الفاروق ص ۳۰۷

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کا دور عام خوشحالی اور
عیش و نشاط کا دور تھا مگر کچھ لوگ ضیق میں بھی تھے۔

نظر بندی | جو لوگ زیادہ با اثر تھے ان کو دار الخلافہ سے باہر جانے نہیں دیتے تھے ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں فرمایا اس کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے۔ بنی ہاشم کو ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ تر مصلحت یہی تھی۔ الفاروق صـ ۲۷۵

الد. طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

وہ (حضرت عمر) جانتے تھے کہ گو وہ ان صحابہ پر والی مقرر ہوئے ہیں لیکن وہ ان سے بہتر اور فائق نہیں ہیں۔ ان سے ہمیشہ محتاط رہے کہ ان کی جانب سے کوئی فتنہ برپا نہ ہو ــــــ چنانچہ ان سب کو مدینے میں روک لیا اور بغیر اجازت مدینے سے باہر جانے کی آزادی نہ تھی۔ انھیں اسلامی مفتوحہ علاقوں میں بھی بغیر اجازت جانے سے منع کر دیا۔ الفتنۃ الکبریٰ صـ ۳۱

مولانا شبلی اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے جو کارنامہ حضرت عمر کے پائے نام کرنا چاہا ہے اس کا سہرا حقیقت میں حضرت ابوبکر کے سر ہے یہ پالیسی انھیں کی بنائی ہوئی تھی۔ دوسرے یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے تمام صحابہ کہہ کے جو وسعت پیدا کرنا چاہی ہے۔ غلط ہے ابو عبیدہ عمرو عاص۔ مغیرہ بن شعبہ۔ سعد بن ابی وقاص ابو ہریرہ ابو موسیٰ اشعری وغیرہ یہ سب صحابی تھے اور ممالک مفتوحہ کے حکمران تھے۔

علم فقہ اور حضرت عمر

فتوحات اور آئین مملکت کے علاوہ حضرت عمر نے مسائل شرعیہ کی طرف بھی توجہ کی اور ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ مولانا شبلی تحریر فرماتے ہیں۔

حدیث و فقہ کا فن تمام تر ان کا ساختہ و پرداختہ ہے صحابہ میں اور لوگ بھی محدث و فقیہ تھے چنانچہ ان کی تعداد بیس سے زائد بتائی گئی ہے لیکن فن کی ابتدا حضرت عمر سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انھوں نے ہی قائم کئے۔ الفاروق صٓ ۵۱۲

سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ الفاروق صٓ ۵۰۴

۱۔ "حضرت عمر ہمیشہ مصالح و وجوہ پر غور کرتے تھے"

۲۔ انھوں نے احادیث کی تفتیش زیادہ کی تاکہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے مطابق طے کئے جائیں۔ اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کے کہتے کہ کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟

الفاروق صٓ ۵۱۳

۳۔ حضرت عمر نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت

اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی طرف چنداں اعتنا نہیں کیا اس میں بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت کے وہ اقوال جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں مختلط نہ ہونے پائیں۔ الفاروق ص ۵۱۶

کتب سیر و احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے مواقع ایسے پیش آئے کہ آپ نے کہ جناب رسول خدا نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت نے عبداللہ بن ابی سلول کے جنازے کی نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے کی نماز پڑھتے ہیں۔ قیدیان بدر کے معاملہ میں ان کی رائے بالکل آنحضرت کی رائے سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے کہا کہ اس طرح دب کے کیوں صلح کی جائے تم ان مثالوں سے خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ باوجود اس امر کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے باہر سمجھتے۔

اس فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رائے پر عمل کیا۔

۴ ـــــ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت کے اقوال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے اور اگر خدانخواستہ وہ کرنا بھی چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لئے بھی مسندِ خلافت پر ان کا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔ الفاروق صـ ۵۳۸ تا ۵۴۷

۵۔ حضرت عمر کو امتیازِ مراتب کی جرارت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت کے متعدد احکام میں جب انھوں نے دخل دیا تو آنحضرت نے ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الٰہی نے حضرت عمر کی تائید کی۔ الفاروق صـ ۵۳۸

مولانا شبلی نے پانچ باتیں کہی ہیں ہم اسی ترتیب سے ان پر غور کریں گے۔

(۱) مصالح وجوہ کے فتوے

مولانا شبلی نے یہ بہت مختصر اور مجمل بات کہی ہے کہ

"حضرت عمر ہمیشہ مصالح وجود پر غور کرتے تھے"

یہ بات انہیں یوں کہنا چاہیئے تھی، حضرت عمر سیاسی مصالح تمدنی ضرورت اور ملکی انتظام میں مصالح وجوہ پر غور کر کے فتویٰ دیتے تھے۔ قیصر و کسریٰ جو آئین انھوں نے اختیار کئے ان کو تفصیل سے مولانا شبلی نے بیان کر دیا ہے۔

سیاسی مصالح کے فتوے

تقیہ۔ آنحضرت نے جاسوسوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے مذہب کو چھپا کے دشمن کی چھاؤنیوں میں جائیں اور خبریں لائیں۔

تقیہ کے معنی ہیں حفظ نفس کے لیے خلاف واقعہ اظہار۔ پیغمبر خدا نے اپنی زندگی میں دو دفعہ تقیہ کیا۔

ا۔ محمد حسنین ہیکل لکھتے ہیں :۔

رسولؐ کا تقیہ | ابتدائی مسلمان قریش کی دشمنی کے خیال سے اپنے اسلام کو چھپائے تھے اور نماز کے وقت اطراف مکہ میں پہاڑوں کے دروں میں نماز پڑھتے تھے۔ عمر فاروق اعظم صٓ ۸۹

۲۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد جب آنحضرت کے قتل کا منصوبہ بنا تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم میری سبز چادر اوڑھ کے سو جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ سمجھیں کہ رسولؐ سو رہے ہیں اور وہ تلاش نہ کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے۔ التقیۃ دینی و دین آبائی

عمار یاسر کا تقیہ | جب عمار کے والد اور والدہ کو نہایت بے دردی سے شہید کر کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تم بھی مسلمان ہو گئے ہو تو انھوں

نے انکار کیا اور مدینہ جا کے رسول خدا سے واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا۔

مصر کے مشہور عالم محمد ابو زہرہ تقیہ کی یہ حد بتاتے ہیں۔

جب کسی ملک میں اسلام قوت شوکت سے محروم ہو جائے اور مسلمان وہاں سے نکل بھی نہ سکتے ہوں تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ آدمی دین کا اخفا کرے یہ آسانی اور سہولت کے لئے اجازت عطا کی گئی ہے۔ امام احمد بن حنبل ص ۱۳۹ (ترجمہ)

حضرت عمر نے سیاسی مصلحت سے تقیہ کی اجازت دے دی۔

سلب قتیل

براء بن عاذب جو حضرت علیؑ کی خلافت کے قائل تھے اور انھوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی ان کو ایک موقع پہ سلب قتیل بہت ملا حضرت عمر نے اس میں سے خمس لے لیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ آنحضرت سلب قتیل میں خمس نہیں لیتے تھے۔

اس کے بعد اپنی رائے لکھتے ہیں :۔

کم قیمت و بیش قیمت ہر طرح کا سلب قتیل رسول خدا نے قاتل کا حق قرار دیا ہے مگر حضرت عمر کا اجتہاد یہ ہے۔ فقہ عمر

تمدنی ضرورت کے فتوے

"الطلاق مرتان" قرآن میں طلاق کی حد دو دفعہ ہے اور دونوں کی

عدت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ اس سے کچھ لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ناراضی کی حالت میں طلاق دے کے پھر رجوع کر لیا پھر طلاق دیا پھر رجوع کر لیا۔ اس طرح ایک مدت تک اس کو آزاد ہونے سے باز رکھا۔

جب حضرت عمر نے یہ صورت دیکھی تو فتویٰ دیا کہ اب پہلے ہی طلاق کے بعد حق رجوع ختم ہو جائیگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں :۔

> بروایت مسلم ـــــ ابن عباس فرماتے ہیں کہ عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر اور خلافت عمر کے ابتدائی دو سال تک تین طلاق ایک ہی شمار ہوتیں اس کے بعد حضرت عمر نے فرمان جاری کیا کہ لوگوں کو جس کام میں سہولت تھی انھوں نے خود اس کا دروازہ بند کر دیا۔
>
> جبکہ رسول اللہ نے تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا تو اب یہ نسخ کیسا؟

متعہ

سورہ نساء میں ہے۔ فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃً جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو ان کا مہر ادا کرنا بھی تم پر واجب ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ زمانہ رسالت مآب عہد ابوبکر اور نصف زمانہ خلافت عمر تک متعہ جاری رہا مگر انھوں نے اپنی خلافت کے نصف زمانے کے بعد ممانعت کا حکم ان الفاظ میں

متعتان کانتا علیٰ عہد رسول اللہ وانا انہا عنہما واعاتب علیہا۔
دو متعہ عہد رسالت میں جائز تھے (متعۃ الحج ومتعۃ النساء) میں ان کو منع کرتا ہوں
اور ان کے مرتکب کو سزا دوں گا۔

ایک لطیفہ ہمارے ایک سنی دوست جنکو یہ غلط فہمی تھی کہ وہ بڑے عالم اور بہت ذہین ہیں ہم سے بہت بے تکلفی تھی ایک دن کہنے لگے تمہارے مذہب سے بہتر کوئی مذہب نہیں یہ دنیا کا واحد مذہب ہے جسمیں زنا جائز ہے میں نے کہا کہاں لکھا ہے کہا فقہ کی ہر کتاب میں ہے کہ متعہ جائز ہے میں نے کہا یہ قرآن میں بھی ہے کہا وہ ایک وقتی حکم تھا بہت دن سے مجاہد اپنی بیویوں سے جدا تھے تو خدا نے حکم دیا کہ متعہ کر لو میں نے کہا اگر وہ زنا تھا تو متعہ کرنے کی کیا ضرورت تھی زنا کہا ہوتا اس کے معنی یہ ہیں کہ زنا و متعہ میں فرق ہے کہا کیا فرق ہے میں نے کہا زنا ہر عورت سے ہو سکتا ہے متعہ اسی عورت سے ہو سکتا ہے جس سے نکاح ہو سکتا ہے جس طرح نکاح میں مہر کی شرط ہے اسی طرح متعہ میں شرط ہے جس طرح نکاح میں طلاق کی عدۃ ہے اسی طرح متعہ میں عدۃ ہے بدکار عورت سے نکاح میں جو قباحت ہے وہی متعہ میں ہے جس طرح منکوحہ کی اولاد میراث پائے گی اسی طرح ممتوعہ کی اولاد وارث ہوگی
زنازادہ کو میراث نہیں ملے گی صرف موقت ودائمی کا فرق ہے اسکو زنا یا عیاشی کہنا درست نہیں
غیر مسلم اسلامی نکاح کو عیاشی کہتے ہیں کیونکہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں زوجہ سے علیحدگی کا قانون نہیں عیسائی مذہب میں زنا کے ارتکاب پر عورت کو طلاق کا قانون ہے معترض کہتا ہے کہ اسلامی نکاح عیاشی ہے نکاح کیجیے پسند نہ آئے طلاق دے دو۔ ہر قانون سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے مگر اس وجہ سے اس کو منسوخ کر کے اس کی افادیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا جس شوہر و زوجہ سے کسی وجہ سے نباہ ممکن نہیں اس کا حل طلاق ہی ہے۔

---

[1] آیۃ متعہ کی ناسخ کوئی آیت نہیں اسی وجہ سے حضرت عمر نے کہا کہ میں منع کرتا ہوں۔ درمنثور ج ۲ ص ۱۴۰ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰۰ تفسیر کشاف ج ۱ ص ۳۶۰ تفسیر معالم التنزیل ص ــــــ مستدرک حاکم تاریخ طبری صحیح مسلم جمع بین الصحیحین۔ عینی شارح بخاری نے حضرت عمر کا یہ قول لکھا ہے۔

ناجائز فائدہ اٹھانے کے خیال سے حرام کر کے ان کی زندگی تلخ نہیں کیجا سکتی۔

شاعری اور حقیقت میں فرق ہے امکانات کی دنیا میں آبادی بہت کم ہوتی ہے کون اپنی بیوی کی ہنسی خوشی چھوڑتا ہے جب تک حالات مجبور نہیں کرتے۔

متعہ میں بڑی حکمت اور افادیت ہے۔ دنیا میں تین طرح کی عورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ بدکار اور فاحشہ ان سے نہ نکاح جائز ہے نہ متعہ۔ ۲۔ بیوہ یا مطلقہ ان سے متعہ مستحب ہے کیونکہ وہ ایک مرد کے ساتھ زندگی گذار کے ایک معاشرت و مزاج کی عادی ہو چکی ہیں اگر مطلقہ ہیں تو نہیں معلوم کس کی خرابی سے طلاق ہوا ان سے متعہ مستحب قرار دیا گیا کہ اگر وہ مزاج کے موافق نہ ہوں تو بعد ختم میعاد یا میعاد سے پہلے صرف یہ کہدینے سے کہ میں نے تمہاری مدت معاف کر دی وہ علیحدہ ہو جائیگی۔ اور اگر وہ مزاج کے موافق ہو تو دائمی متعہ یا نکاح کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ وہ عورتیں جو شرم و حیا عفت اور پاکدامنی میں اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں یعنی باکرہ ان سے متعہ مکروہ اور نکاح مستحب ہے وہ صرف اتنا کہدینے سے کہ میں نے تم کو طلاق دیا۔ مطلقہ نہیں ہوں گی بلکہ شاہدین عدلین کے سامنے ان کا طلاق ہوگا اور ایام عدت تک رجوع کا حق باقی رہے گا تیسرے طلاق کے بعد حق رجوع ختم ہوگا اس طرح ایک مدت تک اپنے فیصلہ پر غور کرنے کا موقع باقی رہتا ہے۔

(۲)
احادیث کی تفتیش

بے شک ایسا بھی کبھی ہوتا تھا کہ حضرت عمر مجمع عام میں پکار کے

کیئے کہ اس معاملہ میں کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ لیکن ایسے فتوے بھی بہت ہیں جو انھوں نے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیے بغیر صادر فرمائے اور لوگوں کے ٹوکنے اور حدیث بتانے پر بدل دیئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں خلفائے راشدین کے خصائص بیان کئے ہیں اس کے مقصد دوم میں ایک رسالے مذہب عمر فاروق ہے اس کا اردو ترجمہ فقہ عمر کے نام سے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے شائع کیا ہے اس میں حضرت عمر کے وہ فتوے ہیں جو انھوں نے اپنے دورِ خلافت میں دیئے ہیں ان میں سے کچھ فتوے ایسے ملاحظہ کیجئے جو انھوں نے حدیث معلوم کئے بغیر صادر فرمائے اور حدیث معلوم ہونے کے بعد ان کو بدل دیا۔

مقتول کا ترکہ

بروایت شافعی حضرت عمر کا اجتہاد ہے کہ مقتول کی دیت میں اس کی زوجہ کو ترکہ نہ دیا جائے لیکن جس وقت ضحاک بن اسیم ضبیائی کی یہ حدیث معلوم ہوئی کہ آنحضرت نے ضحاک کی طرف یہ تحریر بھیجی کہ اسیم ضبیائی کی دیت میں اس کی بیوی کو ترکہ دیا جائے تو امیرالمومنین اپنے سابقہ قیاس سے پلٹ گئے۔

فقہ عمر ص۲

دیت جنین

بروایت امام شافعی حضرت عمر شروع میں دیت جنین کے قائل نہ تھے لیکن جب آپ کو حمل بن مالک کی روایت ملی تو اپنے سابقہ فتوے سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا اگر ہم اس حدیث سے مطلع نہ ہوتے تو ہمارا فتویٰ حدیث کے خلاف ہی ہوتا۔ فقہ عمر ص۲ بحوالہ کتاب الام

مہر میں کمی

عورتوں کے تقلیل مہر پر اصرار تھا ایک عورت نے آپ کے سامنے

یہ آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ عورتیں مجھ سے زیادہ افقہ ہیں۔

انگلیوں کی دیت بروایت شافعیؒ انگلیوں کی دیت کا مسئلہ انھیں معلوم نہ تھا انھوں نے اپنی طرف سے منفعت اور حسن وخوبی کے لحاظ سے ہر انگلی کی دیت الگ الگ مقرر کی تو عمر بن حزام نے انھیں حدیث بتائی تو انھوں نے اپنا فتویٰ بدل دیا۔ فقہ عمر

کچھ فتوے حدیث معلوم ہونے کے بعد بھی نہیں بدلے جیسے جنب کے لیے تیمم کافی نہ ہونا۔

حضرت عمر فطرتاً مجتہد تھے انھوں نے ایسے فتوے بھی دیئے ہیں جن کا قرآن وحدیث میں کہیں پتہ نہیں مثلاً۔

گوشت کھانے سے ابطال وضو حضرت عمر کے نزدیک پکا ہوا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ، ابوبکر، عمر عثمان کے ساتھ روٹی اور گوشت کھایا اور نماز پڑھی مگر تجدید وضو نہیں کیا۔ فقہ عمر

مس ذکر سے ابطال وضو بروایت شافعی ایک مرتبہ نماز میں حضرت عمر کا ہاتھ شرم گاہ سے مس ہو گیا آپ مقتدیوں کو اسی طرح قیام جاری رکھنے کا اشارہ کر کے باہر آئے اور دوسرا وضو کیا۔ فقہ عمر

انبیاء کے نام کی ممانعت حضرت عمر کا فتویٰ تھا کہ انبیاء کے ناموں پر اپنے نام نہ رکھنا چاہیئے

ابو محمد بلخی نے متنبہ کیا کہ خود رسول اللہ نے میری کنیت ابو محمد رکھی تھی۔ فقہ عمر

تطہیر صومعہ نجران کے مسلمانوں نے پوچھا کہ یہاں ایک حجرہ خالی پڑا ہے اس میں ہم نماز پڑھ سکتے ہیں؟ جواب دیا کہ پہلے بیری کے پتے پانی میں جوش کر کے اس کو دھو ڈالو۔ فقہ عمر ص ۵۷

نصرانیہ ماں کی مشایعت جنازہ بروایت ابو بکر حضرت وائل نے پوچھا کہ میری والدہ نصرانیہ تھیں، انتقال کر گئیں میں ان کے جنازہ کی مشایعت کر سکتا ہوں فرمایا کسی سواری پر سوار ہو کے آگے آگے رہنا۔

صائم الدھر کو سزا ایک شخص کو صائم الدھر ہونے پر حضرت عمر نے تعذیر فرمائی۔ فقہ عمر ص ۱۱۱

دو ستونوں کے درمیان نماز کی ممانعت بروایت ابو بکر جناب قرہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھ رہا تھا حضرت عمر نے اسی حالت میں گدی پکڑ کے ایک ستون کے سامنے لا کے کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ اس طرح نماز پڑھو۔ فقہ عمر ص ۵۲

ولایت بالغہ رشیدہ حضرت عمر کے نزدیک بالغہ عورت بغیر ولی د گواہ کے نکاح نہیں کر سکتی۔

متضاد فتوے بروایت بیہقی ایک عامل نے پوچھا کہ اس خطے کے

لوگ جو ہم سے پہلے آباد تھے۔ سامری کہلاتے ہیں یہ سب اتوار کو عبادت کرتے ہیں توراۃ پڑھتے ہیں اور قیامت پر ان کا اعتقاد ہے کیا ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے۔ فقہ عمر

آپ نے جواب دیا کہ یہ لوگ اہل کتاب ہیں ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے۔ فقہ عمر

بروایت شافعی حضرت عمر نے فرمایا بنی تغلب کے نصاریٰ اہل کتاب نہیں ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال نہیں۔ فقہ عمر

نئی عبادت ۱۴ھ میں نماز تراویح مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ قائم کی (الفاروق) صفحہ ۲۱۴

کچھ علمائے اہل سنت اسے نفل اور کچھ سنت کہتے ہیں مگر بدعت حسنہ کہتے ہیں یعنی بدعت تو ہے مگر اچھی بدعت ہے اور غالباً اس وجہ سے اچھی کہتے ہیں کہ اسمیں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں ہوتی کل بدعۃ ضلال ہر بدعت گمراہی ہے اس کے علاوہ اس کے احکام بھی احکام نماز سے مختلف ہیں نماز استسقا کے علاوہ ہر نفل وسنتی نماز جماعت سے باطل ہے۔ ہر نماز قبلہ سے منحرف ہونے چلنے پھرنے یا وضو ساقط ہو جانے سے باطل ہو جاتی ہے لہذا وضو کر کے پھر سے نماز پڑھنا چاہیے یعنی جہاں سے نماز چھوڑی تھی وہیں سے نہیں بلکہ شروع سے پڑھنا چاہیے تراویح کے طولانی قیام میں کچھ کو رفع حاجت کے لیئے جانا پڑتا ہے کچھ کا وضو ساقط ہو جاتا ہے تو وہ قبلہ سے منحرف ہوتے ہیں صف سے نکلتے نہیں الخ کی نماز جاری رہتی ہے وہ وضو کر کے اس میں شریک ہو جاتے ہیں جہاں سے چھوڑی تھی وہاں سے بھی نہیں بلکہ امام بہت کچھ آگے بڑھ چکتا ہے

جو احکام نماز کے بالکل خلاف ہے میرے خیال میں اسے نماز کہنا اور نماز کی شکل دینا مناسب نہیں۔

رسول کی دو حیثیتیں

اس میں شک نہیں کہ رسول کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک بشری دوسری الہامی خدا نے قرآن میں بھی فرمایا ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ اے رسول کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں فرق یہ ہے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے دوسری جگہ فرمایا ہے ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ تمہارے لئے رسول کی ز

عمل کا نمونہ ہے اور رسول اللہؐ کی سیرت کے دو پہلو ہیں ایک الہامی دوسرا بشری۔
الہامی حیثیت میں تو ان کی پیروی ہو نہیں سکتی کیونکہ وہ نبوت کی خصوصیت ہے
بشری حیثیت میں ان کا اتباع ہو سکتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ بشری حیثیت
میں ان کے اتباع کی ضرورت کیا ہے جبکہ اس میں ہم اور وہ دونوں برابر
ہیں اس کا جواب معلوم کرنے کے لیے ہمیں آیت کے دوسرے ٹکڑے یوحیٰ
الیّ کو سمجھنا چاہیے یعنی بشری حیثیت کے ساتھ نزول وحی بھی جس کا مقصد
بشری حیثیت کی تشکیل ہے اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ بشری حیثیت کیا
ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ نفس کی خواہشیں۔ انھیں میں پیغمبرؐ
کی تاسی کا حکم ہے یعنی جس طرح انھوں نے اپنے نفس کو مرضی الٰہی کا تابع
بنا دیا ہے اسی طرح تم بھی بنا دو اور پیغمبرؐ کو مرضی الٰہی وحی کے ذریعے معلوم
ہوئی اس طرح رسولؐ کی بشری حیثیت الہامی حیثیت میں مدغم ہو جاتی ہے
اسی وجہ سے ہم کو ان کی بشری حیثیت میں اتباع کا حکم ہے۔

قرآن میں پیغمبروںؐ کو اپنی طبیعت سے کچھ کہنے کی ممانعت ہے
اور نبی آخر الزماں کے لیے تو خاص طور پر بتا دیا گیا ہے کہ وہ بغیر وحی
کے کچھ کہتے ہی نہیں اسی لیے ان کا ہر فعل اپنا فعل قرار دیا ہے یہاں تک کہ
اگر وہ تیر پھینکیں تو سمجھو کہ اللہ نے تیر پھینکا اس کے بڑھ کے رسولؐ کے
ہر قول و فعل کے منصب نبوت سے متعلق ہونے کے اور کیا دلیل ہو سکتی ہے
ان کے احکام کو بشری اور الہامی حیثیت میں تقسیم کرنا بڑی گمراہی
کی بات ہے خدا نے کہیں نہیں کہا کہ پیغمبرؐ کچھ باتیں بشری حیثیت سے کہتے
ہیں کچھ الہامی حیثیت سے، اور بشری حیثیت کی باتوں میں ان کی پیروی
ضروری نہیں۔ نہ رسولؐ نے کبھی کہا کہ میرے اقوال دو قسم کے ہیں

الہامی اور بشری دوسری قسم کے احکام کی پیروی ضروری نہیں اس کے برخلاف خدا نے مجموعی طور پر حکم دیا کہ رسولؐ جو حکم دیں اسے مانو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اگر دو طرح کے احکام ہوتے تو جس طرح واجب۔ مستحب۔ حلال۔ حرام مکروہ کو الگ الگ بتایا گیا اسی طرح یہ بھی بتایا جاتا کہ اس قسم کے احکام پر عمل ضروری نہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ خود حضرت عمرؓ کا بھی کوئی قول موجود نہیں۔ جس میں انھوں نے کہا ہو کہ رسولؐ کے کچھ احکام الہامی اور کچھ بشری ہیں اور میں بشری احکام کی پیروی ضروری نہیں سمجھتا۔

مولانا شبلی نے احکام رسولؐ کے خلاف حضرت عمرؓ کے فتوے دیکھ کے یہ خیال کیا کہ الہامی اقوال میں تو مداخلت ہو نہیں سکتی۔ لہذا بشری حیثیت کی باتوں میں انھوں نے اختلاف کیا اس طرح یہ اختلاف درست قرار دیا جا سکتا ہے اس کے لئے دونوں قسم کے احکام کا فرق بتانا ضروری تھا وہ فرق انھوں نے یہ نکالا کہ جو باتیں آنحضرت نے تمدنی ضرورت سے کہیں ان کی بشری حیثیت ہے اور عبادت و اخلاق کی الہامی مگر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

> قرآن مجید کے احکام پانچ علوم پر مشتمل ہیں۔ علم احکام جس میں واجب مباح مکروہ اور حرام و حلال کا بیان ہوتا ہے خواہ یہ سب عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے یا معاشرتی امور یا مدنیات سے اس علم کی تفصیل اہلِ فقہ کا کام ہے۔ الفوز الکبیر باب اول ص۱

معلوم ہوا کہ معاشرتی اور تمدنی امور بھی منصب رسالت سے متعلق ہیں اور قرآن میں بطور احکام ان کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے بقول مولانا شبلی۔

امام شافعی ترتیب فوج۔ تعین شعار۔ تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی آنحضرت کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔ الفاروق ص ۵۳۸

اس کے علاوہ عبادات معاملات اخلاقیات اخوت۔ مساوات حدود و سیاست امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام باتیں تمدن ہی سے متعلق ہیں اسی کی درستی و اصلاح کے لئے ہیں پیغمبر کی بعثت ہی اصلاح معاشرہ کیلئے ہوتی ہے۔ اسلام کے تمام احکام درستی معاشرہ کیلئے ہیں اور سب کو جانے دیجئے نماز جس کا واجب ہیں پہلا نمبر ہے جسے لوگ خالص عبادت سمجھتے ہیں وہ تمدنی ضرورت رہی ہے اور اسی دنیا کے لئے ہے جس کی غرض عمل کی اصلاح اور برائیوں سے بچنا ہے جس سے انسان کو ایک مفید شہری بنانا مقصود ہے اس لئے عبادت و اخلاق اور تمدن و معاشرت کے احکام میں فرق پیدا کرنے کے کوئی معنی نہیں نہ احکام کی تقسیم کی ضرورت ہے جیسا کہ ان کے فتوؤں سے ظاہر ہے کہ وہ تمدنی ضروریات تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ عبادات میراث حدود وغیرہ سب پر محیط ہے اس قبیل سے کچھ فتوے پچھلے اوراق میں آپ دیکھ چکے ہیں کچھ اور ملاحظہ کیجئے۔

جزیہ کی شرحیں: آنحضرتؐ نے جزیہ کی رقم ایک دینار معین کی تھی حضرت عمرؓ نے مختلف جگہ مختلف شرح رکھی جو نوشیرواں نے شرح رکھی تھی۔ الفاروق ۲ ص۱۵۱

مسلمان پر جزیہ: مسلمان پر جزیہ نہیں ہے حضرت عمرؓ نے بعض جگہ کے مسلمانوں پر جزیہ لگایا۔ (الفاروق)

شراب کی حد: اسلام نے شراب سزا میں دروں کی تعداد معین نہیں کی۔ بھی اس کو قاضی کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ حالت کو دیکھ کے کوڑوں کی تعداد معین کریں جوان، ادھیڑ، بوڑھے سب کو ایک ہی سزا نہیں دی جا سکتی جتنی سزا جو برداشت کر سکے اتنی سزا دیا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے معین کر دیئے

میقات حج کی تبدیلی: اہل نجد کا میقات رسول خدا نے قرن معین فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ذات عرق معین کیا۔ (فقہ عمر ص۱۱۵)

زکوٰۃ میں اضافہ: زکوٰۃ کے متعلق احکام جناب رسولؐ خدا کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا وہ یہ تھا کہ تجارت میں گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ معین ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ (الفاروق ص)

ماہ صیام میں مباشرت: اوائل اسلام میں ماہ رمضان میں شب کو بھی مباشرت میں کچھ پابندیاں تھیں مثلاً اگر عورت بعد افطار سو گئی ہو تو مباشرت کیلئے بیدار کرنا اس کو جائز نہیں۔

حضرت عمرؓ کو بھی یہی سابقہ پڑا افطار روزہ کے بعد انھوں نے بیوی کی طرف دیکھا تو وہ نیند میں ڈوب چکی تھیں آپ نے اسے جگا کر فرمایا کہ تم سوئی نہیں تھیں اور ....

(فقہ عمر ص۱۰۶)

تقبیل زوجہ

حضرت عمرؓ نے ماہ صیام میں اپنی بیوی کی تقبیل کی رسول اللہؐ سے پوچھا تو آپ نے ایک تھپکی کا حکم دیا مگر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں تقبیل کی ممانعت کر دی۔ فقہ عمرؓ صفحہ ۱۰۹

حضرت عمرؓ کے غلط اقدام کو صحابہ برداشت نہ کرتے

مولانا شبلی کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کے یہ اقدام اگر غلط ہوتے تو صحابہ ایک منٹ کے لئے ان کا مسند خلافت پر بیٹھنا گوارا نہ کرتے اس کا جواب خود مولانا شبلی سے سنئے وہ لکھتے ہیں۔

حذیفہ بن الیمانؓ جب مصر کے گورنر تھے تو حضرت عمرؓ نے ان کو ایک فتویٰ بھیجا جس پر انھوں نے لکھا کہ اگر آپ کا حکم ہے تو ہمارے لئے واجب العمل نہیں

الفاروق ص۲۱۵

معلوم ہوا کہ اس وقت صحابہ ان کے فتوؤں سے اختلاف کرتے تھے اور وہ کسی کو اپنے فتوے پر عمل کرنے میں مجبور نہیں کرتے تھے بلکہ ٹوکنے پر کبھی کبھی بدل دیتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

حائضہ کا طواف

اگر عورت طواف افاضہ کے بعد حائضہ ہو جائے تو قاسم فرماتے ہیں اللہ رحم کرے حضرت عمرؓ پر اس مسئلہ میں اصحاب رسولؐ فرماتے ہیں کہ اسے بقیہ اعمال حج کے لئے قیام نہ کرنا چاہیئے مگر وہ فرماتے ہیں کہ اسے طواف کرنا

چاہیئے (حالت حیض میں) مگر حضرت عمر کا یہ قول تسلیم
نہیں کیا گیا۔ ازالۃ الخفا

غسل جنابت | حضرت عمر کا فتویٰ ہے کہ جنب کو اگر مہینہ بھر
پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہیں کر سکتا۔

حضرت عمر کے اس قول کو فقہائے اربعہ نے چھوڑ دیا
ہے کیونکہ انھوں نے احادیث صحیحہ کے مخالف پایا۔ ازالۃ الخفا
اب شبلی کا یہ قول کہ اگر حضرت عمر نے احکام نبوت میں دخل دیا ہوتا تو
بزرگ مانا گیا ہم انہیں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے انتہائی جسارت
ہے۔ اکابر اسلام جو علم و فضل میں ان سے کہیں زیادہ تھے حضرت عمر کے
متعلق ایسے الفاظ نہیں کہے خود شبلی نے امام شافعی کا یہ قول لکھا ہے کہ جب
رسول اللہ کے مقابلہ میں کسی کے قول کی کوئی حقیقت نہیں۔ براء بن عازب
سے سلب قتیل میں خمس لینے پر شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ کم اور
زیادہ ہر طرح کا سلب قتیل رسول اللہ نے قاتل کا حق قرار دیا ہے مگر
حضرت عمر کا یہ اجتہاد ہے۔ حائضہ کو اعمال حج بجا لانے کے متعلق
کہتے ہیں کہ قاسم فرماتے ہیں کہ اللہ عمر پر رحم کرے وہ فرماتے ہیں کہ
حائضہ کو طواف کرنا چاہیئے۔ جنب کو اگر پانی نہ ملے تو وہ تیمم نہیں
کر سکتا فرماتے ہیں کہ اس قول کو فقہائے اربعہ نے احادیث صحیح کے
خلاف پایا۔ طلاق کے متعلق کہتے ہیں کہ عہد رسول سے خلافت عمر کے دو
سال تک اس پر عمل ہوتا رہا اب یہ نسخ کیا؟ ان حضرات نے یہ تسلیم
کرتے ہوئے کہ حضرت عمر کے کچھ فتوے قرآن و حدیث کے خلاف ہیں
شبلی کی طرح ہرزہ سرائی نہیں کی۔ ان کے قول کی بنا پر حضرت عمر دائرہ
اسلام سے خارج ہو گئے۔ اور یہ بڑی گستاخی کی بات ہے۔

حضرت عمر کا اختلاف آنحضرت کو ناگوار نہیں ہوا

حضرت عمر کی دخل اندازی آنحضرت کو اسی وقت پسند ہو سکتی تھی جب وہ یہ محسوس کرتے کہ اس سے میں غلط روی سے بچ جاتا ہوں یا یہ ایسے مفید مشورے دیتے ہیں جہاں تک میرا ذہن نہیں پہنچتا۔ یہ بات کسی مسلمان کو باور نہیں کرنا چاہیئے۔ واقعات بھی اس کے خلاف ہیں بلکہ ایک موقع پر جن لوگوں سے آپ نے اتنی ناراضی کا اظہار کیا کہ فرمایا تو مو عنی اُٹھ جاؤ میرے پاس سے ان میں حضرت عمر پیش پیش تھے اور یہ انہی کے اختلاف کا نتیجہ تھا۔

آیئے اب دیکھیں کہ حضرت عمر نے کن کن موقعوں پر اختلاف کیا اور اس کا کیا انجام ہوا۔ کچھ مشہور باتیں یہ ہیں۔

۱۔ اسرائے بدر ۲۔ محاصرہ طائف۔ ۳۔ صلح حدیبیہ۔ ۴۔ منافق کی نماز جنازہ۔ ۵۔ امارت اسامہ۔ ۶۔ واقعہ قرطاس۔

۱۔ اسرائے بدر کے بارے میں حضرت نے ان کی بات نہیں مانی نہ اس بارے میں کوئی وحی آئی ابو بکر کے ذکر میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

۲۔ محاصرہ طائف میں آنحضرتؐ نے علیؑ کو تنہائی میں بلا کے راز کی باتیں کیں، تو حضرت عمر نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے ابن عم سے تنہائی میں راز کی باتیں کرتے ہیں، اس کے جواب میں پیغمبر خدا نے جو کہا اسے شناہ ولی اللہ صاحب کی زبان سے سنیئے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا

ہے کہ میں اس سے راز کی بات کہوں امرِ الٰہی میں
متابعت کی وجہ سے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے
ہیں کہ میں نے راز کہنے کی ابتدا نہیں کی بلکہ
خود خدا اس کے دل میں القائے اسرار کرتا
ہے اور میں بھی راز کہتا ہوں۔ حجۃ اللہ البالغہ

۳۔ صلح حدیبیہ کا تعلق اگر منصب رسالت سے نہ ہوتا تو حضرت عمر رسول اللہ سے یہ کیوں کہتے کہ کیا آپ نبی نہیں ہیں اور وحی اس صلح کی تائید میں کیوں آتی حضرت عمر رسالت میں شک کیوں کرتے پھر توبہ کیوں کرتے اور کفارہ کیوں دیتے۔

۴۔ عبداللہ بن ابی سلول کی نماز جنازہ کے متعلق ہندوستان کے مشہور عالم مولانا سعید احمد صاحب اپنی کتاب ابوبکر صدیق اکبر میں لکھتے ہیں:۔

آپ نماز کے ارادے سے اٹھے تو حضرت عمر نے دامن
پکڑ کر کھینچا کہ آپ منافق کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ
خدا نے آپ کو منع کیا ہے۔ ص ۱۱۹

یہاں آیت حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل نہیں ہوئی کیونکہ انھوں نے خود کہا کہ خدا نے آپ کو منع کیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی اب دو باتیں رہ گئیں ایک یہ کہ خدا کے منع کرنے پر رسول کا نماز کے لئے اٹھنا دوسرے حضرت عمر کا دامن پکڑ کے کھینچنا اور ٹوکنا پہلی بات سے رسول پر خدا کی نافرمانی اور دوسری سے حضرت عمر پر گستاخی کا الزام آتا ہے۔

رسول خدا پر نافرمانی کا الزام نہیں آتا کیونکہ انھوں نے یہ کہہ کے نماز پڑھائی کہ میں بغیر حکم خدا کے کوئی کام نہیں کرتا۔

(۵) اسامہ کو سردار لشکر بنانے پر حضرت عمر نے اختلاف کیا مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی۔

(۶) واقعہ قرطاس میں حضرت عمر کے اختلاف پر جب شور وغل ہونے لگا تو حضرت نے فرمایا اُٹھ جاؤ میرے پاس سے کس اختلاف کو حضرت نے پسند کیا؟

شبلی کی آخری بات

حضرت عمر سے زیادہ کسی کو آنحضرت کی خدمت میں کچھ کہنے سُننے کی جراءت نہ ہوتی تھی اور آنحضرت کے بعد جس جراءت و دلیری سے حضرت عمر نے فتوے صادر فرماتے ہیں اس کی نظیر صحابہ میں نہیں ملتی۔ (شبلی)

مولانا شبلی نے یہ ایک نفسیاتی بحث چھیڑ دی اس کے لئے ہمیں حضرت عمر کی ابتدائی زندگی ذہنی نشو ونما۔ قبول اسلام۔ صحبت رسول اور تعلیم اسلام سے واقفیت کا حال معلوم کرنا ضروری ہوگیا۔ اس موضوع پر ہمارے پاس سب سے زیادہ مستند اور معتبر دو کتابیں ہیں ایک شبلی کی الفاروق اور دوسری محمد حسین ہیکل کی عمر فاروق اعظم یہ دونوں کتابیں پاکستان میں کثرت سے شائع ہوئی ہیں۔ انہی دونوں کو ہم نے اپنا ماخذ بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ کی شخصیت

حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنی عدی بنی تیم کی ایک شاخ تھا یہ دونوں قبیلے اپنی قلت تعداد کی وجہ سے بہت کمزور تھے اور خاص طور پر بنی عدی۔ جب حضرت عمرؓ کے دادا نفیل نے عزت حاصل کی اور بنی عبدالشمس سے برابری کا دعویٰ کیا تو انھوں نے ان کو صفا سے نکال دیا بنی سہم نے اپنے جوار میں پناہ دی یہ اپنی حفاظت خود نہ کرسکے۔

اعزاز کے لحاظ سے اس قبیلے کا چھٹا درجہ تھا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قریش میں تقسیم وظائف کے وقت شرف کے لحاظ سے فہرست تیار کی تھی اس میں اپنے قبیلے کا چھٹا درجہ رکھا تھا۔

سفارت حضرت عمرؓ کے قبیلے میں سفارت کا عہدہ تھا لیکن اس سفارت کی نوعیت قبائل کی پیغام رسانی سے زیادہ نہ تھی۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں :-

قریش کو کسی قبیلے میں کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کے جاتے۔ الفاروق صہ

واقعی سفارت جسے کہتے ہیں یعنی دوسرے ممالک سے سیاسی گفتگو وہ بنی ہاشم ہی انجام دیتے تھے روم میں عربوں کو تجارت کی سہولت حاصل کرنے کی بات چیت سلطنت روم سے ہاشم نے کی ابرہہ کے حملے کے وقت عبدالمطلب تھے۔

حضرت عمرؓ کے والد کا نام خطاب تھا مولانا شبلی اور محمد حسنین ہیکل

نے ان کے متعلق عمرو عاص کا یہ قول لکھا ہے۔
خدا کی قسم میں نے عمر اور ان کے باپ دونوں کو اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے جسم پر بہت گھٹیا کپڑے کا ایک جبہ ہوتا تھا جو بمشکل گھٹنوں تک پہنچتا تھا اور اُن کی گردن پر خشک لکڑیوں کا گٹھا۔ عمر فاروق اعظم الفاروق صفحہ ۴۲
خطاب کے اخلاق کے متعلق لکھتے ہیں:۔
خطاب نہایت سنگدل اور بے رحم تھے اپنے زمانہ خلافت میں ایک دفعہ حضرت عمر ایک ایسی جگہ سے گذرے جہاں درختوں کا جھنڈ تھا اور جسے ضجنان کہتے تھے آپ نے فرمایا مجھے وہ وقت یاد آگیا جب میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ سنگدل اور بے رحم کسی کو نہیں پایا۔
علامہ طبری کی روایت ہے کہ حضرت عمر اپنے عہد خلافت میں جب ضجنان سے گذرے تو فرمایا میں اسی وادی میں نمدے کا کرتا پہنے خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور ان کا دل بہت ہی سخت تھا میں کام کرتا تو مجھے تھکا مارتے اور کوتاہی کرتا تو سزا دیتے۔
مصر کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر طہ حسین لکھتے ہیں:۔
وہ اپنے اونٹ اور بکریاں چرانے کا قصہ لوگوں

کو سناتے وہ مقامات دکھاتے جہاں ان کے اونٹ چراتے تھے ان سختیوں کا تذکرہ بھی کرتے جو جانور چرانے میں کسی قسم کی کوتاہی پر ان کے والد کیطرف ان پر ہوتی تھیں۔ الفتنۃ الکبریٰ اردو ترجمہ ص۲۹

جب انھوں نے ہوش سنبھالا تو بائع و مشتری کے درمیان معاملہ طے کرانے کا پیشہ اختیار کیا جو خلیفہ ہونے تک جاری رہا اسی پیشے کی وجہ سے انھوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا ورنہ عرب میں حافظہ سے کام لینا ہنر اور لکھنا عیب تھا۔

محمد حسینین ہیکل لکھتے ہیں:—

عرب لکھنے پڑھنے کو برتری کی علامت نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی اولاد کو اس سے روکتے تھے۔ عمر فاروق اعظم ص۴۹

محمد حسینین ہیکل نے ان کی جوانی کی یہ تصویر کھینچی ہے۔

جوانی

رات کی تاریکیاں گہری ہوگئیں عمر اپنے دوستوں کے ساتھ عکاظ کی ایک سمت چلا گیا جہاں عیش و طرب کی محفل جمی ہوئی تھی اسی اثناء میں ایک حسین ساقیہ آئی جس کی پتلی کمر چلنے میں بل کھا رہی تھی جیسے چنبیلی کی شاخ لچک رہی ہو۔ عمر اس لڑکی سے بے تکلفی کی باتیں کرنے لگا اور وہ لڑکی بھی اس بے تکلفی کا جواب ناز بے نیازی سے نہ دے سکی تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھی اور اپنے ان خریداروں کے لئے شراب

لے کر آئی جو میلے کی راتیں صرف اسی کے شراب خانے میں گذارتے تھے عمر ان سب مے نوشوں کا سردار تھا لوگ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ دوشیزگان عرب کی نرم و شیریں آوازیں ان کی سماعت کو ٹہوکے دینے لگیں یہ لڑکیاں رات کی پُر اسرار کیفیتوں سے لُطف اندوز ہونے یا دامن شب میں اپنے دل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اپنے اپنے خیموں سے کھلے میدانوں میں نکل آئی تھیں عمر باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گیا جیسے یہ باتیں اس کے دل سے کھیل رہی تھیں یکایک عمر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگا مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا میں ابھی آتا ہوں اس کے دوست مسکرانے لگے جانتے تھے کہ ان کا دوست دریا نوش ہی نہیں بلا کا نظر باز بھی ہے عمر اسی نرم و شیریں آواز کی طرف چلا جب عمران کے قریب پہونچا تو وہ سب کی سب بھاگ گئیں صرف ایک کا فرادا حسینہ رہ گئی جس نے جان بوجھ کر اپنا دوپٹہ گرا دیا تھا اور بظاہر اب اسے درست کر رہی تھی ابن خطاب نے اپنی دوست کو پہچان لیا جس سے حال ہی میں متعارف ہوا تھا اور جس کے ساتھ اس سال اس نے عکاظ کے چند بہت ہی شیریں لمحے بسر کئے تھے۔

لڑکیاں اپنی سہیلی کی چال کو تاڑ گئیں اور انھوں
نے ناراضی طنز اور رشک کے قہقہے لگانا شروع کیے ۔
عمر اپنے دوستوں کے پاس واپس آیا لیکن زیادہ نہ
ٹھہرا ساقیہ کو شراب کی قیمت دی اور چلا گیا ۔ عمر
نے نو بہار ان شباب کے ارمان آفریں دلوں کو اپنا
لیا تھا اور وہ اپنے محبوب ہیرو کے لئے سراپا
سپردگی بن گئیں تھیں عمر کی وہ رفیقہ جس نے اس سال
عکاظ کے چند انتہائی شیریں لمحوں سے عمر کو خوش
وقت کیا تھا فتنہ نگاروں کے جھرمٹ میں کھڑی مسکرا
رہی تھی سال ختم ہونے پر عکاظ کا میلا آیا عمر اس
میلے میں بھی اسی آن بان سے شریک رہا ایک سال
عمر اپنے معمول کے مطابق میلے کے شروع میں عکاظ
نہ پہنچ سکا لوگ اسے ڈھونڈتے اور ایک دوسرے سے
عمر کے اس میلے میں شریک نہ ہونے کا سبب پوچھنے
لگے لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھیں
معلوم ہوا کہ عمر میلے کے باقی دن ان کے ساتھ
گذارنے کے لئے عکاظ آ پہنچا ہے آتے ہی وہ تجارت
میں مشغول ہو گیا لیکن اس مصروفیت نے اسے
دوسرے مشاغل سے باز نہ رکھا بلا نوشی اور
نظر بازی کی اس شہرت میں کوئی کمی نہ آنے دی
جو عمر کو اپنے حلقۂ احباب میں حاصل تھی اس سال

کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ عمر فاروق اعظم ص ۳۷ تا ۴۱

حضرت عمر مکہ کے دوسرے نوجوانوں کی طرح بلکہ ان سے کہیں زیادہ بنت رز کے عاشق تھے انھیں اپنے شباب میں حسینانِ عرب سے بلا کا شغف رہا ہے یہاں تک کہ ان کے تمام سوانح نگار ان کی بادہ پیمائی اور حسن نوازی پر متفق ہیں۔

حضرت عمر کی جوانی اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ ختم ہو گئی تو ان کے دل میں نکاح کی خواہش نے انگڑائی لی انھوں نے اپنی زندگی میں نو عورتوں سے شادی کی۔ عمر فاروق اعظم ص ۴۷

قبول اسلام

حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا۔ اور اسلام کی صدا بلند ہوئی ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ لبنیہ ان کے خاندان کی ایک کنیز تھی اس کو بے تحاشا مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا ۔۔۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں تلوار کمر سے لگا کے سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے ۔۔۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کے پوچھا خیر ہے؟ بولے محمد کا فیصلہ

کرنے جاتا ہوں انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو
خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں فوراً
پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں
ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء
چھپا دیے لیکن آواز کانوں میں پڑ چکی تھی بہن
سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں
بولے کہ میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد
ہو گئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان
ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے آئیں تو ان کی
بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا
اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا کہ عمر جو جی
میں آئے کرو لیکن اسلام دل سے نہیں نکل سکتا ان
الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا بہن کی
طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون
جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم
جو پڑھ رہی تھیں مجھ کو بھی سناؤ فاطمہ نے قرآن کے
اجزاء لا کے سامنے رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ
تھی ــــ بے اختیار پکار اٹھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

دو تین منٹ کے اندر یہ انقلاب ذہنی تعلیم پر غور کا نہیں بلکہ وقتی تاثرات
کا نتیجہ تھا ایک سخت اور درشت مزاج آدمی جس طرح کسی بات کو مانتا نہیں

ابوالفاروق، ص ۲۶۲

اسی طرح مان لینے کے بعد پھر یقینا ہمیں حضرت عمر کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ تاثرات کا شعلہ فرو ہونے کے بعد بھی وہ اسلام سے برگشتہ نہیں ہوئے۔ جب کفار کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ ہم قتل کر دیں گے تو حضرت عمر خانہ نشین ہو گئے خود ان کے صاحبزادے عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر اپنے گھر میں قریش کے خوف سے پوشیدہ ہو گئے ابو عمرو عاص بن وائل سہمی ان کے پاس گئے اور پوچھا "تم اتنے خائف کیوں ہو"؟ کہا بنی سہم کہتے ہیں کہ ہم تجھے مار ڈالیں گے عاص نے کہا وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے جب انھیں اطمینان ہوا کیونکہ وہ بنی سہم کے سردار تھے اس کے بعد لوگ ان کے دروازے پر جمع ہوئے عاص نے ان کو ہٹا دیا ایک اور روایت میں ہے کہ عاص نے کہا عمر میری پناہ میں ہے۔

افتاد طبیعت

حضرت عمر نے مزاج کی درشتی اور سختی اپنے والد بزرگوار سے میراث میں پائی تھی۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں۔

> مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں اس کا اثر نہیں گیا۔ سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سیکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بلاشبہ اور اصحاب کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے۔

الفاروق صفحہ ۲

محمد حسنین ہیکل کا بیان ہے:۔

بعض عورتوں نے ان سے نکاح کرنے سے یہ کہہ کے انکار کر دیا کہ وہ بہت تنگی ترشی سے گذارہ کرتے ہیں۔ عورتوں کے لئے ———— ان کا دروازہ بند رہتا ہے وہ لطف و مہربانی سے پیش نہیں آتے تیوری چڑھائے گھر میں آتے ہیں اور تیوری چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کی تنگی ترشی کے بارے میں جو کچھ کہا وہ درست ہے یہ باتیں جوانی میں ان کی طبیعت کا ایک جزو بن گئی تھیں اور زندگی بھر ان کے ساتھ رہیں۔ عمر فاروق اعظم

مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

عاصم کی ماں ———— حضرت ابوبکر کے ہاں فریادی آئیں حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لئے وہ مجبور ہو گئے یہ واقعہ موطاء امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا اور بزرگوں کا تھا اولاد اور اہل خاندان سے بھی ان کو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ الفاروق ص۳۰۷

جب حضرت عمرؓ نے ام کلثوم دختر ابوبکر سے
شادی کا پیغام دیا اور حضرت عائشہؓ نے منظور
کرلیا تو خود لڑکی نے اپنی بہن سے کہا۔ آپ میری
شادی ان کے ساتھ کردینگی حالانکہ ان کا غصہ
اور طرز معاشرت کی خشونت آپ کو معلوم ہے
بخدا اگر آپ نے ایسا کیا تو قبر رسولؐ پر جاکر فریاد
کروں گی۔ استیعاب ج ۲ ص ۳۷۶ مطبوعہ حیدرآباد

عبداللہ ابن ابی سلول کی نماز جنازہ پڑھانے پر رسولؐ کا دامن پکڑ کر کھینچنا اور ٹوکنا آپ ملاحظہ کرچکے شبلی نعمانی بھی ان کی درشتی مزاج کے شاکی ہیں ان کو اس سے بہت تکلیف پہنچی کہ حضرت عمرؓ نے سیدۃ نساء عالمین خاتون جنت کے دروازے پر لکڑیاں جمع کرکے آگ لگانے کی دھمکی دی ان کے ایک ایک لفظ سے برہمی اور بیزاری ٹپک رہی ہے وہ کہتے ہیں۔

روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی
کوئی وجہ نہیں حضرت عمرؓ کی تندی اور تیزی مزاج
سے یہ حرکت بعید نہیں۔ الفاروق ص ۱۱۸ حصہ دوم

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

کسی نے حضرت عمر سے قرآن کی کسی متشابہ آیت
کے معنی پوچھے آپ نے اس کے اتنے کوڑے
مارے کہ اس کے سر سے خون جاری ہوگیا۔ [illegible]

شبلی نعمانی نے آپ کی درشتی مزاج کچھ واقعے اور بھی لکھے ہیں:۔

ابی بن کعب سید القراء تھے خود حضرت نے اس
باب میں ان کی مدح کی تھی۔ الفاروق ص ۲۰۹

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب سے

جو بڑے رتبے کے صحابی تھے ملنے گئے جب وہ مجلس سے اُٹھے تو ادب و تعظیم کے لئے لوگ اُن کے ساتھ چلے اتفاق سے اُدھر سے حضرت عمر آنکلے یہ حالت دیکھ کر ابی کو ایک کوڑا لگایا ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے یہ آپ کیا کرتے ہیں فرمایا نہیں جانتے کہ یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔ الفاروق ص۵۰۸

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:۔

فاتح عراق سعد بن ابی وقاص تعظیم کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تو حضرت عمر نے ان کو کوڑا مارا اور کہا تم خلافت سے مرعوب نہیں ہوئے تو میں نے چاہا کہ تم کو بتادوں کہ خلافت بھی تم سے مرعوب نہیں ہوتی۔ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص

ابی بن کعب نے ایک دفعہ ان کو سمجھایا بھی

ابن خطاب تمھیں اصحاب رسولؐ پر اتنا عذاب نہ بننا چاہیئے۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کے علانیہ کہا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان حضرت عمر کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس سے اندازہ ہو سکتا

ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول
نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے
کہ اسی وقت حضرت علیؑ نے ٹوکا اور ثابت کیا
حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے
کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دیگا۔

انظار زرین

محدثین نے یہ اضافہ اس لئے ضروری سمجھا کہ لوگوں کے دلوں میں حجر اسود کی عظمت کم نہ ہونے پائے اور یہی غرض حضرت علیؑ کے ٹوکنے کی تھی۔ علامہ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:-

اصحاب رسولؐ یہ خبر سن کے کہ ابوبکر عمر کو خلیفہ بنانے والے ہیں بے چین ہو گئے طلحہ ابوبکر کے پاس آ کے کہنے لگے کہ تم ایسے شخص کو خلیفہ بناتے ہو جس سے مسلمانوں نے تمہاری زندگی میں کیا مصیبتیں جھیلیں تم خدا کو کیا جواب دوگے۔

مہاجر و انصار کی ایک جماعت ابوبکر کے پاس آئی اور کہا کہ تم نے ہمارے اوپر عمر کو خلیفہ بنایا ان کے بوائق ہم کو جانتے ہوئے۔

ص ۳۲

علامہ دیار بکری تاریخ خمیس میں لکھتے ہیں کہ:-

طلحہ اور زبیر نے ابوبکر سے کہا کہ تم فظ غلیظ کو خلیفہ بناتے ہو۔

---

[۱] بوائق فتنے، فساد۔ اذیتیں ظلم [۲] فظ سخت گو غلیظ۔ سخت مزاج

علامہ شبلی لکھتے ہیں :-

جب حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنانا چاہا اور اس کے چرچے ہوئے تو عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ نے ان سے شکایت کی کہ آپ ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں جس کا برتاؤ آپ کی موجودگی میں جو ہے وہ ظاہر ہے[1] الفاروق ص

خود حضرت عمر کو بھی اپنی خشونت کا احساس تھا انھوں نے خلافت کے پہلے خطبے میں کہا - اللھم انی غلیظ فلینّی پروردگار میں سخت مزاج ہوں مجھے نرم کر دے -

ان واقعات سے حضرت عمر کا انداز طبیعت معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سخت مزاج بے باک نڈر اور بے دھڑک بات کہدینے والے آدمی تھے ایسے لوگوں میں تذبذب اور احتیاط نہیں ہوتی طبیعت کی یہی افتاد رسول کی زندگی اور اور بعد میں ان سے اختلاف سے نہ روک سکی، ایسے لوگ عموماً جذباتی ہوتے ہیں ایک عورت وہ بھی بے یار و مددگار کنیز اس کو صبح سے شام تک شستنا شستنا کے مارتے رہنا اسلام کی تعلیم کو سات برس سے سنتے رہنے کے بعد آنحضرت کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکلنا بہن کو زدوکوب کر کے متاثر ہونا اور ایسی حالت میں مسلمان ہو جانا جذباتی ہونے کی دلیل ہے -

اسلام لانے کے بعد اس کی تعلیم اور روح سے آشنا ہونے کا ان کو موقع نہیں ملا -

[1] مولانا شبلی نے وفاؤ غلیظا کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "جس کا برتاؤ آپ کے ساتھ جو ہے وہ ظاہر ہے"

صحبتِ رسولؐ

جس سال حضرت عمرؓ اسلام لائے اسی سال رسولِ خدا شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، تین سال کے بعد جب باہر آئے تو حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا اب کفار کی جراءتیں بڑھ گئیں انھوں نے مسلمانوں کو ستانے میں شدت اختیار کی رسولِ خدا نے سب کو مدینے ہجرت کا حکم دیا اس میں حضرت عمرؓ نے ہجرت کی اس طرح مکی زندگی میں رسولؐ کے ساتھ رہنے کا موقع بہت کم ملا ہجرت کے بعد مدینے سے تین میل کے فاصلے پر عوالی میں عتبان بن مالک کے یہاں قیام کیا اور آخرت تک وہیں رہے۔

دن بھر بازار کا گشت اور مدینے سے باہر قیام کی وجہ سے روزانہ خدمتِ رسولؐ میں حاضری کا موقع نہ ملتا تھا اس لئے باری باندھ لی تھی ایک دن عتبان بن مالک حاضر ہوتے تھے دوسرے دن حضرت عمرؓ۔ یہ حاضری بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ سے زیادہ کی نہ تھی اگر ایک دن کا ناغہ نکال دیا جائے تو پانچ برس رہ جاتے ہیں اس طرح مدینے میں بھی صحبتِ رسولؐ سے فیضیاب ہونے کا موقع نہ ملا۔

تعلیم اسلام

علم قرآن علم قرآن کے متعلق آپ مصر کے مشہور محقق علامہ احمد امین کا یہ بیان پڑھ چکے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا مگر عربوں کے لئے صرف زبان کا جاننا کافی نہیں جب تک کتاب پڑھنے والے کے

علمی درجے کے مطابق نہ ہو یہی وجہ تھی کہ قرآن کو تمام صحابہ یکساں طور پر نہ سمجھ سکتے تھے اور نہ سمجھ سکنے والوں میں انھوں نے حضرت عمر کا ذکر کیا ہے اور کئی واقعے اس کے ثبوت میں پیش کئے ہیں جو شروع کتاب میں آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عمر کی کاروباری مشغولیت بھی مانع تھی یہ بات ابی بن کعب نے ان سے کہی بھی تھی جب حضرت عمر نے ایک شخص کو اولی بالمومنین الخ پڑھتے ہوئے سنا تو اسے ٹوکا اس نے ابی بن کعب کا حوالہ دیا وہ اسے لے کے ان کے پاس آئے انھوں نے کہا یہ آیت رسول خدا نے مجھے تعلیم فرمائی انھوں نے کہا میں نے رسول سے نہیں سنی ابی نے کہا مجھے قرآن مشغول رکھتا تھا اور تمھیں بازار کا گشت۔

علم حدیث حدیث کے متعلق بھی مولانا شبلی کا بیان ہے کہ :۔

کل وہ مرفوع روائتیں جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں ہیں۔ الفاروق ص ۵۱۲

مورخین کا خیال ہے کہ ان سے جو روائتیں مروی ہیں ان کی تعداد تقریباً ستر ہے اور تفسیر میں تو اس سے بھی کم۔ الفاروق

حدیث میں بھی خرید و فروخت کی مشغولیت مانع تھی اس کا اعتراف خود حضرت عمر کو بھی تھا مولانا شبلی لکھتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی کا انھوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول رہنے کی وجہ سے آنحضرت کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ الفاروق ص ۶۰۸

مسائل کے جواب میں حدیث نہ معلوم ہونے کی سیکڑوں روایتیں ہیں جنھیں محدثین نے بصراحت لکھا ہے فقہ عمر میں ایک طولانی فہرست ازالۃ الخفا سے منقول ہے۔

اس میں سے بہت سی آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کچھ اور ملاحظہ فرمائیے۔

اہلِ مکّہ کے واسطے یوم ترویہ ہی کو احرام کھول دینے کی حدیث آپ کو معلوم نہ تھی۔ فقہ عمر

مسح خفین میں توقیت کی حدیث آپ کو معلوم نہ تھی۔ فقہ عمر

مجوس سے جزیہ لینے کی حدیث آپ کو معلوم نہ تھی۔

عمار یاسر نے بتائی۔ فقہ عمر

طواف فرض قبل از رمی کی حدیث آپ سے پوشیدہ تھی۔ فقہ عمر

حج تمتع کی حدیث کا علم نہ تھا۔

شبلی نعمانی ان باتوں کی تائید کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو اپنے پیشے کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کا موقع کم ملتا تھا۔ دوسری طرف وہ ان کے فتووں کی کثرت دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انھوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو اپنا مطمح نظر بنالیا تھا وہ رسول اللہؐ سے ذرا ذرا سی بات پوچھتے رہتے یہاں تک کہ آپ دق ہوجاتے تھے۔

کلالہ کے مسئلہ کو انھوں نے رسول اللہؐ سے بار بار پوچھا اس پر تسلی نہ ہوئی تو حضرت حفصہؓ کو ایک یادداشت لکھ کے دی کہ کہ تم رسول اللہؐ سے پوچھنا۔

یہ دو روایتوں کا خلاصہ ہے اصل روایتیں یہ ہیں۔

پہلی روایت حضرت عمر نے جناب رسول خدا سے پوچھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم کیا جائے حضرت نے فرمایا کیا خدا نے اس کو بیان نہیں کر دیا اور یہ آیت پڑھی۔

ان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ الخ حضرت عمر پھر بھی نہ سمجھے تو یہ آیت اتری ویستفتونک فی الکلالۃ الخ اب بھی حضرت عمر نہ سمجھے اور حضرت حفصہ سے جا کر کہا کہ رسول خدا سے موقع پا کر اس کا مطلب پوچھنا ایک دن انھوں نے پوچھا تو حضرت نے فرمایا کہ تمہارے والد نے پوچھا ہوگا۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کبھی بھی اس کو سمجھ سکیں گے (کنز العمال ج ۶ ص ۲۰

درمنثور ج ۲ ص ۲۴۹

دوسری روایت مسلم نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ میں نے نبیؐ سے کسی چیز کے لئے اتنا سوال نہیں کیا جتنا کلالہ کے لئے نبیؐ نے اپنی انگلی سے میرے سینے پر ضرب لگا کے فرمایا کہ اگر تم سمجھو تو تمہارے لئے سورۃ نساء کی آخری آیت ہی کافی ہے۔ (اتقان)

ان دونوں روایتوں کا خلاصہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یاد داشت لکھی تھی آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے سو رائیں قائم کیں بعض بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے قائم نہ کر سکے۔

الفاروق ص ۵۳۱

تحریر فرماتے ہیں :۔

مؤرخین کا خیال ہے کہ ان سے جو روایتیں مروی ہیں ان کی تعداد ستر ہے اور تفسیر میں تو اس سے بھی کم ہیں۔ واہ کیا دین میں بصیرت اور فقہ میں تبحر ثابت کیا ہے سبحان اللہ ۔ بریں عقل شبلی بباید گریست

ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جس پر قلم اٹھاتے ہیں اس کی تعریف کے ساتھ منقصت بھی ضرور کرتے ہیں۔ اور اکثر تعریف مذمت دونوں جھوٹی ہوتی ہیں۔ شیخ سعدی ایسے مقدس بزرگ کو لکھا ہے کہ وہ امرد پرست تھے شیخ نے امرد پرستی کی مذمت میں جو شعر لکھے ہیں ان کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ شیخ نے امرد پرستی کی بہت مذمت کی کیونکہ وہ اس سانپ کو کھلا چکا تھا یہ ان کی نئی تحقیق ہے اس کو کس محققانہ طریقے سے ثابت کیا ہے امرد پرستی کی مذمت سے یہ انکشاف ہوا کہ وہ کبھی امرد پرست رہ چکا تھا یہ ہے شان تحقیق۔

الفاروق میں رسول اللہ کو بھی نہیں چھوڑا فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رسول اللہ سے اتنا پوچھتے تھے کہ وہ دق ہو جاتے تھے۔ اس کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا معلم کتاب و حکمت حضرت عمر کو سمجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا یا حضرت عمر سمجھے :

کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اس کی موئید ان کی یہ عبارت ہے کہ
بعض مسائل میں زندگی بھر غور کرتے رہے اور کوئی رائے قائم نہ کر سکے
یہ ہوئی منقصت اب چھوٹی تعریف سنئے فرماتے ہیں حضرت عمر علم
اسرار الدین کے بانی تھے کتنی بے عقلی کی بات ہے کیا کوئی علم ایسا ایجاد
ہو سکتا ہے جس سے دین کے اسرار معلوم ہو جائیں۔ حضرت عمر نے کتنے
اسرار بیان کیئے اور ان سے کس کس نے یہ علم حاصل کیا اور کیا کیا اسرار
بیان کئے یا سب نے علم سینہ رکھا۔ اسلام دین مبین ہے شریعت غرا
ہے اس کے کچھ رموز و اسرار نہیں وہ خاص و عام سب کے لیے
بیّن ہدایت ہے اصل میں حضرت عمر کی حدیث و تفسیر میں معلومات
کی قلت اور فتووں کی کثرت دیکھ کے اس کی کوئی وجہ بتانا
تھی اس میں متضاد اور غلط باتیں لکھ گئے۔ البتہ مصر کے
مشہور عالم احمد امین نے ایک معقول بات کہی ہے جسے
مان لینا چاہیے وہ لکھتے ہیں۔

طبقہ اول کے صحابہ پر ان کی علمی تاریخ پڑھنے کے بعد
جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان کی علمی شخصیتیں بڑی
ہی مختلف نوعیت کی ملتی ہیں مثال کے طور پر حضرت عمر کو
لے لیجئے نہ تو ہمیں ان کے زیادہ اقوال تفسیر قرآن سے
متعلق ملتے ہیں نہ ہمیں ان کی شخصیت بکثرت احادیث
کی جمع کرنے والی نظر آتی ہے۔ البتہ ان کا بڑا امتیاز
جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے چیزوں پر حکم لگانے کی فطری
قوت ہے۔ فجر الاسلام ص ۲۳۵

طرزِ زندگی!

ابتدا میں حضرت عمر بہت سادگی سے رہتے تھے اور دوسروں کے لیے بھی یہی پسند کرتے تھے لیکن بعد میں اپنی رائے بدل دی تھی کیونکہ وہ اسلامی حکومت کو ایرانی اور بازنطینی حکومت کی سطح پر لانے کا خیال کر چکے تھے اس لیے انھوں نے معیارِ زندگی بلند کیا لوگوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔

۱۵ھ میں جب اور لوگوں کے وظیفے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔ الفاروق ص ۴۰۹

خود بھی انھوں نے ایک خاص قسم کی ٹوپی برنس پہننا شروع کر دی تھی جسے اکابر نصاریٰ پہنتے تھے ..... غذا کا معیار بلند تھا شبلی نعمانی نے ان کے دستر خوان کے کھانے یہ گنوائے ہیں:۔

گیہوں کی روٹی۔ گوشت، سبزی، دودھ، سرکہ، روغن زیتون

محمد حسنین ہیکل لکھتے ہیں۔

ان کا رنگ سرخ و سفید تھا کیونکہ ان کی غالب غذا دودھ اور گوشت تھا۔ عمر فاروق اعظم

حضرت عمر کی سخاوت

عطاء بخشش کے لحاظ سے بھی حضرت عمر ایک دریا دل فرمانروا تھے
علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

زید بن ثابت کو اکثر اپنی غیبت میں اپنا جانشین کرتے
تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر ان کو
عطا کرتے تھے۔ ان کی قدر دانی کسی خاص گروہ پر محدود نہ
تھی کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ
مراعات کرتے تھے ۔ اس زمانے میں جس قدر باکمال
تھے۔ مثلاً شعراء خطباء۔ نساب پہلوان۔ بہادر سب
ان کے دربار میں آئے اور ان کی قدر دانی کے مشکور ہوئے
حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو
دربار خلافت میں جمع کر دیا۔ الفاروق ص ۵۹۷ تا ۵۹۶

روزبہ ایک مجوسی معمار اپنے فن میں بڑا باکمال تھا۔ حضرت
عمر نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور ہمیشہ کے لئے اس
کا روزینہ مقرر کر دیا۔
الفاروق ص ۳۶۱

مکہ کے مستحق مسلمانوں کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ جب صحرانشین
بدووں نے حضرت ابو عبیدہ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی
تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جب تک آبادی کے رہنے والوں کی تنخواہیں
مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرانشینوں کا روزینہ مقرر نہیں ہو سکتا۔

الفاروق ص ۳۶۲

حضرت عمر اور موسیقی

موسیقی تمام فنون لطیفہ کی سرتاج اور فلسفیوں کی دمساز ہے یونان میں اس وقت تک کوئی فلسفی کامل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جب تک وہ موسیقی میں کمال نہ حاصل کرے صوفیا اسے غذائے روح کہتے ہیں۔

حضرت عمر کو اس فن میں بڑا کمال حاصل تھا۔ علامہ عبدالرزاق مصنف البرامکہ لکھتے ہیں:

حضرت عمر جیسے زاہد خشک بھی سات سروں کے موجد ہیں۔

البرامکہ ص ۲۹۰ مطبوعہ نظامی پریس کانپور طبع دوم

گلے میں بلا کا سوز تھا جب وہ مترنم ہوتے تھے تو دور دور سے لوگ ٹوٹ پڑتے تھے۔ محمد حسین ہیکل اپنی شہرۂ آفاق کتاب عمر فاروق اعظم میں لکھتے ہیں۔

حضرت عمر اپنی مشہور و معروف سختی و درشتگی کے باوجود غناء سے لطف اندوز ہوتے تھے اور کبھی کبھی ترنم سے شعر پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ کسی قافلے کے ساتھ یہ شعر ترنم سے پڑھا۔۔ قافلے والے سننے کے لئے چاروں طرف سے دوڑ کر آنے لگے فاروق اعظم نے جوں ہی انھیں جمع ہوتے دیکھا تو قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور وہ منتشر ہو گئے دونوں طرف سے پھر یہی ہوا اس پر حضرت عمر نے بلند آواز سے فرمایا خاک انڈ وجب میں نے شیطانی ساز چھیڑا تو تم چاروں طرف سے آدھمکے لیکن جب کتاب اللہ کی آیات پڑھیں تو بھاگ گئے۔

ایک دفعہ حضرت عمر حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ہمراہیوں نے خوات ابن جبیر سے اطر کیا کہ وہ ضرار کے شعر گا کے سنائیں

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انھیں سے خود ان کے جگر پارے سُنو خوات نے اپنے اشعار گا کر سُنائے اور حضرت عمرؓ محظوظ ہوتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو فرمایا خوات اب گانا ختم کرو صبح ہو گئی۔ ص ۲۵۶

علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا لیکن یہ ان کی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے بھی دل بہلاتے تھے۔
محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک طرف سے گانے کی آواز آئی ادھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سُنتے رہے۔

(الفاروق ص ۶۲)

لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رکے لیکن حضرت عمرؓ نے ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا حضرت عمرؓ بھی سُنتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ اس کو منع نہیں کرتے؟ فرمایا گانا سواروں کا زاد ہے۔

(الفاروق ص ۶۰۴)

حضرت عمر کے زمانہ کا تمدن

شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ

حضرت عمر کا حکم تھا کہ کوئی شخص علانیہ شراب نہ بیچے (الفاروق صہ ۳۲۵)
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھروں کے اندر شراب فروشی زور و شور سے شروع ہو گئی مکہ اور مدینہ فواحش کے اڈے بن گئے ہمارے زمانہ کے مشہور مورخ فلپ ہٹی حضرت عمر کے زمانہ کے تمدن کی یہ حالت بیان کرتے ہیں۔
مکہ اور مدینہ کا تقدس بہت کم ہو گیا وہ دنیاوی عیش و عشرت کے مرکز اور عرب کی عشقیہ شاعری کے گھر بن گئے مکہ میں ایک قسم کے کلب گھر بن گئے جہاں شہر کے عمائد آ کے شطرنج اور جوا کھیلا کرتے تھے اور کتابیں پڑھتے تھے مدینہ میں ایرانی اور رومی لونڈیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آنے لگیں۔ عشقیہ شاعری ان مشاغل کے ساتھ ترقی کرتی گئی قحبہ خانے مدینہ میں کثرت سے قائم ہو گئے جہاں عمائد شہر جایا کرتے تھے وہاں حسین اور نوجوان عورتیں زرق برق اور دل آویز کپڑے پہن کر اپنے مہمانوں کو گانا سنا کر اور رقص دکھا کر محظوظ کرتی تھیں اور وہ مہمان مختلف قسم کے ریشمی کپڑے پہنے گاؤ تکیہ سے لگے عیش و عشرت کی مسحور فضا میں ان کے حسن و جمال اور سریلی آواز کا مزہ لیتے اور شام کی شراب خام چھلکتی ہوئی ان کے سامنے آتی۔ مکہ۔ مدینہ اور طائف میں اس قسم کی عورتوں کے بے شمار مکان تھے۔ (عربوں کا عروج و زوال اردو ترجمہ صہ ۴۹)
اس معاشرہ نے ایسے لوگ کثرت سے پیدا کر دیئے جنہوں نے قرآن و حدیث کی طرف پیٹھ کر لی۔ کوئی کسی کی بیوی پہ ناجائز تصرف کرتا رہا کچھ

لوگ برات مع دلہن کے لوٹ لائے اور آپس میں بانٹ لیا کسی نے بھرے بازار کو لوٹا کوئی کسی کے مویشی لوٹ لایا کوئی مستقل غارت گری کرتا رہا اور یہ کسی کا انفرادی فعل نہ تھا بلکہ ہر واقعہ میں سیکڑوں آدمی شریک تھے بلکہ ان باتوں میں حضرت عمر کے صاحبزادے عاصم بھی شریک تھے اور حضرت عمر کو ذرا ذرا سی بات کی خبر دی جاتی تھی۔ جن لوگوں نے برات لوٹی انہوں نے ڈاکہ ڈالا جن عورتوں کو وہ اٹھا لائے وہ کسی کی زوجیت میں تھیں ان پر تصرف زنائے محضہ تھا۔ انہیں سنگسار کرنے کا حکم ہے جن لوگوں نے بھرے بازار کو لوٹا انہوں نے بھی ڈاکہ ڈالا جو مستقل غارت گری کرتا رہا وہ مستقل ڈاکے ڈالتا رہا۔ ان سب کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کا حکم ہے۔ مگر حضرت عمر نے یہ سزائیں نہیں دیں مالک بن نویرہ کے واقعہ میں انہوں نے حضرت ابوبکر پر دباؤ ڈالا کہ خالد کو سنگسار کیا جائے انہوں نے کہا میں خالد کی تلوار کو نیام میں نہیں رکھ سکتا۔

محمد حسین ہیکل نے حضرت ابوبکر کے موقف کی تائید میں کہا ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ بغاوت کے مہیب بادل چھائے ہوئے تھے کسی سپہ سالار کو اس کی غلطی پر سزا دینا مناسب نہ سمجھا۔

جب حضرت عمر پر خلافت کا بار آپڑا تو انہوں نے بھی حضرت ابوبکر کی پیروی کی اور اپنے فوجیوں کو سزا دینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ عجم سے لڑائی درپیش تھی لیکن اسلامی تقدس پامال اور اسلامی معاشرہ تباہ ہوگیا۔

حضرت عمر کی ابن عباس سے چھیڑ چھاڑ

حضرت عمر کی زندہ دلی کے مشاغل میں ایک شغل یہ بھی تھا کہ وہ اکثر ابن عباس کو چھیڑا کرتے تھے۔ اور وہ بھی چوکتے نہیں تھے۔ برابر کی نوک جھونک ہوتی رہتی تھی اور بہت ہوئی ہوگی مگر تاریخ نے صرف پانچ مکالمے ہم تک پہنچائے ہیں وہ بھی بے ترتیب جو حاضر خدمت ہیں۔

(۱) حضرت عمر: ابن عباس سچ کہنا اگر چھپاؤ گے تو اونٹوں کی قربانی تم پر واجب ہو جائے گی۔ کیا علی کے دل میں اب تک خلافت کی طرف سے کچھ خیال باقی ہے؟

ابن عباس: ہاں یقیناً ہے۔

حضرت عمر: کیا علی کا خیال ہے کہ رسول اللہ نے ان کی خلافت کی نص کر دی تھی؟

ابن عباس: جی ہاں اس سے بڑھ کے آپ کو سناؤں میں نے اپنے والد سے سوال کیا تھا کہ کیا علی کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ رسول اللہ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں یہ صحیح ہے علی سچ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے ان کو اپنا خلیفہ بنا دیا تھا۔

حضرت عمر: بے شک رسولِ خدا نے علی کے بارے میں چند ایسی باتیں کہی ہیں مگر وہ کسی دلیل سے ثابت ہوتی ہیں نہ کوئی قاطع عذر ہے وہ علی کے بارے میں مبالغہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مرض الموت میں علی کے نام کی تصریح کر دینا چاہی تھی مگر میں نے اسے روک دیا۔ جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی

کعبہ کے رب کی قسم علی کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہوگا اگر لوگ ان کو خلیفہ بنا بھی دیتے تو ہر طرف سے ان پر یورش ہوتی۔ پس رسول اللہ سمجھ گئے کہ میں نے ان کے دل کی بات سمجھ لی اور وہ رک گئے اور خدا نے بھی اس سے انکار کیا اور جو خدا چاہتا تھا اسی کو جاری کیا[1]

(۲) حضرت عمر: ابن عباس میں تمہارے ابن عم کی تم سے شکایت کرتا ہوں۔ میں ان کو اپنے سے ہمیشہ غضبناک ہی دیکھتا ہوں۔ اس کا کیا سبب ہے؟

ابن عباس: یہ درست ہے ان کو یقین ہے کہ رسول خدا نے خلافت ان کو عطا کی تھی۔

حضرت عمر: یہ تو صحیح ہے کہ رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے لیکن ان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا۔ خدا کی مراد پوری ہو گئی۔ رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو رسول خدا نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لے آئے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسول اللہ نے یہ بھی چاہا تھا کہ اپنے مرض الموت میں خلافت وصیت علی کے نام کر دیں لیکن میں نے فتنہ دار اسلام میں پراگندگی کے خوف سے ان کو روک دیا اور پھر اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا[2]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۳ ص ۹۷ بحوالہ تاریخ بغداد از احمد بن ابی طاہر

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۲ ص ۱۱۴

(۳) حضرت عمر: (مدینہ کے ایک کوچہ سے گذرتے ہوئے) ابن عباس میں میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے ابن عم پر ظلم ہوا۔

ابن عباس: پھر وہ شے انہیں واپس کر دیجئے جو ظلم سے ان سے چھینی گئی ہے۔ حضرت عمر نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور کچھ گنگناتے ہوئے آگے بڑھے پھر رک گئے اور کہنے لگے۔ میرا خیال ہے کہ ان کو کم سن سمجھ کے خلیفہ بننے نہیں دیا۔

ابن عباس: بخدا۔ خدا اور اس کے رسول نے علی کو کمسن نہیں سمجھا جب آپ کے ساتھی سے سورۃ براءت لے کے مکہ والوں کو پہنچانے کا حکم دیا حضرت عمر منہ پھیر کے چلے گئے۔ [۱]

(۴) حضرت عمر: ابن عباس تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم نے بنی ہاشم کو خلافت سے کیوں محروم رکھا۔

ابن عباس: اگر میں نہیں جانتا تو آپ جانتے ہیں۔

حضرت عمر: لوگوں نے برا سمجھا کہ نبوت و خلافت ایک ہی گھر میں جمع ہو جائے اور تم لوگ خوشی خوشی مسلمانوں کو ہلاک کر ڈالو اس لئے قریش نے اپنے لئے خود خلیفہ کا انتخاب کیا۔

ابن عباس: یہ جو آپ نے کہا کہ قریش نے خود اپنے لئے خلیفہ کا انتخاب کر لیا تو اگر انتخاب قریش انتخاب الہی کے موافق ہے تو نہ اس کی کوئی رد کر سکتا ہے نہ حسد کا محل ہے رہا اس کا جواب کہ لوگوں نے نبوت و خلافت ایک خاندان میں ہونا پسند نہیں کیا تو ایسے لوگوں کا ذکر قرآن میں خدا نے

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ۳ ص ۱۰۵

کردیا ہے۔

ذالک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم۔ سورہ محمد

ترجمہ: یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اس چیز کو مکروہ سمجھا جو اللہ نے نازل کی تھی۔ لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔

حضرت عمر: افسوس ابن عباس مجھ کو بہت سی باتیں تمہارے متعلق معلوم ہوئیں اور میں نے تم سے ان کا ذکر نہیں کیا کہ اگر تم نے اقرار کر لیا تو میری نگاہ سے تمہاری قدر و منزلت جاتی رہے گی۔

ابن عباس: جو باتیں آپ تک پہنچائی گئی ہیں اگر وہ حق ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ میری قدر و منزلت آپ کی نگاہوں سے جاتی رہے اور اگر باطل ہیں تو مجھ کو اس کی رد کر دینا چاہیئے۔

حضرت عمر: میں نے سنا ہے کہ تم کہا کرتے ہو کہ خلافت ہم سے حسداً ظلم کی بناء پر چھین لی گئی۔

ابن عباس: ظلم کا حال تو جاہل و حلیم سب ہی کو معلوم ہے اب رہا حسد تو ہمارے باپ آدم محسود تھے اور ہم انہیں کی اولاد ہیں۔

حضرت عمر: ابن عباس افسوس ہزار افسوس بنی ہاشم کے دل اب تک حسد اور کینے سے لبریز ہیں

ابن عباس: ذرا ٹھہریئے ایسی بات اُن لوگوں کے حق میں نہ کہیئے۔ جن لوگوں کیلئے خدا نے قرآن میں فرمایا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (سورۂ احزاب)

ترجمہ: اے اہل بیت رسول خدا نے تم سے نجاست کو دور کر دیا اور حق تطہیر کیا تھا پاک کر دیا[1]

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳۔ صفحہ ۳۴ مطبوعہ مطبع الحیۃ مصر ۱۳۵۶ھ

(۵) حضرت عمر: کیوں ابن عباس علی ہمارے ساتھ کیوں شریک نہیں ہوئے

ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: تمہارے باپ رسول کے چچا اور تم رسول کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی۔

ابن عباس: میں نہیں جانتا

حضرت عمر: لیکن میں جانتا ہوں، تہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی۔ شاید تم یہ کہو گے حضرت ابو بکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا (قوم نے نہیں)، لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ابو بکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں مفید نہ ہوتا[۱]

چھیڑ چھاڑ پر ایک نظر

ہم تو اسے حضرت عمر کا ایک تفریحی شغل سمجھتے ہیں مگر شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیال کے راز سربستہ کا انکشاف ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گفتگو میں لوگ کتنے آزاد تھے۔

مجھے تو اس میں کوئی سربستہ راز نظر نہیں آتا انہوں نے کبھی کوئی بات چھپائی نہیں۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ انہوں نے بے رو رعایت صاف الفاظ

---

[۱] تاریخ طبری و الفاروق حاشیہ ص ۲۶۵

میں علی کو مستحق خلافت نہ ہونے کے لئے پانچ باتیں کہی ہیں۔

حضرت عمر کی پانچ باتیں

(۱) علی میں ظرافت ہے۔
(۲) قبائل عرب ان کے آگے سر نہ جھکائیں گے
(۳) وہ خلافت کے خواہشمند ہیں
(۴) وہ کمسن ہیں۔
(۵) ان کو خلافت ملنے سے بنی ہاشم کا اقتدار ہمیشہ کے لئے قبائل عرب پر قائم ہو جائے گا اور نہ ہونا چاہیئے۔

چار باتوں کی رَد

علمائے اہلسنت نے ان پانچ باتوں میں سے چار کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔

پہلی بات کی رد: شبلی نے الفاروق میں پورے ادب واحترام کے ساتھ نہایت مہذب وشائستہ الفاظ میں پہلی بات کی ردیوں کی ہے۔

حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے۔ یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے یہ ایک خیال ہی خیال ہے حضرت علی ظریف تھے لیکن اسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

(الفاروق ص)

دوسری بات کی رد: محمد حسین ہیکل نے بھی اسی انداز میں دوسری بات کی رَد کی ہے قبائل عرب کی ناپسندیدگی صرف خیال ہی خیال تھا۔ دور افتادہ قبائل کو مدینہ کی سیاست میں کیا دخل تھا۔ البتہ مدینہ میں اختلاف ہو سکتا

تھا وہ ابوبکر کی خلافت کے موقع پر بھی ہوا اور عمر کی خلافت کے وقت بھی لیکن خلیفہ ہو جانے کے بعد لوگ خاموش ہو رہے۔ اسی طرح علی کی خلافت میں بھی اختلاف ہوتا۔

تیسری بات کی رد | حضرت عمر نے بالکل صحیح سمجھا کہ حضرت علی خلافت کے خواہشمند ہیں مگر اس وقت خلافت کا کون خواہشمند نہ تھا حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ میں تمہیں اصحاب محمد سے ڈراتا ہوں ان میں ہر ایک کی یہی خواہش کہ خلافت ہمیں مل جائے حضرت علی کی بھی یہی خواہش تھی مگر دوسروں کے نقطہ نظر میں اور ان کے نقطہ نظر میں فرق تھا۔ دوسرے خلافت کو اقتدار سمجھ کے اس کے خواہشمند تھے اپنا حق نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت علی اسے اقتدار سمجھ کے نہیں بلکہ اپنا حق سمجھ کے خواہشمند تھے۔

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے

ڈاکٹر طہ حسین کہتے ہیں:

علی ہمیشہ اپنے کو سب سے زیادہ حقدار خلافت سمجھا کئے اور اس میں انہیں کبھی شک و شبہ نہیں رہا۔ علی و فرزندان علی ص۶۰

مگر دنیا اسے نہ سمجھ سکی کہ وہ خلافت کے کیوں خواہشمند تھے اور کیوں اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔

شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

حضرت علی خلافت کے دعویدار ضرور تھے اور کیوں نہ ہوتے۔ پیغمبر صاحب کے بعد داماد کہو، بیٹا کہو، بھائی کہو یہی تھے اور چند در چند قرابتوں کے علاوہ شجاعت میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ اور سب استحقاق ایک طرف فاطمہ کا موجود ہونا ایک طرف کوئی ہے جو ان کے استحقاق کے ہوتے ہوئے

سلطنت کو چھوڑ بیٹھے ۔ ردیائے صادقہ ص ۲۲۳

نذیر احمد نے وہی سمجھا جو سب سمجھتے ہیں۔ حضرت علی ہرگز ان وجوہ سے خلافت کا اپنے کو مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنا نقطہ نظر اس وقت واضح کر دیا جب ان سے حضرت ابوبکر کی بیعت طلب کی گئی۔ انہوں نے جو کچھ کہا اسے محمد حسین ہیکل کی زبان سے سنیئے۔

حضرت علی کے جوش کی انتہا نہ رہی وہ غصہ سے بولے اللہ اللہ اے گروہ مہاجرین! تم رسول اللہ کی حکومت کو آپ کے گھر سے نکال کے اپنے گھر میں داخل نہ کرو آپ کے اہلبیت کو ان کے صحیح مقام پر سرفراز کرو ان کا حق انہیں دو۔ اے مہاجرین اللہ کی قسم ہم ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم اہلبیت ہیں ہم اس وقت تک اس کے حقدار ہیں جب تک ہم میں اللہ کی کتاب کا قاری دین کا فقیہ رسول اللہ کی سنت کا عالم رعایا کی ضرورت واقف ان کی تکالیف کو دور کرنے والا اور ان سے مساوات کا سلوک کرنے والا قائم ہے اللہ جانتا ہے کہ ہم میں ان صفات کا حامل موجود ہے اس لئے تم اپنی خواہش کی پیروی کر کے اللہ کے راستہ سے گمراہی اختیار نہ کرو ورنہ حق کے راستہ سے دور ہو جاؤ گے۔ (ابوبکر صدیق اکبر ص ۹۰)

اس گفتگو میں حضرت علی نے صاف بتا دیا ہے کہ خلافت کن اوصاف کے حامل کو ملنا چاہیئے وہ اوصاف ہم میں پائے جاتے ہیں اس لئے ہم ہی خلافت کے حقدار ہیں اور جب تک ان اوصاف کا حامل ہم میں رہے گا اس وقت خلافت ہم میں رہے گی اور جب ان صفات کا حامل ہم میں نہ رہے گا اس وقت خلافت ہم میں نہ رہے گی۔

یہ تھا علی کا نقطہ نظر وہ خلافت کے خواہش مند اس وجہ سے تھے

انہی وجوہ سے خدا و رسول نے خلافت ان کے سپرد کی تھی۔ ان کا نقطۂ نظر اس وقت اور واضح ہو گیا۔ جب انہیں سیرت شیخین کی پیروی کی شرط پر خلافت پیش کی گئی تو انہوں نے فوراً یہ کہہ کے انکار کر دیا کہ مجھے اس شرط پر خلافت منظور نہیں اگر وہ اسے اقتدار سمجھتے تو وہ مل رہا تھا فوراً منظور کر لیتے مگر وہ تو خلافت کو منہاج نبوت پر چلانے کے لئے چاہتے تھے اور انکو خلافت نہ ملنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول کے بعد تیرہ دن کے اندر وہ منہاج نبوت سے ہٹ گئی اور زیادہ زمانہ نہیں گذرنے پایا کہ اس نے دم توڑ دیا اس کا رہا سہا وجود بھی ختم ہو گیا۔ علی کو خلافت نہ ملنے سے اسلام کو کتنا نقصان پہنچا۔

طٰہٰ حسین نے علی و بنوہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے سیرت شیخین کی پیروی سے اس وجہ سے انکار کیا کہ اس پر عمل سخت مرحلہ تھا وہ سمجھے کہ شاید وہ اس عہد کو پورا نہ کر سکیں۔ یہ عجیب بات کہی ہے قرآن و سنت پر عمل تو سخت مرحلہ نہ تھا۔ سیرت شیخین پر عمل سخت مرحلہ تھا۔

طٰہٰ حسین یہ نہ سمجھ سکے کہ سیرت شیخین قرآن و سنت کے خلاف تھی اگر وہ اس کے موافق ہوتی تو قرآن و سنت کے ساتھ اس کو پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت علی نے خلافت چھوڑ دی مگر سیرت شیخین پر عمل منظور نہیں کیا کیونکہ وہ قرآن و سنت کے خلاف کسی چیز پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔

چوتھی بات کی رد علی کی کم سنی کا عذر بھی صحیح نہیں اصل صلاحیت ہے اگر کبیر السن منشائے خدا و رسول کے مطابق کار خلافت انجام نہیں دے سکتا تو وہ مستحق خلافت نہیں اور کمسن اس طرح انجام دے سکتا ہے تو

وہ احق ہے۔

حضرت علی کی اعلیٰ صلاحیتوں کا سب کو اعتراف تھا حضرت ابوبکر و عمر بھی معترف تھے مولانا علی بہادر حنفی ایڈیٹر دور جدید دہلی تحریر فرماتے ہیں یہ نہ خیال کیا جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو حضرت علی کی صلاحیتوں کا احساس و اعتراف نہ تھا۔ خلافت معاویہ و یزید ص۱۶۷

ڈاکٹر طہ حسین فرماتے ہیں۔

حضرت علی نے صدیق و فاروق سے کچھ زیادہ کر دکھایا۔ الفتنۃ الکبریٰ ص۲۲۳

خود ان کا بلند مرتبہ بھی اس استحقاق کا متقاضی تھا۔ الفتنۃ الکبریٰ ص۲۳

ان کو دانستہ طور پر خلافت سے دور رکھا گیا۔ الفتنۃ الکبریٰ ص۳۲۹

اور حضرت علی کمسن کہاں تھے حضرت ابوبکر کی خلافت کے موقع پر پینتیس ۳۵ برس کے تھے اور وہ تو بچپن ہی سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے تھے رسول خدا سے زیادہ ان کی صلاحیتوں کا سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے انہوں نے انکو آغوش مادر سے پالنے گہوارہ تربیت میں لیا تھا ان کی صلاحیتیں ان کے سامنے تھیں بات بات پر ان کی نظر تھی۔ علی کا کیا سن تھا جب دعوت عشیرہ میں کہا تھا کہ یہ میرا بھائی ہے میرا وزیر ہے میرا وصی ہے میرا خلیفہ ہے اس کے بعد بھی ہر موقع پر ان کی صلاحیتوں کا اظہار کرتے رہے۔ کل ایمان ہے۔ غیر فرار ہے امام المتقین ہے امیر المومنین ہے میرے علم کا دروازہ ہے سب سے زیادہ قوت فیصلہ رکھنے والا ہے۔ کیا کچھ دیکھا تھا جو یہ سب کچھ کہا۔ علی کی شخصیت کی تعمیر رسول کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی حضرت ابوبکر کے خلیفہ بننے سے پہلے وہ سب کچھ بن چکے تھے۔

سورہ برأت کی تبلیغ میں حضرت ابوبکر پر ان کو ترجیح دی۔

مؤرخ کبیر علامہ غیاث الدین جن کی تاریخ کو علماء نے اعتبار میں بخاری و مسلم کا ہم پلہ کہا ہے لکھتے ہیں

امیر المومنین حضرت ابوبکر راستہ ہی سے واپس ہو کر رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت سے پوچھا کہ اے خدا کے رسول مجھ سے کیا قصور ہوا کہ سورۂ براءت کی تبلیغ سے منع کر دیا رسول خدا نے فرمایا جبرئیل خدا کا پیغام لے کر میرے پاس آئے کہ تبلیغ کے فرائض خود تم کو ادا کرنا چاہیئے یا اس کو جو تم میں سے ہو۔ علی میرا بھائی ہے، میرا وارث ہے، میرے اہلبیت میں اور میری اُمت میں میرا خلیفہ ہے میری ذمہ داریاں پوری کرے گا اور کوئی نہیں کر سکتا۔[1] (حبیب السیر۔ جزء سوم صد ۷۲)

وہ کبھی کم سن نہیں تھے کس نے ان کو لڑکوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا جب وہ عمر کی اس منزل میں تھے کہ رسول خدا ان کو اپنے ساتھ سلاتے تھے اپنے سینہ پر لٹاتے تھے اس وقت کے متعلق حضرت علی فرماتے ہیں انا اشم رائحة النبوة وارى نور الرسالہ میں نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا اور رسالت کا نور دیکھتا تھا۔

وہ ہزاروں بڑھاپے جن کو بقول[2] شاہ ولی اللہ صاحب رسالت حضرت پیغمبر میں شکوک واہیہ اور شبہات رکیکہ پیدا ہوتے رہتے اس بچپنے پر قربان

---

[1] کم و بیش انہی الفاظ میں امام بخاری نے ج ۲ صد ۱۲۳ امام احمد بن حنبل جز اول صد ۳ طبقات ابن سعد ج ۲ صد ۱۲۱ مستدرک حاکم جز ثالث صد ۱۳۲، البدایہ ج ۱ صد ۱۵۰ تاریخ خمیس ج ثانی صد ۱۵۶، فتح الباری ج ثامن صد ۲۴۱ ریاض النضرہ جز ثانی صد ۱۷۳

[2] الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صد ۱۱

استحقاق خلافت علی کا دوسرا پہلو

پانچویں متفقہ بات :- سنی شیعہ سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمر یہ سمجھتے تھے کہ اگر علی خلیفہ ہو گئے تو بنی ہاشم کا اقتدار قبائل عرب پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائے گا اور یہ نہ ہونا چاہیئے۔

مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ تمام قبائل عرب میں صرف بنی ہاشم اخلاق فاضلہ کے مالک تھے خدا نے اپنی نبوت کے لئے انہیں کو منتخب کیا ان کو شرف بخشا اور امت کی زکوٰۃ و صدقات ان پر حرام کئے ان کو محترم مقتدر بنایا۔ ان کے اقتدار سے انکار قبائلی عصبیت ہے رسول خدا کو بھی ابتدائے بعثت میں اسی عصبیت کا مقابلہ کرنا پڑا مگر ان کا معاملہ علی سے مختلف تھا انہوں نے حضرت موسیٰ کی طرح کسی فرعون سے قریش کو نجات نہیں دلائی تھی نہ کسی ایسی قوم کو نکالا تھا جو ان پر مسلط رہی ہو۔ انہوں نے فلاح دارین کی نعمت پیش کر کے اپنی نبوت کی دعوت دی تھی۔ قریش کو اس میں بنی ہاشم کا اقتدار نظر آیا کسی قبیلہ کی برتری قبول کر لینا ان کے مزاج قومی کے خلاف تھا انہوں نے انکار کر دیا اور ان کی جان کے دشمن ہو گئے کہ اگر یہ دعوت پروان چڑھی تو بنی ہاشم کا اقتدار قبائل عرب پر قائم ہو جائیگا طوفان کیطرح مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

علی کا معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے نبوت کا اقتدار قائم کیا تھا پیغمبر اسلام کی حفاظت میں اجان لڑا دی تھی ان کی زندگی کے لئے اپنے کو موت کے سامنے پیش کرتے رہے اور کفر قریش کا زور توڑ کے رسول خدا کے واسطے

چودہ لاکھ مربع میل کی فرمانروائی کی زمین ہموار کر دی اس میں ان کا کوئی شریک نہ تھا۔ اس حقیقت کو انہوں نے معاویہ کے ایک خط کے جواب میں ظاہر کر دیا ہے جس پر ڈاکٹر طہ حسین نے یہ تبصرہ کیا ہے۔

علی کے خط پر طہ حسین کا تبصرہ

علی کا جواب معاویہ کے خط سے بھی زیادہ سخت و شدید تھا۔ چنانچہ آپ نے پیغمبر پر خداوند عالم کے افضال و عنایات اور ہدایت وحی کے ذریعہ آپ کی سرفرازی کا ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ سب سے پہلے آپ کے اہلبیت ہی نے آپ کی اطاعت و پیروی کی پھر قریش کے ان مظالم کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے پیغمبر پر ڈھائے آپ کے خلاف سازشیں کیں آپ کو مجبور کیا کہ آپ اولاد عبدالمطلب سمیت شعب ابی طالب میں پناہ لیں اور ان کا عہد نامہ جس میں قول و قرار کیا گیا تھا کہ بنی ہاشم جب تک محمد کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں گے ہم ان کے ساتھ نہ کھائیں گے نہ پئیں گے، نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے نہ ضروریات زندگی ان تک پہنچنے دیں گے ان تمام باتوں میں علی کا اشارہ بنی اُمیہ کی طرف تھا۔ جنہوں نے بالکل آخر میں اسلام قبول کیا تھا اور پیغمبر خدا آپ کے اہلبیت آپ کے پیروں پر سختی کرنے میں مشرکین کے برابر کے شریک تھے پھر آپ نے یہ بیان کیا کہ سب سے پہلے اسلام لانے کی خصوصیت خداوند عالم نے آپ کے اہلبیت ہی کو عنایت کی جس طرح شعب ابی طالب میں مشرکین کے مظالم انہوں نے تنہا برداشت کیے جبکہ دوسرے اسلام لانے والے اپنے قبیلے والوں کی حمایت و پشت پناہی سے راحت ر

ایام میں تھے بنو تیم نے ابوبکر کی حمایت کی بنی عدی نے عمر کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیا۔ بنی اُمیہ نے عثمان کی حفاظت کی جو مسلمان قریش نہ تھے ان کی حفاظت ان کے حلیفوں نے کی اور ان پر آنچ نہ آنے دی ان کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیت پیغمبر نے اسلام کی راہ میں وہ مصیبتیں جھیلیں جن کا سامنا دوسروں کو نہیں کرنا پڑا ابوبکر وعمر وعثمان تو خاص کر نہیں یہ لوگ نہ محصور ہوئے نہ ان کا بائیکاٹ کیا گیا نہ ان پر آب وطعام کی بندش ہوئی۔ لہٰذا اہلبیت پیغمبر آپ کے بعد آپ کی حکومت کے زیادہ حقدار تھے۔ پھر امیر المومنین نے ہجرت اور راہ خدا میں جہاد کا ذکر کیا اور صراحت کی کہ پیغمبر خدا اصحاب کو محفوظ رکھنے کے لئے معرکوں میں اپنے اہلبیت کو آگے کر دیتے تھے چنانچہ بدر کی لڑائی میں عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب شہید ہوئے جنگ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب درجۂ شہادت پر فائز ہوئے جنگ موتہ میں جعفر بن ابی طالب نے اپنی جان راہ خدا میں قربان کی خود علی بن ابی طالب نے بھی بار بار اپنے کو شہادت کے لئے پیش کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیت نے ہجرت سے پہلے بھی جہاد کیا اور ہجرت کے بعد بھی جو دوسرا نہ کر سکا۔ علی و فرزندان علی ص۹۸

حضرت ابوبکر کے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں۔

آنحضرت کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکر کی حیثیت عام مسلمان فرد کی تھی جس کے پیچھے کوئی خاص گروہ نہ تھا عام صحابہ کے مانند۔

حضرت ابوبکر بھی رسول اللہ کے فرماں بردار و اطاعت گذار تھے

(ترجمہ الشیخان ص۵۳)

یہی حال حضرت عمر وعثمان کا تھا یہ بزرگ ان لوگوں میں نہ تھے جو

میدان کارزار اور معرکہ گیر و دار کا حق ادا کر سکتے جس کی اس وقت
اسلام کو ضرورت تھی۔

یہ جوانان ہاشمی علی و جعفر و حمزہ تھے جنہوں نے ہر اس ہاتھ کو قطع کر دیا
جو اسلام کی طرف بڑھا دین کا علم بلند کر دیا اسلام کی تبلیغ اور قوم و ملک
کی تعمیر میں جان لڑا دی عبیدہ و حمزہ و جعفر اسلام پر قربان ہو گئے۔
علی رسول کی زندگی تک اپنا سر ہتھیلی پر لئے رہے۔ ہر جنگ میں اسلام کا
علم ان کے ہاتھ میں رہا اور ہر جنگ کے وہ فاتح تھے۔

سب سے عظیم معرکہ خندق کا تھا جس میں اسلام موت و حیات کے
دوراہے پر کھڑا تھا۔ قریش اپنے ساتھ عماد عرب عمرو بن عبد ود کو لائے تھے
مسلمانوں نے خندق کھود کے اپنے کو محفوظ کیا تھا مگر وہ خندق پھاند کے
اندر آگیا اور مسلمانوں کو للکارا یہاں سناٹا چھا گیا سب سر جھکا کے
بیٹھ گئے۔ کانهم علی رؤسهم الطیر وہ للکار رہا ہے اور
مسلمان دم بخود ہیں اس نے بڑھ کے حضرت کے خیمہ پر نیزہ مارا اور کہا محمد
باہر نکلو۔ علی مقابلہ کو چلے رسول نے فرمایا برز الایمان کلہ الی
الکفر کلہ۔ کل ایمان کل کفر کے مقابلہ کو جا رہا ہے یعنی اب یا اسلام کا
خاتمہ ہے یا کفر کی قوت کا علی نے عمرو کا سر رسول کے قدموں کے پاس لا کے
ڈال دیا۔ ارشاد ہوا ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادت الثقلین
علی کی ایک ضربت یوم خندق کی ثقلین کی عبادت سے افضل ہے
یعنی قیامت تک زمین پر جو اللہ کی عبادت ہو گی وہ علی کی ضربت کا
نتیجہ ہو گی۔ اگر اس دن علی نہ ہوتے تو اسلام کا خاتمہ تھا اور بعد کا
مورخ لکھتا ہے کہ مکہ میں ایک شخص محمد پیدا ہوتا تھا جس نے ایک نیا دین

بیٹھ گیا تھا مگر اسی کے لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس دین کا خاتمہ ہو گیا یہ علی کے زور بازو کا نتیجہ ہے جو آج ایک ارب مسلمان دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے سچ کہا ہے کہ

علی زندگی بھر اسلام کو گزند و آفات سے بچاتے رہے۔ ترجمہ الشیخان ص ۴۵

اسلام کی خاطر علی نے جو مصائب برداشت کیے اور جن آزمائشوں سے گزرے ان کے بارے میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں۔ ترجمہ الشیخان ص ۳۲

مناظر احسن گیلانی نے النبی الخاتم میں لکھا ہے کہ علی نے رسول خدا کا ساتھ اس وقت چھوڑا جب وہ انہیں قبر میں لٹا کے باہر نکلے۔ (اس وقت حضرت ابو بکر خلیفہ ہو چکے تھے)

شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد نے منصفانہ بات کہی ہے۔

علی کے حقوق کا تقاضا تھا کہ خلافت ان کو ملتی اگر ان میں صلاحیت نہ بھی ہوتی تو انتظام خود کرتے خلیفہ ان کو بناتے۔ (رویائے صادقہ)

بالاتفاق امت رسول کی طیب و طاہر اولاد عارف معارف قرآن و سنت معلم کتاب و حکمت متمم مکارم اخلاق اگر قبائل عرب پر ان کا اقتدار قائم ہو جاتا تو مسلمانوں کو وہ ملتا جو خدا و رسول چاہتے تھے

اسلامی نظام اور پیغمبر اسلام کے حقوق کا تقاضا تھا کہ ان کی خلافت ان کی اولاد میں رہے جو کمالات نبوت کی حامل تھی مگر سیاست وقت نے ایسا نہ ہونے دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسند رسول پر وہ زنا کار و شراب خوار بیٹھے جن کے بزرگوں نے اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر اسلام کی جان لینے میں ایک لمحہ بھی غفلت نہیں کی انہیں خلافت کا اقتدار پشت در پشت کیلئے قائم ہو گیا وہ مسند رسول پر بیٹھ کے داد عیش دیتے اور انکی اولاد کو تہ تیغ کر کے اجر رسالت ادا کر کے اپنے بزرگوں کی روح کو خوش کرتے ہے۔ اگر علی خلیفہ ہوتے تو کیا یہ حالات پیدا ہو سکتے تھے۔

حضرت عمر اور انتظام خلافت

یہ بات حضرت عمر کے ہمیشہ پیش نظر رہی کہ بنی ہاشم میں خلافت نہ پہنچنے پائے۔ وہ برابر اس پر غور کرتے رہتے تھے کہ اپنے بعد کے لئے ایسا انتظام کر جائیں کہ علی کو خلافت نہ مل سکے۔ شبلی نعمانی نے اس معاملہ میں حضرت عمر کے تردد و تفکر کی یہ حالت لکھی ہے۔

"حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر سوچا کرتے تھے بارہا لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے معاملہ میں غلطاں و پیچاں ہیں"
(الفاروق ص ۲۶۲)

اگر خلافت کا کوئی رخ معین کرنا نہ ہوتا تو اتنے غور و فکر کی ضرورت نہ ہوتی ان کے بعد مسلمان جسے چاہتے خلیفہ بنا لیتے مگر اس صورت میں علی کے خلیفہ ہو جانے کا امکان تھا اور وہ اس امکان کو باقی رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ابھی اپنے بعد کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا کہ اچانک ابولولو نے قاتلانہ حملہ کر دیا۔ طبیب نے نبیذ پلائی وہ زخم سے باہر نکل آئی جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو خلافت کے انتظام کی طرف متوجہ ہوئے وہ بنی امیہ میں خلافت پہنچانا چاہتے تھے کیونکہ وہ بنی ہاشم کے پرانے حریف تھے اس وقت بنی امیہ میں حضرت عثمان کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں تھی مگر وہ اُن کی صلاحیتوں سے واقف تھے اس وجہ سے ان کو نامزد کر کے اپنے اوپر الزام لینا مناسب نہ سمجھا

مگر ان کی خلافت کیلئے زمین ہموار کردی اس وقت اکابر امت میں علی بن ابی طالب، عباس بن عبد المطلب، عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمٰن بن عوف تھے۔ ان سات آدمیوں میں عباس بن عبد المطلب کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ باقی چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنائی اس کی ہیئت یہ تھی عبد الرحمٰن عثمان کے بہنوئی سعد بن عبد الرحمٰن کے چچا زاد بھائی طلحہ علی سے منحرف تھے۔ اس میں زبیر علی کی طرف ہو سکتے تھے۔ اس طرح حضرت عثمان کو تین آدمیوں کی اور علی کو ایک آدمی کی تائید حاصل ہوتی مگر اس میں اندیشہ یہ تھا کہ ممکن ہے اس وقت طلحہ علی کے ساتھ ہو جائیں۔ کیونکہ ان کو عثمان سے کوئی خاص ربط نہ تھا اس صورت میں تین ایک طرف اور تین ایک طرف ہو جاتے پھر نہیں معلوم اونٹ کس کل بیٹھتا۔ اس اندیشہ کی بنا پر یہ حکم دیا کہ اگر تین ایک پر اور تین ایک پر اتفاق کریں تو اس فریق کا فیصلہ مانا جائے جس میں عبد الرحمٰن بن عوف ہوں اب عثمان کی خلافت یقینی ہو گئی۔ علی نے مہروں کی اس چال کو سمجھ لیا اور اپنے چچا عباس سے کہا کہ خلافت کا رُخ ہم سے موڑ دیا گیا۔ انہوں نے کہا کیونکر عثمان کو ہمارے ساتھ لگا دیا ہے عبد الرحمٰن اور سعد عثمان کا ساتھ دیں گے اور برابر ہونے کی صورت میں عبد الرحمٰن جس میں ہوں گے اس کا فیصلہ مانا جائے گا اس صورت میں عثمان خلیفہ ہو جائیں گے اور یہی ہوا کہ مجلس شوریٰ میں عبد الرحمٰن نے اپنے سپرد یا درت حضرت عثمان کو خلیفہ بنا دیا۔ جس کی تفصیل آپ کو مجلس شوریٰ کے ذکر میں معلوم ہو گی۔

وفات: — خلافت کا اس طرح انتظام کرنے کے بعد اپنے ذاتی معاملات کیطرف متوجہ ہوئے اپنے لیئے پہلوئے رسول میں اپنے دفن ہونے کیلئے حضرت عائشہ سے اجازت لی پھر اپنے قرضے کیلئے وصیت کی۔ دس برس چھ مہینے چار دن مسند خلافت پر متمکن رہ کے تیسرے دن داعی اجل کو لبیک کہا

حضرت عمر اور ان کی خلافت پر تبصرہ

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر ایک سلطنت عظیم کے معمار ایک تنظیم نو کے آفریدگار ایک تمدن جدید کے پروردگار تھے۔ انھوں نے عربوں میں نئی زندگی پیدا کی اپنے پیش رو حضرت ابوبکر کے کھولے ہوئے راستہ پر تیز رفتاری سے آگے بڑھے اور ان کی قائم کی ہوئی حکومت کو وسیع کیا اس کے لئے قوانین وضع کئے اور بقول علامہ شبلی حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو وجود میں نہ آگیا ہو۔ تنخواہ دار فوج رکھی اور غنیمت سے بھی اس کو حصہ دیا۔ غیر مسلموں کو بھی فوج میں بھرتی کیا۔ غیر مسلم ناداروں کو بیت المال سے وظیفہ دیا۔ فوج کے لئے بیرکیں اور قلعے تعمیر کئے ان کے علاوہ حکومت کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے سب تعمیر کرائیں جن کو شبلی نے تفصیل سے الفاروق میں لکھا ہے فوجی نظم و نسق کے علاوہ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

ایران پر حملہ حضرت ابوبکر کے عہد میں ہو چکا تھا حضرت عمر نے اس پر پے تابڑ توڑ حملے کئے اور زبردست فوجی دباؤ ڈالا۔ ایرانیوں نے کئی دفعہ صلح کی خواہش مگر اسلامی سفیروں نے ان سے کہا کہ ہم دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اسلام یا جزیہ جس نے اسلام قبول کیا وہ ہمارا بھائی ہے جس نے جزیہ دینا منظور کیا ہم اس کے محافظ ہیں جس کو ان دوں سے انکار ہے اس کے لئے تلوار ہے اس طرح مصالحت ناکام ہوگئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور مصر کے محقق عبدالمتعال الصیعدی کے بیانات

آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ اسلام دینِ امن و صلح ہے وہ جنگ کی اسی وقت اجازت دیتا ہے جب دفاع ناگزیر ہو جائے۔

سورہ بقرہ میں ہے کہ اللہ کی راہ میں صرف انہیں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں۔

سورہ انفال میں ہے کہ اگر وہ صلح چاہیں تو تم بھی صلح اختیار کرو اور اللہ پر بھروسا کرو۔

سورہ توبہ میں ہے کہ اگر مشرکین تم سے امان طلب کریں تو ان کو امان دو تاکہ وہ کلام اللہ سنیں پھر ان کی جائے امن پر ان کو پہنچا دو۔ اسی سورہ میں آگے ہے کہ اگر مشرکین تم سے سیدھی طرح پیش آئیں تو تم بھی سیدھی طرح پیش آؤ۔ چونکہ یہ جنگیں قرآن کے صلح و جنگ کے حدود سے باہر تھیں اس وجہ سے محمد حسین ہیکل اور عبد المتعال الصعیدی نے یہ کہنے میں تامل نہیں کیا یہ جنگیں دینی نہ تھیں۔ ان محاربات نے اسلام کی اخلاقی بلندی کو بہت صدمہ پہنچایا اور اقوام عالم نے اسی کو اسلام سمجھا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے بہت مفید نتائج بھی برآمد ہوئے۔

اسلامی مملکت کا رقبہ رسول خدا کے زمانہ سے چوگنا بڑھ گیا۔ مسلمانوں کی تعداد میں لاکھوں کا اضافہ ہوا۔ دولت کی افراط ہوئی مسلمان خوشحالی سے ہمکنار ہوئے۔ دنیا میں ان کی دھاک بیٹھ گئی وہ فاتح و غالب قوم کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ یہ معمولی باتیں نہیں ہوئیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ پھر مسلمانوں کے قدم کیوں رک گئے ارض اللہ واسعہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع ہے۔

اس کے اسباب و علل پر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان

دین و اخلاق کو چھوڑ کے شمشیر و سنان لے کھڑے ہو گئے۔ ان کی زندگی میں دفعتاً ایسا انقلاب آگیا جو دین کے خلاف مادیت پر مبنی تھا۔ وہ حکومت جو اخلاقی طاقت سے چل رہی تھی اب شمشیر و سنان کے زور پر چلنے لگی۔ دین و اخلاق گھٹ گئے دولت بڑھ گئی اکابر اسلام عیش عشرت میں مبتلا ہو گئے۔ تلوار رکھ دی طاؤس ورباب اٹھالیا۔

دوسری قومیں مادی ترقی میں ان کے مقابلہ پر آگئیں ان کے ارباب سے نغمے نکل رہے تھے اُن کی تلواریں چنگاریاں برسا رہی تھیں۔ اس کا نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا وہ غالب یہ مغلوب وہ فاتح یہ مفتوح وہ آگے بڑھتے گئے یہ پیچھے ہٹتے گئے ان کے ملک کا جغرافیا دشت وصحرا سے گذرتا سمندروں پر پھیلتا پہاڑوں کے سینوں کو برماتا چوٹیوں کو سرکرتا فضا میں دوڑ رہا ہے اور چاند پر جھنڈا لہرا چکا اب تاروں کی آغوش میں جانے کیلئے ہمک رہا ہے۔

مسلمان چھوٹے چھوٹے خطوں میں بٹا ہوا ہے اور کوئی خطہ سپر طاقت نہیں بن سکتا کیونکہ اسلام نے جن دینی وروحانی ذریعوں سے ترقی کی تھی تئیس [۲۳] ہی برس کے بعد رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلمانوں نے اسے چھوڑ دیا اور مادی ذرائع ترقی اختیار کر لئے اب انہیں مادی ذرائع کو وہ معیار ترقی سمجھتے ہیں اور اس سے تہی دامن ہیں غیروں کے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں ایک بیمار اور سسکتی ہوئی قوم کی حیثیت سے دنیا میں رہنا ان کا مقدر بن چکا ہے۔ جو حکومت شمشیر و سنان سے چلی تھی وہ طاؤس ورباب پر آکے ختم ہو گئی۔ اسلام نے انہیں دونوں چیزوں کو نظام حیات سے خارج کر دیا تھا وہ مسلمان کو سعی عمل سے مستعد اور چاق و چوبند رکھتا

چاہتا تھا۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ انسان کے لئے سعی عمل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور یہی قومی ترقی کا راز ہے لیکن اسلام دینی وروحانی عمل کی سعی چاہتا تھا۔ اللہ کی راہ میں دوڑنے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دو لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں نے خود اس زندگی سے انکار کر دیا اس کا نتیجہ سامنے ہے۔

اب دنیا کی ذہنیت بدل چکی ہے روحانی دور واپس لانے کیلئے خدائی طاقت کی ضرورت ہے۔ انسان اس معاشرہ کو بدل نہیں سکتا۔

اب ہم آپ کو عہد نبوی کی طرف لے چلتے ہیں۔

اسلام کی طاقت مدینہ سے شروع ہوئی اہل مدینہ اگرچہ سیاسی اغراض سے مسلمان ہوئے تھے مگر پیغمبر اسلام سیرت ان کی دینی وروحانی تعلیم قرآن کی معجزنما فصاحت وبلاغت نے ان کے قلوب وضمائر کو متاثر کیا اسلام کی تنظیم نے ان کے بازوؤں میں زور پیدا کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے یہود کو مدینہ سے نکال دیا جو صدیوں سے ان پر مسلط تھے۔ پیغمبر اسلام کی دینی وروحانی تعلیم اور اسلامی تنظیم سے مسلمانوں کی زندمیں انقلابی طاقت دیکھ آس پاس کے خطے متاثر ہو کے اسلام کو قبول کرتے اور اسلامی سلطنت سے منسلک ہوتے چلے گئے۔ اس طرح چودہ لاکھ مربع میل کے رقبہ پر بغیر ضرب شمشیر اپنی دینی وروحانی طاقت سے اسلام نے قبضہ کر لیا۔

اگر یہی حالت برقرار رہتی تو آج دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا کیونکہ وہ ہر انسانی ضرورت کا مقنن اخلاق فاضلہ کا معلم نظم قومی کا ناظم امن وسلامتی کا منشور فلاحی حکومت کا دستور زندگی کی توانائیوں سے بھرپور ایسا نظام

نہ کسی قوم کے پاس تھا نہ کسی مذہب کے تو دنیا اس کی احادیث دیکھ کیوں
اسے قبول کرلیتی مگر بدقسمتی سے مسلمانوں نے خود اسے چھوڑ دیا۔ اور مادی
دنیا میں جا کے بس گئے۔

حکیم اسلام نے اُن کی دینی بصیرت کی نبض دیکھ کے بتادیا تھا کہ مجھے
اس کا اندیشہ نہیں کہ تم مرتد ہو جاؤ گے بلکہ خطرہ یہ ہے کہ تم دنیا پر ٹوٹ
پڑو گے۔ اور اس سے محفوظ رہنے کیلئے کہا تھا کہ اگر قرآن اور میرے اہلبیت
سے متمسک رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ مگر مسلمان مادی ترقی کے سیلاب میں
بہہ گیا۔

یہ ہے مسلم قوم کی زندگی کا ایک پہلو جس نے اس کی تاریخ کو خونی داستان
بنادیا اور دنیا نے اسے پڑھ کے کہا ۔

بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

یہ اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی عوامل ہیں جن سے اسلامی نظام
اسلامی معاشرہ اسلامی حکومت اسلامی روح اور اسلامی بصیرت بدل گئی
اس کا نقطۂ نظر بدل گیا۔ عوامل تو بہت ہیں یہاں دو تین عوامل بیان کئے
جاتے ہیں جو بہت نمایاں ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

پولیس کے نظام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظام
کو مضمحل کر دیا۔ یہ دینی فرض جو قرآن نے تمام مسلمانوں پر عائد کیا تھا۔ تنخواہ دار
سپاہیوں نے اٹھالیا اور قوم کو اپنی ذمہ داری کا احساس کم ہوتا گیا رفتہ
رفتہ قرآن کا یہ حکم وجوبی اس طرح مردہ ہو گیا کہ آج دنیا میں اس کا کہیں
نام و نشان نہیں حالانکہ آج بھی مسلمان مختلف خطہ زمین پر حکمران ہیں۔

اشاعت حدیث کی ممانعت حضرت عمر کی اشاعت حدیث سے ممانعت کے بارے میں محمد حسین ہیکل کہتے ہیں۔

اب کہہ سکتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت عمر سے فرو گذاشت ہوئی اور زمانے کے امتداد نے اس فرو گذاشت کو ثابت بھی کر دیا کہ فاروق اعظم کی وفات کے بعد وضع احادیث کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا[1] (عمر فاروق اعظم ص ۶۸۹)

---

[1] حضرت عمر کا اشاعت سے روکنے کا تعلق فقہی حدیثوں سے نہ تھا کیونکہ وہ لوگوں سے پوچھتے تھے کہ اس مسئلہ میں کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ لوگ بتاتے تھے اور وہ اسے قبول کرتے تھے وہ علی کے فضائل کی حدیثوں کو روکنا چاہتے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسی حدیثیں دھرائی جاتی رہیں اور بعد کو ذہن مسلم میں انتشار پیدا ہو اور وہ علی کے بارے میں سوچنے لگے۔

وضع احادیث کا سلسلہ معاویہ کے وقت سے شروع ہوا وہ بھی اخلاقی و فقہی حدیثیں نہیں کیونکہ انہیں اس سے مطلب نہ تھا کہ قرآن میں کیا ہے اور حدیث میں کیا ہے ان کا مقصد محض سیاست تھی جیسا موقع ہوتا تھا ویسا حکم دیتے تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ ابو تراب کی فضیلت کے مقابلہ میں جو شیخین کی فضیلت کی حدیث بیان کرے اسے انعام دیا جائے اور ان کی فضیلت بیان کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ اس طرح وضع احادیث کا دروازہ کھل گیا اسی سلسلہ میں انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی کے مقابلہ میں یہ حدیث وضع ہوئی انی ترکت فیکم امرین کتاب اللہ و سنت رسولہ۔ یہ روایت موطا میں ہے اسے صاحب مشکوٰۃ و صاحب کنز العمال نے نقل کیا ہے۔ بخاری و مسلم (باقی صفحہ آگے)

اعزازی وظائف | محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں۔

جن حضرات کو حضرت عمر نے وظائف میں امتیازی حیثیت دی تھی ان میں سے کچھ بزرگ اس رقم کو صدقے کے طور پر دے دیا کرتے تھے لیکن بیشتر لوگ وظیفہ لے کر تجارت کرتے تھے اور اس لیئے جو لوگ وظیفہ ہزاروں درہم وصول کرتے تھے ان کی دولت دوگنی اور چوگنی ہوگئی اس سے طبقاتی امتیازات نے جنم لیا اور اجتماعی نظام پر ان امتیازات کا اتنا واضح اثر ہوا کہ حضرت عمر اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انتہائی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں حضرت صدیق نے جو مسلمانوں کے درمیان مساوات رکھی تھی وہی بہتر تھی اور وظائف کے بارے میں انہیں بھی اسی روش پر چلنا چاہیئے چنانچہ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو آخری آدمی کو پہلے آدمی سے ملا کر ایک وجود بنا دوں گا اور کہا کہ اگر میں اس سال زندہ رہ گیا تو سب سے پست کو سب سے بلند آدمی سے ــــــــ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) و ترمذی وابو داؤد و ابن ماجہ ونسائی و دیلمی و تطنزی وخوارزمی وحاکم وطبرانی عبدالرزاق واصبہانی وعنبی وغیرہ آئمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں اس کو جگہ نہیں دی بخلاف اس کے اہلبیت والی حدیث کو تمام آئمہ حدیث نے لکھا ہے ایک سو اٹھائیس آدمیوں نے اس کو استخراج کیا ہے دو سو صحابی اس کے راوی ہیں اور دو سو علماء نے اس کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور سنتی والی حدیث کا ماخذ صرف موطا ہے اس کے باوجود جو لوگ اہلبیت سے انحراف ضروری سمجھتے ہیں وہ اسی حدیث کو پیش کرتے رہتے ہیں۔

سلادوں گا لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ایک سطح پر لانے کے لیئے اگر امتیازی وظیفوں میں کمی کی گئی تو اس سے ایک ایسی ناراضی پھیل جانے کا اندیشہ ہے جس کے نتائج ناخوشگوار ہوں گے چنانچہ ان کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ چھوٹے وظیفہ پانے والوں کے وظیفہ میں اضافہ کر کے انھیں بڑے وظیفہ پانے والوں کی سطح پر پہنچا دیا جائے۔ ان کا ارشاد تھا کہ اگر میں دولت کی فراوانی تک زندہ رہا تو ہر مسلمان کا وظیفہ تین ہزار درہم کر دوں گا ایک ہزار اس کے جانوروں اور ہتھیاروں کے لیئے اور ایک ہزار خود اس کے لیئے ایک ہزار اس کے اہل و عیال کے لیئے لیکن وہ سال بھر زندہ نہ رہے اور آنے والے سال سے پہلے ہی شہید کر دیئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبقات باقی رہ گئے اور ان طبقات کا آگے چل کر ملت اسلامیہ کی زندگی پر جو اثر پڑا اس کی تفصیل اس کتاب کے دائرہ بحث سے خارج ہے۔

وظیفوں کے فرق سے اسلام کا سب سے اہم رکن مساوات کا خاتمہ ہو گیا جس کا لازمی نتیجہ لوگوں میں خود غرضی حرص مال کا بڑھنا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ اخوت کے تقاضوں کا پامال ہونا اور اپنی ذاتی ضروریات کا بڑھنا ہے۔

عمر فاروق اعظم ۱۴۰۴/۱۱/۱۳

معاویہ کا اقتدار حضرت عمر کے دور کا یہ بھی اہم واقعہ ہے کہ انہوں نے معاویہ کو شام کی ولایت مستقل طور پر دے دی حالانکہ بقول طٰہٰ حسین ان کا اصول تھا کہ وہ عمال کو بدلتے رہتے تھے۔ مگر ان کو نہیں بدلا جس سے ان کے اقتدار کی گرفت شام پر مضبوط ہو گئی۔ حضرت عمر بڑے مردم شناس تھے ان کے خدم و حشم پر انہوں نے اعتراض بھی کیا اور باوجود اس کے کہ دوسرے عمال کو شان و شوکت اختیار کرنے پر سخت سزائیں دیں مگر معاویہ کو آزاد چھوڑ دیا کیونکہ وہ نہایت ہوشیار اور چالاک تھے۔ بنی ہاشم کے اچھے حریف بن سکتے تھے۔

محمد حسین ہیکل نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> میں اس اثر کی طرف اشارہ کئے بغیر اس باب کو ختم کرنا نہیں چاہتا۔ جو حضرت عمر کے معاویہ بن ابی سفیان کو تمام ملک شام کا امیر بنا دینے سے ہوا۔ اور جس کے سبب بعد کو اموی حکومت کی داغ بیل پڑی۔
>
> وہ عہد فاروقی کے خاتمہ تک شام کے والی رہے اور عثمان کے دور خلافت میں بھی انہیں اپنے عہدے پر برقرار رکھا گیا اس کا اثر اسلامی سلطنت کی زندگی پر جو ہوا وہ ظاہر ہے۔
>
> (عمر فاروق اعظم ص ۳۵۷)

اسلامی سلطنت پر بُرا اثر کیوں پڑا

اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں اقتدار کا استعمال منشائے خدا کے مطابق ہے۔ یہ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک راستہ ہے اس پر انبیاء و رسل یا اُن کے گھر والے ہی چل سکتے ہیں

اسی لئے رسولؐ کی نیابت کبھی دوسرے گھر میں پیدا نہیں کی جاسکتی اس کے لئے کسی شخص کا تربیت یافتہ رسولؐ ہی کے گھر میں ممکن ہے اس زمانے کے کسی شخص کو ذہن میں رکھ کے غور کیجئے کہ وہ رسولؐ کی نیابت کے لئے کسی کی تربیت کر سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاءؑ کے جانشین ان کے گھر والے ہی ہوتے رہے مگر خاتم النبین کے جانشین مختلف قبائل کے لوگ ہوئے اور مسلمان انھیں خلیفہ رسولؐ تسلیم کرتے رہے حالانکہ رسولؐ خدا سے علیؑ کو جو کمالات حاصل ہوئے وہ صحابہ میں کسی ایک کو حاصل نہ تھے۔ یہ جانتے ہوئے علیؑ کو خلافت سے دور رکھا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ رسولؐ کی نیابت تو نہ رہی قیصر و کسریٰ کی خلافت بن گئی اس کا احساس حضرت عمر کو بھی ہوا۔

محمد حسنین ہیکل لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت عمر نے سلمان فارسی سے پوچھا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ"

ملوکانہ سیاست اختیار کرنے کے بعد انہیں یہ سوچنا بھی چاہئے تھا کہ میں کیا ہوں۔

انعقاد مجلس شوریٰ

حضرت عمرؓ کے رحلت فرمانے کے تین دن بعد انتخاب خلیفہ کے لئے ارکان شوریٰ جمع ہوئے اور کاروائی شروع ہوئی۔

طلحہ بن نے اپنا حق رائے دہندگی عثمان کو دیا۔ زبیر بن نے علیؑ کو دیا۔ سعد بن ابی وقاص بن نے اپنا حق رائے دہندگی عبدالرحمٰن کو دیا۔ اب مجلس شوریٰ میں ۳ ممبر رہ گئے۔ علیؑ۔ عثمان۔ عبدالرحمٰن۔ عبدالرحمٰن نے کہا میں اس شرط پر خلافت کی امیدواری سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں کہ آپ دونوں اپنے میں سے ایک کو منتخب کرنے کا حق مجھ کو دے دیں یا اپنی امیدواری سے کوئی دست بردار ہو کر یہ حق لے لے علیؑ نے کہا نہ میں اپنا حق رائے دہندگی کسی کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوں نہ اپنے حق سے دستبردار ہونے پر تیار ہوں۔

عبدالرحمٰن نے اپنے کو امیدواری سے علیحدہ کر کے عثمان و علیؑ میں سے کسی کو منتخب کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور علیؑ سے کہا۔

میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں کتاب خدا سنت رسولؐ اور سیرت شیخین کی پیروی کی شرط پر۔

حضرت علیؑ نے کہا مجھے سیرت شیخین کی پیروی کی شرط پر خلافت

منظور نہیں۔[1]

عبد الرحمٰن نے تین دفعہ دریافت کر کے عثمان سے وہی پوچھا انھوں نے مان لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔

حضرت علیؑ یہ کہہ کے چلے گئے۔

یہ پہلا دن نہیں ہے جو تم نے ہم پر زیادتی کی ہو اب صبر جمیل کے سوا کیا چارہ ہے تم جو کرتے ہو اس پر اللہ ہی مددگار ہے۔

یہ عبد الرحمٰن کی وہ چال تھی جس سے ہر صورت میں حضرت علیؑ مات کھاتے اگر وہ خود خلافت سے دستبردار ہوتے جب بھی مقصد حاصل تھا اپنا حق رائے دہندگی عبد الرحمٰن کو دیتے جب بھی خلافت سے ہاتھ دھوتے۔

عبد الرحمٰن کی یہ انتہائی ہوشیاری تھی کہ انھوں نے پہلے حضرت علیؑ کے سامنے خلافت پیش کی مگر ایک شرط ایسی رکھ دی جس کے متعلق وہ جانتے تھے کہ علیؑ اس کو ہرگز قبول نہ کریں گے اور پھر حضرت عثمان کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی اور یہی ہوا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ چال ان کو مغیرہ بن شعبہ نے سکھائی تھی اور یہی قرین قیاس ہے عبد الرحمٰن بن عوف اتنے شاطر نہ تھے۔ بہر حال حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے اس کا یقین حضرت عمر کو بھی

---

[1] سیرت رسولؐ کی پیروی کی شرط کے بعد سیرت شیخین کی پیروی کی شرط کے یہ معنی ہیں کہ وہ سیرت رسولؐ کے علاوہ ہے اسی وجہ سے حضرت علی نے اسے منظور نہیں کیا۔

تھا کیونکہ انھوں نے مہرے ہی ایسے بٹھائے تھے چنانچہ انھوں نے حضرت عثمان کو وصیت کی تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد اپنے خاندان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش نہ کرنا اور میرے معین کئے ہوئے عمال کو سال بھر تک نہ ہٹانا۔

جلیل الرحمٰن اعظمی رسالہ نگار میں بحثِ خلافت کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

میرے نزدیک اس پارٹی کی خصوصاً عبدالرحمٰن بن عوف کی یہ زبردست خطائے اجتہادی تھی جنہوں نے حضرت علیؑ کے مقابلہ میں ایک ایسے شخص کو ترجیح دی جو کسی طرح اس کا مستحق نہ تھا جبکہ بعد میں خود عبدالرحمٰن بن عوف اپنی آخری عمر تک اس پر متاسف رہے۔

حضرت عثمان کا دورِ حکومت

پہلی محرم ۲۴ھ کو ترسٹھ سال کی عمر میں حضرت عثمان سریرِ خلافت پر متمکن ہوئے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

پہلا حادثہ

حضرت عثمان کو اپنی خلافت کے پہلے ہی دن جس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا وہ عبیداللہ بن عمر کا واقعہ ہے حضرت عبیداللہ نے ہرمزان حفینہ اور بنت ابولولو کو قتل کر دیا ——— سعد بن ابی وقاص نے پہنچ کر انھیں قابو میں کیا ——— اس کے بعد انھیں قید کر دیا گیا تا آنکہ خلیفہ اس مقدمہ کا فیصلہ کر دے۔

الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۳۹

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انھوں نے مہاجر و انصار کو بلایا اور اس بارے میں رائے پوچھی تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبیداللہ کو قتل کر دینا چاہیئے۔ سیرۃ النعمان ص ۳۴

لیکن حضرت عثمان نے مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ادا کر دی اور عبیداللہ کو چھوڑ دیا لوگوں نے کہا کہ عثمان نے ایک حد کو معطل کر دیا۔

وظائف میں اضافہ

اپنی خلافت کے ساتویں دن وظائف میں اضافہ کیا اور دوسرے صوبوں کے اکابر کو دربار خلافت میں طلب کر کے انعام و اکرام پر خائز کیا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد ایک دستر خوان عام جاری کیا جس پر ہر شخص بلا امتیاز سیر ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

انعامات

انھوں نے صحابہ کبار کو مقررہ وظیفوں کے علاوہ جو ان کے نام جاری تھا مختلف انعامات دینے شروع کر دیئے چنانچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت زبیر بن العوام کو چھ لاکھ درہم دیئے حضرت طلحہ کو دو لاکھ درہم دیئے ساتھ ہی وہ قرضہ بھی معاف کر دیا جو انھوں نے حضرت عثمان سے لیا تھا ابن سعد کی روایت کے مطابق جب حضرت زبیر کو یہ رقم ملی تو انھوں نے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ رقم لگانے

کا کونسا بہترین مصرف ہے چنانچہ انھیں بتایا گیا کہ وہ صوبائی شہروں اور علاقوں میں مکانات تعمیر کرائیں۔

پابند مدینہ افراد کی آزادی

انھوں نے مذکورہ بالا تمام امور سے زیادہ خطرناک پالیسی میں بھی حضرت عمر کی مخالفت کر ڈالی اور وہ یہ کہ صحابہ کبار کو اجازت دے دی کہ وہ حجاز سے نکل کر سلطنت اسلامیہ کے اندر جہاں چاہیں جائیں۔ جب حضرت عمر کی وفات ہوئی تو اس وقت قریش ان سے دل برداشتہ ہو چکے تھے کیونکہ حضرت عمر نے انہیں مدینہ میں بند کر رکھا تھا۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۷

(حاشیہ: تاریخ الامم والملوک طبری ۔ الفتنۃ الکبریٰ [illegible])

ان باتوں سے لوگ حضرت عثمان کے دور کو دورِ عافیت کہنے لگے مگر رفتہ رفتہ انھوں نے اقربا پروری اور بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں بنی اُمیّہ کو دینا شروع کیں۔

حکم کا مدینہ میں داخلہ

حکم بن عاص اسلام لانے کے بعد رسولؐ کے پیچھے چلتا مضحکہ خیز اشارے کرتا بغلیں بجاتا منہ سکوڑتا نماز میں صف آخر میں کھڑے ہو کے اُنگلی سے اشارے کرتا حجرہ ازواج میں چھپ کے جھانکتا ایک دفعہ رسولؐ اللہ نے دیکھ لیا تو آپ فوراً باہر نکل آئے اور فرمایا کہ مجھے اس ملعون سے کوئی نجات دلائے۔ آخر میں آنحضرت نے عاجز آ کے اس کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور اپنی زندگی بھر واپس آنے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت ابوبکر نے بھی اس کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا وہ

طرید رسولؐ کہا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے بھی اس کو مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت عثمان نے اپنے دور میں اس کو بلا لیا لوگوں کے اعتراض پر انھوں نے کہا کہ آنحضرت سے میں نے اجازت لے لی تھی علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:-

یہ ایسی بات تھی جس کی صداقت کے لوگ منکر تھے۔

ترجمہ تاریخ کامل دور اموی مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی جلد ۵ ص ۶۰

انھوں نے اس کو بیت المال سے ایک لاکھ درہم عنایت فرمائے

مروان اس کے بیٹے مروان سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ فدک کا علاقہ اس کو دیدیا افریقہ میں پانچ لاکھ دینار کی جائداد اس کو دی اور اپنا وزیر اعظم بنا لیا یہ دبلا پتلا شرارت کا پتلا خیط باطل کے نام سے مشہور تھا مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ لوگ اس کو بنو زرقا بھی کہتے تھے اور اس نام کو وہی لوگ استعمال کرتے تھے جو اس کی مذمت کرنا چاہتے تھے زرقا بنت موہب مروان کی دادی تھی اور اس کے متعلق ایسی روائتیں ہیں جن سے اس کا فاحشہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حارث اس کے دوسرے بھائی حارث سے اپنی دوسری بیٹی کی شادی کی اور ایک لاکھ درہم بیت المال سے دیئے بازار مدینہ میں ایک زمین بہروز تھی جسے پیغمبرؐ نے مسلمانوں کے لئے وقف عام قرار دیا تھا اس کو بخش دی۔

ولید بن عقبہ جسے قرآن نے فاسق کہا ہے اس کو بیت المال سے ایک لاکھ درہم عنایت فرمائے۔

عبداللہ بن خالد کو چار لاکھ درہم دیئے ابوسفیان کو چار لاکھ درہم دیئے۔

واقدی کی روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے کثیر مال البصرہ سے بھیجا انھوں نے وہ سب اپنے خاندان اور اولاد کو پیالوں میں بھر بھر کر تقسیم کر دیا زیادیہ دیکھ کر رونے لگے۔ تین سو دینار حکم بن العاص کو اور ایک لاکھ درہم سعید بن العاص کو دیئے اور صدقے کے اونٹ حارث بن الحکم کو دیدیئے۔

خالد بن ابی العاص بہت دن سے غائب تھا جب مدینہ آیا تو ایک لاکھ درہم بیت المال سے اس کو عطا کئے۔ افریقہ کی جنگ سے جو مال غنیمت آیا وہ سب کا سب مروان کو دے دیا۔

بیت المال پر تصرف

ابوموسیٰ اشعری خازن بیت المال سے ایک قیمتی انگوٹھی اور ایک سونے کی انگیٹھی نکلوا کر اپنی لڑکیوں کو دے دی ایک قیمتی ہیرا اپنی بیوی کے زیور کے لئے دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو کہا میں اپنی تمام ضرورتیں اسی بیت المال سے پوری کروں گا۔ ہستہ خرما کی اور بحری تجارت ان کے لئے مخصوص تھی کوئی دوسرا یہ تجارت نہیں کر سکتا تھا مدینہ کے گرد جتنی چراگاہیں تھیں ان میں بنی امیہ کے علاوہ کسی کے اونٹوں کو چرنے کی اجازت نہ تھی۔

علامہ احمد امین لکھتے ہیں:-

بنو امیہ نے خلافت کو اپنی لونڈی بنا لیا تھا اور اسے اپنے اندر بلکہ بنی امیہ کے ایک مخصوص گھرانے

میں منحصر کر لیا تھا قریش کے دوسرے خاندانوں کو اس کا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ فجر الاسلام

حضرت علیؑ نے فرمایا :-

وہ اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جیسے اونٹ فصل ربیع کا چارہ۔ نہج البلاغہ

حضرت عمر کے زمانہ سے وظیفوں کی زیادتی سے ایک دولتمند طبقہ پیدا ہو گیا تھا حضرت عثمان کے عہد میں ان کی دولت مندی میں اور اضافہ ہو گیا۔

زبیر کی دولتمندی زبیر بن العوام نے عالیشان عمارتیں بنوائیں ایک ہزار غلام اور ایک ہزار کنیزوں کے وہ مالک تھے۔

طلحہ کی دولتمندی طلحہ کے عراقی غلہ کی آمدنی ایک ہزار دینار روزانہ کے حساب سے ہوتی تھی اور بعضوں نے اس سے بھی زیادہ بتائی ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف کی دولت عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس سو گھوڑے ہزار اونٹ دو ہزار بھیڑیں تھیں۔

سعد بن ابی وقاص زید بن ثابت اور ابوہریرہ بھی مالداروں میں تھے۔ حضرت عثمان اس دولت مندی میں اضافہ ہی کرتے گئے۔ اس کا اثر اسلامی معاشرہ پر بہت برا پڑا۔

حضرت عثمان کے زمانہ کا تمدن

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں :-

نتیجۃً جلد ہی خود مکہ مدینہ اور طائف میں رئیسوں کا وہ طبقہ پیدا ہو گیا جو خود کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتا تھا جس کا تمام

کام غلاموں کے ہاتھوں انجام پاتا تھا جس کا اپنا وقت
لہو و لعب عیش کوشی اور ہنسی مذاق میں گذرتا ازاں بعد
ایک صورت یہ رونما ہوئی کہ حجاز اور اس کے تمام
اقطاع میں تمدن بسرعت تمام کھنچ آیا چنانچہ خوش حالی
اور آرام پرستی کا دور دورہ ہوگیا اور وہ فنون بھی
پیدا ہو گئے جو خوشحالی اور آرام پرستی کا ثمرہ ہوتے ہیں
یعنی نغمہ و سرود رقص و شاعری کی وہ قسمیں جو سنجیدگی
اور قوت عمل نہیں پیدا کرتیں بلکہ بیکاری و آرام پرستی
اور ان کی لذتوں میں اور ان اغراض کے لیے اپنے
آپ میں کھوئے رہتے ہیں اور اپنے نفس کی فکر وں میں
لگے رہتے ہیں۔

الفتنة الکبریٰ ص ۲۲۸

مصر کے مشہور مورّخ علامہ احمد امین لکھتے ہیں:۔

حجاز میں ایک دوسری قسم کی زندگی لوگوں کے اذہان پر چھائی
ہوئی تھی اس کو فرح و سرود اور طرب و شرب کی زندگی
کہنا موزوں ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ حجاز میں شراب اور عورتوں
کے ساتھ تشبیب و غزل تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حتی کہ موسم حج بھی
اس سے مستثنیٰ نہیں تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اور بکثرت لہو و لعب پایا
جاتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔

عبید اللہ بن عمر عمری نے کہا کہ میں حج کے ارادہ سے نکلا
راستہ میں ایک عورت کو دیکھا جو اس قسم کی باتیں کر رہی
تھی جو بہت حد تک شہوت انگیز تھیں میں نے اپنی اونٹنی

اس کے قریب کی اور کہا۔ اے خدا کی بندی کیا تو حج کرنے جا رہی ہے۔ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی اس پر اس نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دی اس کا چہرہ حسن میں آفتاب کو بھی شرماتا تھا کہنے لگی چچا جان غور تو فرمایئے میں ان عورتوں میں سے ہوں جن کے بارے میں عربی شاعر اس قسم کے اشعار لکھ گیا ہے۔

من اللاء لم یحججن یبغین حسبۃ — وہ ان عورتوں میں سے ہے جو
ولکن لیقتلن البری المغفلا — ثواب کے لئے حج نہیں کرتیں

بلکہ اس لئے حج کرتی ہیں کہ کسی سادہ اور بے گناہ کو قتل کر دیں۔
فجر الاسلام ص ۵۱۸

موسیقی کی ترقی

علامہ عبد الرزاق مصنف البرامکہ لکھتے ہیں:۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں پہلا مغنی طویس ہوا ہے جس نے اصول موسیقی کے مطابق عربی راگ گائے اس کے شاگردوں میں معبد، دلال، نومۃ الضحیٰ بہت مشہور ہیں .... طویس سے قبل موسیقی کا رواج عورتوں میں ہو چکا .... خلافت عثمانیہ کے بعد امیر معاویہ کے عہد میں کافی ترقی موسیقی کو ہوئی۔ البرامکہ طبع دوم ص ۳۸

اس دولتمندی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان دولت مندوں کو بھی زکوٰۃ دیتے تھے۔

امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت عثمان جب لوگوں کو تنخواہیں دیتے تھے تو اگر ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی تھی تو ان سے پوچھ کر زکوٰۃ کی رقم کاٹ لیتے تھے۔

از تہذیب و تمدن اسلامی ص ۱۶۱

تقسیم زکوٰۃ میں یہ بے اعتدالی دیکھ کے حضرت علیؑ نے احکام زکوٰۃ لکھ کے حضرت عثمان کے پاس بھیجے انھوں نے دیکھنے سے انکار کر دیا۔

نیاز فتحپوری نگار کے تنقیح اسلامی کے نمبر میں شیخ طاہر جزائری کی کتاب توجیہ النظر الی اصول الاثر کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

حضرت عثمان کے پاس محمد بن علیؑ ابن ابی طالب اپنے باپ کے پاس سے وہ صحیفہ لے کر گئے جن میں احکام زکوٰۃ تھے حضرت عثمان نے فرمایا مجھے اس سے معاف رکھو!

دو رکعتی نماز چار رکعت پڑھا دی : ۲۹ھ میں جب حج کے لئے گئے تو دو رکعتی نماز چار رکعت پڑھا دی۔

رسول کی انگوٹھی کا گم ہونا : دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ کی انگوٹھی جو حضرت ابوبکر و عمر کے بعد انہیں ملی تھی وہ ان سے گم ہو گئی اسے لوگوں نے شگون بد سمجھا۔

جمع و حرق قرآن : انہوں نے زید بن ثابت کو جمع قرآن پر مامور کیا زید نے کچھ اپنے حافظہ سے کچھ لوگوں سے پوچھ کے قرآن جمع کیا وہ اس کام کے اہل نہ تھے ترتیب تنزیل کے مطابق نہ کر سکے اس وجہ سے ناسخ و منسوخ

کی شناخت مشکل ہو گئی تھی۔ اب ناسخ و منسوخ ایک ہی سورہ میں ہے اور قباحت یہ ہے کہ ناسخ پہلے اور منسوخ بعد میں ہے۔ بعض آیات کی تاویل و تفسیر جو سباق سے معلوم ہو جاتی اب مشکل ہو گئی مکی اور مدنی آیتیں بھی مخلوط ہو گئیں ان میں اتنا سلیقہ بھی نہ تھا کہ بے ترتیب ہی سہی پہلے سب سورے مکی پھر مدنی رکھتے لہ

لہ اس وقت قرآن کھجور کی چھال کاغذ اور پتھر کے ٹکڑوں پر ایک ڈھیر کی شکل میں تھا اس کو مرتب کرنا کہاں ممکن تھا جن لوگوں نے کاغذ پر لکھا انہوں نے بھی اس ڈھیر سے کام نہیں لیا بلکہ جہاں سے جو سلا اسے لکھ لیا۔ حفظ کرنے والوں نے بھی ایک ہی ترتیب سے حفظ نہیں کیا کیونکہ کسی کے علم میں ترتیب تھی ہی نہیں زید بن ثابت کے علاوہ کسی اور سے یہ خدمت لی جاتی تو اس کی ترتیب بھی کچھ اور ہوتی اور سو آدمیوں سے یہ کام لیا جاتا تو سو ترتیب ہوتی اور سو آدمی ال کے لکھتے جب بھی ترتیب تنزیل کے مطابق نہ ہوتی۔ یہ کام صرف علی کا تھا قرآن ان کے گھر میں نازل ہوا تھا جس ترتیب سے وہ نازل ہوتا گیا اس ترتیب سے وہ حفظ کرتے گئے اور اسی ترتیب سے انہوں نے لکھ کے حضرت ابوبکر کو دیا انہوں نے اس کو دیکھ کے واپس کر دیا جب حضرت عثمان نے جمع قرآن کا ارادہ کیا تو زید بن ثابت سے کہا ابن مسعود سے ان کا جمع کیا ہوا قرآن مانگا انہوں نے انکار کر دیا مگر علی سے نہیں مانگا اگر ان سے مانگتے تو وہ فوراً دے دیتے حضرت ابوبکر کو بے مانگے دیا تھا۔ انہوں نے اشاعت ہی کیلئے جمع کیا تھا مجھے حیرت تھی کہ حضرت علی ایسا عالم قرآن جمع کر کے حضرت ابوبکر کو دیتا ہے اور وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ حضرت عثمان زید بن ثابت سے قرآن جمع کراتے ہیں ابن مسعود سے ان کا قرآن مانگتے ہیں اور حضرت علی سے جمع شدہ قرآن نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عثمان نے اس قرآن کی اشاعت کی اور پہلے کے تمام نسخے جمع کر کے جلوا دیے اس سے قرآن کا لقدس پامال ہوا جس کی وجہ سے لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا۔ ابن مسعود ہر جمعہ کو مستقل نماز کے بعد منبر پر احتجاج کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مانگتے اس کی وجہ کیا ہے؟

اس سے حیرت میں اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم محمد بن سیرین کا یہ قول دیکھتے ہیں کہ اگر علی کا قرآن ملتا تو علم کا بہت بڑا ذخیرہ ملتا۔ آخر علی کے قرآن میں کیا تھا جس سے علم کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آجاتا اور وہ اس قرآن میں نہیں ہے۔

امام جعفر صادق ؑ کی ایک حدیث نے یہ حیرت دور کر دی وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے ہر آیت کے آخر میں ایک تاویلی لفظ لکھی تھی جو مفہوم و مصداق آیت کو بتاتی تھی۔ مثلاً ان جاءکم فاسق بنبأ الولید۔ ومنهم من عٰهد وا اللّٰه ثعلبه بن حاطب یا ایها الرسول بلغ بولایۃ علی۔ الیوم اکملت لکم دینکم بولایۃ علی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم تاویلی لفظ کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے اب معلوم ہوا کہ اس صورت سے علی کا قرآن مسلمانوں کے علم میں لانا خطرناک تھا مگر بات پھر بھی نہیں بنی مفسرین اہل سنت نے بتا دیا کہ علی کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں عبداللہ الاصبہانی کی کتاب ما نزل من القرآن فی علی اور نطنزی و نسائی کی خصائص اس سلسلہ کی اہم کتابیں ہیں اس سب کے باوجود بھی تاویل اور انکار کی گنجائش باقی ہے فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ایہ یا ایها الرسول بلغ فضل علی میں نازل ہوئی۔ کیا فضل لا یہیں لکھا حضرت علی کا قرآن قبول کر لینے کے بعد یہ گنجائش باقی نہ رہتی اس وجہ سے اس کی اشاعت نہ حضرت ابو بکر نے مناسب سمجھی نہ حضرت عثمان نے ان کے ساتھ علی سے غیر متعلق آیات کی تاویل بھی ہاتھ سے گئی۔ جن کی تعداد ۶ ہزار تین سو چھیاسٹھ تھی۔

تبدیلیٔ عمال سال گذرتے ہی مغیرہ بن شعبہ عمرو بن عاص سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن ارقم ابو موسیٰ اشعری کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا یہ اصحاب رسول فاتحان ملک اور تدبر و سیاست میں مشہور تھے ان کی جگہ بنی امیہ کے کمسن اور نا اہل لوگوں کا تقرر کیا ان لوگوں کا مختصر تعارف علامہ احمد امین سے سُنئے :-

ولید بن عقبہ ولید بن عقبہ اموی کی سیرت کا مطالعہ کیجئے جو حضرت عثمان کا اخیافی بھائی تھا ــــــ اس کی زندگی میں اسلام نے کچھ زیادہ اثر نہیں کیا تھا یہ شراب پیتا تھا اس کا مکان عراق کے اوباشوں کا ملجاؤ ماوئی بنا رہتا تھا اس میں زمانہ جاہلیت کی مالی سخاوت اور جاہلی عصبیت بہت نمایاں تھی۔

فجر الاسلام

یہ کوفہ کا گورنر مقرر ہوا اور اس نے شراب کے نشے میں نماز پڑھائی اس وقت یہ پچیس ۲۵ برس کا نوجوان تھا۔

عبداللہ بن ابی سرح یہ حضرت عثمان کے عزیز ہونے کے علاوہ ان کے رضاعی بھائی تھے حضرت عثمان ان کو بہت چاہتے تھے۔ محمد حسین ہیکل کا بیان ہے کہ :-

یہ پہلے مسلمان تھے اور کاتب وحی تھے اس کے بعد اسلام سے منحرف ہو کر چلے گئے وہاں لوگوں سے کہا کہ میں نے آیات قرآنی کو لکھنے میں بڑھا دیا ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بیان سنئے :-

وہ ان آدمیوں میں ہیں جنہوں نے رسولؐ خدا کو سخت اذیت پہنچائی تھی اور آپ کا تمسخر اڑایا تھا خود

قرآن نے ان کے کفر کی شہادت دی ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔

عبداللہ قرآن کا مذاق بھی اڑایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں بھی خدا کے قرآن کا سا قرآن نازل کرنے والا ہوں رسول خدا نے فتح مکہ کے روز ان کا خون مباح کر دیا تھا لیکن حضرت عثمان انھیں مسلمان بنا کر آنحضرت کی خدمت میں لے آئے۔ الفقہ الکبری ص ۲۶۸

حکم اور مروان کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔

امیر معاویہ

امیر معاویہ حضرت عثمان کے چچازاد بھائی بڑے دانشمند اور مدبر دمشق کے گورنر تھے بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے اہل شام اس شان و شوکت کے عادی اور اسلامی زندگی سے آشنا نہ تھے انھیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ بیت المال کیا چیز ہے اور اس کا کیا مصرف ہے یہ روش اگر قابل اعتراض ہو سکتی تھی تو ان مسلمانوں کے لیے جنھوں نے رسول کا زمانہ دیکھا تھا اور اسلامی تمدن سے واقف تھے وہ جب جاتے تو کانوں پہ ہاتھ رکھتے ابودردا سے سونے کے پیالوں کے خریدنے پر جو گفتگو ہوئی اس میں انھوں نے آخر میں کہا "اس جگہ میں نہیں رہوں گا جہاں تم ہو" عبادہ بن صامت سے بھی اسی قسم کی گفتگو ہوئی جس پر انھوں نے کہا خدا مجھے اس جگہ سے نکالے جہاں تم حاکم ہو۔

عبدالرحمٰن بن سہل انصاری کا واقعہ

عبدالرحمٰن بن سہل انصاری شام گئے وہاں انھوں نے دیکھا

کہ شراب کی مشکیں اونٹوں پر جا رہی ہیں انھوں نے نیزے سے مشکوں میں چھید کر دیا غلاموں نے امیر معاویہ کے سامنے پیش کیا انھوں نے کہا اس بڈھے کو چھوڑ دو اس کی عقل جاتی رہی ہے۔ ان باتوں سے اصحاب رسولؐ کو امیر معاویہ سے اتنا تنفر پیدا ہو گیا کہ وہ ان سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جہشیاری نے الوزراء والکتاب میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ اہل شام کی جماعت کے ساتھ حج کو آئے صبح سویرے سعد بن ابی وقاص کی طرف سے گذرے انھیں سلام کیا مگر سعد نے جواب نہیں دیا۔ معاویہ نے اپنے ساتھ والوں سے کہا یہ رسولؐ اللہ کے صحابی ہیں سورج نکلنے تک کسی سے بات نہیں کرتے سعد نے سُنا تو کہا بخدا میں نے اس سے بات کرنا پسند نہیں کی ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ شروع ہی سے مسلمانوں کے ناپسندیدہ شخص تھے۔

ادھر حضرت عثمان کا بیت المال سے لوگوں کو مالدار بنانا اور اعتراض پر انھیں ڈرانا دھمکانا ایسے واقعات تھے جن سے لوگوں میں ہیجان پیدا ہوتا رہا مثال کے طور پر اس واقعہ کو دیکھئے جسے علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ولید نے کوفہ میں صبح کی نماز ایسی حالت میں پڑھائی کہ وہ شراب کے نشہ میں چور تھا ابو زینب۔ بن زبیر۔ ابو جہنہ غفاری صعب بن جثامہ حضرت عثمان کے پاس شکایت لے کے آئے اس وقت عبدالرحمن بن عوف بھی بیٹھے تھے انھوں نے کہا ولید نے شراب کے نشہ میں نماز پڑھائی حضرت عثمان نے پوچھا تم نے میرے بھائی کو شراب پیتے دیکھا چند نے کہا میں نے نشہ میں چور شراب کی قے کرتے دیکھا حضرت عثمان نے ان لوگوں کو ڈانٹ کے نکال دیا وہ سب حضرت عائشہ کے پاس آئے

اور سارا حال بیان کیا انھوں نے کہا عثمان نے حدود بھی معطل کیں اور گواہوں کو دھمکایا بھی۔

اصحاب رسولؐ کی برہمی

عبد الرحمٰن بن عوف :۔ آخر ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ وہ دین وسیاست پر ہر دو معاملوں میں حضرت عثمان کے مخالف ہو گئے ہیں پھر وہ دن بھی لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عبد الرحمٰن نے صرف مخالفت نہ کی بلکہ حضرت عثمان سے قطع تعلق بھی کر لیا نہ ان سے ملاقات کا سلسلہ کبھی باقی رکھا نہ بات چیت کا۔ ——— الفتنۃ الکبریٰ ص ۳۰۵

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن نے اس وقت بھی حضرت عثمان کی مخالفت کی تھی جب انھوں نے قرابتداروں کو دولت عطا کی تھی۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۳۰۶

سعد بن وقاص کی مخالفت اسی حد تک تھی جہاں تک تری خیر خواہی اور امر بالمعروفؑ کا تعلق ہے۔ حضرت سعد اس الجھن میں مبتلا تھے کہ اگر وہ عثمان کے حق میں نفرت وبیزاری کا اظہار کریں گے تو لوگ ان پر الزام لگائیں گے کہ ان کی

مخالفت دربردہ حضرت عثمان سے خلاف انتقامی کارروائی
ہے جنھوں نے ان کو کوفہ کی گورنری سے برطرف کردیا تھا
الفتنۃ الکبری ص ۳۱۴

حضرت طلحہ۔ جب حضرت عثمان کے بارے میں مخالفانہ سرگرمیاں
ظہور میں آنے لگیں تو وہ بھی ان میں شریک ہو گئے۔
جب یہ مخالفت شدت اختیار کر گئی تو حضرت طلحہ
اس کے سرغنوں میں شامل تھے جب حضرت عثمان
کا محاصرہ ہو گیا تو حضرت طلحہ محاصرہ کرنے والوں
میں شامل تھے۔ الفتنۃ الکبری ص ۳۲۳

حضرت علیؑ۔ سیاست عثمان نے انھیں شدید مخالفت پر مجبور
کردیا کیونکہ وہ حضرت عبیداللہ بن عمر کو معاف کردینے
میں حضرت عثمان کے ہم خیال نہ تھے پھر برابر اس قسم
کے واقعات ہوتے رہے جنھوں نے ان کی مخالفت
کو شدید تر . . . . کردیا لیکن بہر حال یہ مخالفت
سنجیدگی و راستی کی حد سے متجاوز نہ ہوئی گو کبھی
نرم ہو جاتی اور کبھی سخت تاہم کبھی بھی خیر خواہی
مشورہ اور عتاب الٰہی سے ڈرانے کے علاوہ انھوں
نے کوئی مخالفانہ اقدام نہیں کیا۔ واقعات مسلسل
شدید اور ہولناک صورت اختیار کرتے چلے گئے۔
یہاں تک کہ ایک دن حضرت علیؑ کو مجبوراً لوگوں
کی ایک جمعیت کے سامنے حضرت عثمان کی مخالفت

کرنا پڑی جب حضرت عثمان نے جانبدارانہ طور پر یہ
اعلان کیا کہ معترضین جس قدر بھی چاہیں ناک بھوں
چڑھائیں وہ اپنی جملہ ضروریات بیت المال ہی
سے پوری کریں گے حضرت علیؑ نے کہا یہ ......
بات ہے تو آپ کو اس مال سے محروم کر دیا جائیگا
بہر حال حضرت علیؑ کبھی بھی خیر خواہی مشورہ اور
وقتاً فوقتاً سخت تنقید سے آگے نہ بڑھے وہ حضرت
عثمان اور ان کے مخالفین کے مابین واسطہ بن
جاتے اور حضرت عثمان کو ہمیشہ حق شناسی کی اور
لوگوں کو فتنہ پردازی سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے

حضرت ابوذر۔ ایک روز حضرت ابوذر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت
عثمان مروان بن حکم کو بہت سارا مال وزر اور
اس کے بھائی حارث بن حکم کو تین لاکھ درہم دے
رہے ہیں اسی طرح یہ بھی دیکھا کہ حضرت زید بن
ثابت انصاری کو ایک لاکھ درہم عطا کر رہے
ہیں انھیں یہ بخشش قابلِ اعتراض معلوم ہوئی ان
کی نظر میں بخشش کی یہ مقدار بہت زیادہ تھی
چنانچہ حضرت ابوذر سے نہ رہا گیا انھوں نے کہا
دولت جمع کرنے والوں کو عذاب دوزخ کی
بشارت دے دو اور ساتھ ہی یہ آیۃ تلاوت کی
والذین یکنزون الذھب والفضۃ الخ

حضرت عثمان نے ان کے پاس اپنا ملازم بھیجکر انھیں ایسی باتوں سے منع کیا اس پر حضرت ابوذر نے کہا کیا حضرت عثمان مجھے کتاب اللہ کی قرأت اور حکم خدا کی نافرمانی کرنیوالوں کی نکتہ چینی سے منع کرتے ہیں اگر حضرت عثمان ناراض ہو جائیں اور خدا راضی رہے تو یہ بات مجھے زیادہ عزیز ہے بہ نسبت اس کے کہ عثمان راضی ہوں اور خدا ناراض ہو جائے حضرت عثمان نے ان کے بارے میں تحمل سے کام لیا لیکن حضرت ابوذر اپنی تنقید و تنقیص پر باصرار قائم رہے .....

حضرت ابوذر کی پہلی جلا وطنی

حضرت عثمان نے انھیں حکم دیا کہ وہ انکے شام کے دفتر سے ملحق ہو جائیں لیکن وہاں بھی وہ زیادہ نہ ٹھہر سکے انھوں نے شام میں بھی وہی کچھ کہنا شروع کیا جو وہ مدینہ میں کہا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت معاویہ کے بہت سے اقدامات پر اعتراض اٹھانے شروع کر دیئے۔ انھوں نے حضرت معاویہ کے قول کی تردید کی کہ بیت المال خدا کا مال ہے اور کہا کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے انھوں نے امیر معاویہ کے تعمیر خضرا پر یہ بھی اعتراضات کیے اور کہا کہ اگر تم نے اسے مال مسلمین سے بنایا ہے تو خیانت کی ہے اگر اپنے مال سے بنایا ہے تو اسراف کیا حضرت ابوذر یہ بھی کہا

کرتے تھے کہ دولتمندوں کو فقراء کے حقوق تلف کرنے سے ڈرنا چاہیئے لوگ حضرت ابوذر کے گرد جمع ہو جاتے تھے ان کے ارشادات کو گوش توجہ سے سنتے اور ان کی دعوت کو قبول کرتے حتیٰ کہ امیر معاویہ کو حضرت ابوذر کی اس دعوت سے اہلِ شام کے برگشتہ ہونے کا خطرہ دامنگیر ہو گیا (یعنی اسلام کی صحیح تعلیم سمجھنے کا خطرہ پیدا ہو گیا) چنانچہ انھوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں شکایت نامہ ارسال کیا حضرت عثمان نے جواباً تحریر کیا ابوذر کو سخت بے پالان کی سواری کے ذریعہ مدینہ بھیج دیا جائے۔ حضرت معاویہ نے تعمیلاً بڑی درشتی و بے مروتی کے ساتھ انھیں مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۵۵ تا ۱۵۲

ڈاکٹر طہٰ حسین نے اس کے بعد کے واقعات کو سرسری طور پر بیان کر دیا ہے چونکہ ان کو صحیح اور مفصل بیان کرنا حالات کو سمجھنے کے لیئے ضروری ہے اس لیئے ہم اسے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر جب مدینہ پہنچے تو شتر بے پالان کی سواری کی وجہ سے ان کی رانوں میں زخم پڑ گئے پنڈلیوں کا گوشت اتر گیا بعض تاریخوں میں ہے کہ ہڈیاں دکھائی دینے لگیں۔

حضرت عثمان نے ابوذر کو مسجد نبوی میں آتے دیکھا تو کہا۔ او جندب! تیرے دیدار سے کوئی آنکھ روشن نہ ہو تو ہی کہتا ہے کہ عثمان غنی اور خدا محتاج ہے؟ ابوذر نے کہا یہ جھوٹ ہے جب پیغمبرؐ کی رفاقت کا شرف

حاصل ہو وہ خدا کی عظمت و قدرت کو جانتا ہے۔ اس کے لئے یہ کہنا محال ہے
اس کے بعد حضرت عثمان نے ان کو مدینہ طلب کئے جانے کا سبب بتایا،
اور وہ باتیں بیان کیں جو انھوں نے شام میں کہی تھیں ابوذر نے کہا یہ
باتیں میں نے کہی ہیں اگر آپ ان کو اپنی مذمت سمجھتے ہیں تو ترک کر دیجئے
لیکن آپ یہ نہیں کر سکیں گے میں نے رسول خدا سے سُنا ہے کہ جب
بنی امیہ کے تیس آدمی ہو جائیں گے تو وہ مال خدا کو اپنی دولت اور اس
کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں گے۔ حضرت عثمان نے حاضرین سے پوچھا
تم میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہے سب نے کہا نہیں حضرت عثمان نے
حضرت علی کو بلوایا اور ابوذر سے کہا وہ حدیث ابوالحسن کے سامنے بیان کرو
ابوذر نے حدیث بیان کی حضرت علی نے کہا میں نے رسول سے بارہا
سُنا ہے کہ ابوذر سے زیادہ کسی سچے آدمی پر آسمان نے سایہ نہیں ڈالا
حاضرین نے ہم آواز ہو کر اس حدیث کی تصدیق کی ابوذر نے کہا
میں نے جو حدیث رسول سے سُنی تھی وہ بیان کر دی یہ گمان بھی نہیں تھا
کہ اصحاب رسول کو میری باتوں میں شک ہوگا عثمان نے کہا تو جھوٹ
بولتا ہے ابوذر نے کہا میرا گناہ سوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے
اور کچھ نہیں اگر تم کو یہ بات ناپسند ہے تو حکم دے دو کہ آج سے کوئی
امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرے۔ حضرت عثمان کا غصہ بھڑک اُٹھا
اور ڈانٹ کے کہا اور یہ کذاب (معاذ اللہ) جب وہ پھر حاضرین
کی طرف مخاطب ہو کے پوچھا اس کے لئے کیا کروں؟ حضرت علی نے کہا
ان کو چھوڑ دیجئے اگر یہ جھوٹ کہتے ہیں تو خود اس کا اثم ہوگا اور
اور یہ رسوا ہوں گے حضرت عثمان نے غضب آلود آواز میں کہا

تمہارے منہ میں خاک تم جانبداری کی باتیں کرتے ہو! علیؑ نے کہا:۔
خاک تمہارے منہ میں جو اصحاب پیغمبرؐ کو ہیچ سمجھتے اور ان کی حکمت آمیز باتوں کو نہیں سمجھتے۔

حضرت ابوذر کی دوسری جلاوطنی

حضرت عثمان چپ ہو گئے، مگر حضرت ابوذر کو ربذہ جلاوطن کر دیا اور حکم دیا کہ کوئی انھیں پہنچانے نہ جائے، لیکن حضرت علیؑ امام حسنؑ امام حسینؑ عبداللہ بن عباس اور عمار یاسر کوفے کے بیرون شہر تک پہنچانے آئے، اور گلے لگا کے فرمایا۔

اے ابوذر! تم اللہ کے لئے غضبناک ہوئے تھے تو پھر جس کی خاطر یہ تمام غم و غصہ ہے اسی سے اُمید بھی رکھو ان لوگوں کو تم سے اپنی دُنیا کا خطرہ ہے اور تھیں ان سے اپنے دین کا لہذا جس چیز کے لیے انھیں تم سے خطرہ ہے وہ انھیں کے ہاتھ میں چھوڑ دو اور جس کے لیے تمھیں ان سے اندیشہ ہے اسے لے کر ان سے بھاگ نکلو جس چیز سے تم انھیں محروم کر کے جا رہے ہو اس کی ان کو بڑی ضرورت ہے اور جس کو انھوں نے تم سے چھین لیا ہے اس کی تھیں کوئی ضرورت نہیں جلد ہی تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ فائدے میں رہنے والا کون ہے اور کس پر حسد کرنے والے زیادہ ہیں اگر یہ آسمان و زمین کسی بندے پر بند پڑے ہوں اور وہ اللہ سے ڈرے

تو وہ اس کے لئے زمین و آسمان کی راہیں کھول دیگا
تمھیں صرف باطل ہی سے گھبرانا چاہیئے اگر تم ان کی
دُنیا قبول کر لیتے تو وہ تمھیں چاہنے لگتے اور تم اس
میں کوئی حصّہ اپنے لئے مقرر کرالیتے تو وہ تم سے
مطمئن ہو جاتے ۔ نہج البلاغہ

ابوذر کو ربذہ کی آب و ہوا راس نہ آئی ان کے زخم بڑھ گئے بیٹے اور بیوی نے انتقال کیا جو بھیڑیں اپنے گذارہ کے لئے انھوں نے رکھی تھیں وہ سب مر گئیں ایک لڑکی اور خود رہ گئے لڑکی نے ایک دن کہا بابا فاقے برداشت سے باہر ہو گئے کہیں چلنا چاہیئے وہ اسے لے کے ایک طرف کو چلے وہاں بھی کچھ نہ ملا اور تھک گئے ریت سمیٹ کے تکیہ بنایا اور اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے لڑکی سے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے اوپر ایک چادر ڈالدینا اور تم سر راہ جا کے بیٹھ جانا ایک قافلہ آئے گا اس سے کہنا کہ ابوذر صحابی رسولؐ نے انتقال کیا ان کے دفن و کفن کا کوئی سامان نہیں ہے وہ لوگ مجھے دفن کریں گے پھر انھیں کے ساتھ تم مدینہ چلی جانا بعض روایتوں میں ہے کہ وہ بیوی تھیں اور وصیّت انھوں نے بیوی سے کی تھی ۔ بہر حال بیوی یا لڑکی اس نے اس وصیّت پر عمل کیا تھوڑی دیر میں ایک قافلہ نمودار ہوا یہ مالک بن حارث اشتر نخعی ۔ احنف بن قیس تمیمی ۔ صعصعہ بن صوحان اسدی ۔ جریر بن عبداللہ بجلی رؤسائے کوفہ زیارت مکہ سے واپس آرہے تھے مالک اشتر ایک عورت کو تنہا پریشان سر راہ بیٹھا دیکھ کے اس کے قریب آئے تو اس نے کہا میں بیوہ ابوذر ہوں انھوں نے غربت میں انتقال کیا اور

جسد بے گور و کفن پڑا ہے۔ مالک نے ہمراہیوں کو آواز دی مسلمانوں دوڑو صحابی رسولؐ کے دفن کی سعادت حاصل کرو یہ سُننا تھا کہ سب دوڑ پڑے ابوذر کی بیکسی پر آنسو بہاتے ہوئے ان کی لاش پر آئے کسی نے غسل دیا کسی نے قبر کھود دی کفن میں اختلاف ہوا ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ ابوذر کو میرا کفن دیا جائے مالک اشتر کا کفن قیمتی نکلا اس لئے یہ سعادت انھیں نصیب ہوئی لوگ رسولؐ کے اس جلیل القدر صحابی کو دفن کر کے مدینہ آئے اور ابوذر کی بیوی کو ان کے گھر پہنچا دیا۔

یہ واقعہ بھی دنیا کے عظیم حادثوں میں ہے ابوذرؓ وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہ بہت دوست رکھتے تھے اور صرف انھیں یہ جرأت تھی کہ وہ رسول اللہ کو میرے حبیب کہتے تھے اور صحابہ میں کسی کو یہ جرأت نہ تھی ان کے اس کہنے پر کبھی کسی نے انھیں ٹوکا نہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا تقرب دربارِ رسالت میں تمام صحابہ سے زیادہ تھا رسول اللہ نے ان کے متعلق فرمایا کہ میری امت میں ابوذر زہد و ورع میں شبیہ عیسیٰ بن مریم ہیں ایک اور حدیث ہے کہ کسی بولنے والے پر آسمان نے سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے اسے نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ راست گو ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ابوذر قیامت میں تنہا ایک امت کی شکل میں اٹھایا جائیگا اس عظیم الشان شخصیت پر یہ قیامت ٹوٹی صرف اس جرم میں کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب سمجھ کے اموال مسلمین کو ضائع ہوتے دیکھ کے احتجاج کرتا تھا اور قرآن جن کو فاسق کہا رسولؐ نے جسے ملعون کہا، در مطرود قرار دیا ان پر نوازشیں اور مسلمانوں کی گردنوں پر انھیں مسلط دیکھ کر ناراضی کا اظہار کرتا تھا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں :۔

جیسا کہ آپ نے دیکھا حضرت ابوذر کی مخالفت کا تعلق بنیادی طور پر نظام اجتماعی کی وجہ سے تھا وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ دولتمند اتنا دولتمند ہو جائے کہ سونے چاندی کے انبار لگانے لگے اور غریب اتنا غریب ہو جائے کہ اس کے پاس خرچ کے لئے پھوٹی کوڑی بھی نہ رہے پھر وہ اس امر کو بھی پسند نہ کرتے تھے کہ امام مسلمانوں کا مال بلا استحقاق دولتمندوں کو عطا کر کے انھیں دولتمند تر بنا دے اور محتاجوں کو محتاج تر بنا دے انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ سخاوت کا مورد ان لوگوں کو بنایا جائے جنھیں اس کی ضرورت نہیں یا اس مال کو عوام کی رفاہ و بہبودی کے علاوہ کسی کام پر خرچ کیا جائے علاوہ ازیں وہ خلیفہ کو ہرگز اس بات کا حقدار نہ سمجھتے تھے کہ انھیں تنقید سے روکے یا اعتراض کرنے پر سزا دے انھیں رضائے الٰہی جو غضب سلطانی کی مستلزم ہو اس رضائے سلطانی سے زیادہ محبوب تھی جو غضب الٰہی کی مستوجب ہو۔

پھر ابوذر کی مخالفت پیچیدہ تر ہو کے سیاسی شکل اختیار کر گئی انھوں نے خلیفہ اور گورنروں کو مال مسلمین کے ناحق صرف کرنے پر بس نہ کی بلکہ وہ گورنروں کی تقرری اور معزولی کے بارے میں بھی حضرت عثمان

کی سیاست پر گرفت کرنے اور نوجوانوں اور طلقا کے بیٹوں کے انتخاب پر انگشت نمائی کرنے لگ گئے لیکن اس تمام مخالفت اور تنقید کے باوصف حضرت ابوذر نے علم بغاوت بلند نہیں کیا ــــــ حضرت ابوذر کی مخالفت سلبی تھی جو شدید تنقید اور چبھنے والی نصیحت پر منحصر تھی۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۳۵۷

عمار یاسر:۔ حضرت عمار یاسر نے حضرت ابوذر کی اس مسکینت کی موت پر بڑے رنج و قلق اور رحم و مہربانی کا اظہار کیا جس کا مطلب حضرت عثمان نے یہ لیا کہ عمار انھیں حضرت ابوذر کی جلاوطنی پر ملامت کر رہے تھے لہذا حضرت عثمان حضرت عمار سے ناراض ہو گئے اور حکم دیا کہ وہ بھی جلاوطن ہو کے ربذہ چلے جائیں جب حضرت عمار ربذہ جانے کے لئے تیار ہو گئے تو ان کے حلیف بنی مخزوم کو طیش آ گیا اور حضرت علیؑ بھی غضبناک ہو گئے اور حضرت ابوذر کی جلاوطنی پر حضرت عثمان کو برا بھلا کہا نیز حضرت عمار کے بارے میں باز رہنے کی ہدایت کی اس موقع پر دونوں بزرگوں میں جھڑپ بھی ہو گئی حتیٰ کہ حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا آپ حضرت عمار سے افضل نہیں آپ بھی ان سے کم جلاوطنی کے مستحق نہیں چنانچہ حضرت علیؑ نے دعوت مبارزت دیتے ہوئے

کہا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو یہ بھی کر دیکھیں یہ رنگ دیکھ کے مہاجرین اُٹھے اور انھوں نے بھی حضرت عثمان کو ملامت کی ـــــ چنانچہ حضرت عثمانؓ باز آ گئے۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۴۵

حضرت عمار یاسر حضرت عثمان کے شدید مخالف ہو گئے وہ مسلسل ان پر اعتراضات اور تنقید کرتے رہے حتیٰ کہ ایک روز جب لوگوں میں چرچا ہوا کہ حضرت عثمان نے بیت المال سے ایک ہیرا نکال کر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے گھر والوں میں سے کسی کے لئے زیور بنوا دیا تو لوگ طیش میں آ گئے اور انھوں نے حضرت عثمان کی اس کارروائی پر ملامت کی اس پر حضرت عثمان غضبناک ہو گئے اور لوگوں سے خطاب کر کے کہا ہم اپنی ضروریات اسی مال غنیمت سے پوری کریں گے خواہ بعض لوگوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے اس پر حضرت علیؓ نے کہا اگر ایسا کیا گیا تو آپ کو روک دیا جائے گا اور آپ کے اور بیت المال کے درمیان آڑ کر دی جائیگی حضرت عمار بن یاسر نے کہا میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اس اظہار ناپسندیدگی کرنے والوں میں سر فہرست ہوں۔ جواباً حضرت عثمان نے کہا آئے جا کر زادے میرے سامنے یہ گستاخی اس کے بعد حضرت عثمان نے انھیں گرفتار

کرا دیا حضرت عمارؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس لایا گیا تو
حضرت عثمانؓ نے انھیں اتنا پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے
لوگ انھیں اٹھا کے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا
کے گھر لے گئے دن کا باقی حصہ بھی بے ہوشی میں گذرا
چنانچہ ظہر عصر اور مغرب کی نماز قضا ہو گئی جب ہوش
میں آئے تو وضو کیا اور نماز پڑھی اور کہا الحمد للہ
یہ پہلا موقع نہیں کہ ہم نے راہ خدا میں تکلیفیں برداشت
کی ہوں۔ الفتنۃ الکبریٰ صـ ۲۶۳

حضرت زبیرؓ:- یہ ٹھیک ہے کہ حضرت زبیرؓ بھی دیگر صحابہ
کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی تنقید و نصیحت میں شریک تھے۔
عبداللہ بن مسعودؓ:- قرآن کے نسخوں کے جلانے پر لوگوں نے عثمانؓ کی مخالفت
اور ان پر اعتراض کیے اس موقع پر عبداللہ بن مسعودؓ کی مخالفت مزید
شدت اختیار کر گئی اور ان کی تنقید حضرت عثمانؓ
کے حق میں اور زیادہ سخت ہو گئی وہ ہر جمعرات کو لوگوں
سے خطاب کرتے تھے اپنی تقریر میں وہ کہا کرتے تھے
صادق ترین قول خدا کی کتاب ہے اور بہترین عمل
رسولؐ کا طرز عمل ہے بدترین امور وہ ہیں جنھیں
اپنی طرف سے دین میں ایجاد کر لیا گیا ہو
ولید نے یہ سب باتیں حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجیں اور
انھیں بتایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ آپ کی عیب جوئی
کرتے ہیں حضرت عثمانؓ نے ولید کو لکھا کہ عبداللہ

الفتنۃ الکبریٰ صـ ۲۰۴

بن مسعود کو مدینہ بھیج دیا جائے جب وہ کوفہ سے نکلے تو اہلِ کوفہ نہایت اعزاز و احترام سے ان کو چھوڑنے آئے اور انتہائی گرم جوشی سے انھیں الوداع کہا حضرت ابن مسعود مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرت عثمان منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے جب انھوں نے حضرت ابن مسعود کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو لوگوں سے کہا لوگو تمہارے پاس ایک چھوٹا سا رینگ کر چلنے والا جانور آیا ہے جو اپنی خوراک کو پاؤں تلے روندتا اور اس پر بول و براز کرتا ہے یہ سن کر ابن مسعود نے کہا میں ایسا نہیں ہوں میں تو رسول اللہ کا صحابی ہوں جو جنگِ بدر و بیعت رضوان میں رسول خدا کی رفاقت میں تھا۔ حضرت عائشہ نے آواز دی اے عثمان آپ رسول خدا کے مصاحب کو ایسا کہہ رہے ہیں، اس کے بعد حضرت عثمان کے حکم سے عبداللہ بن مسعود کو سختی کے ساتھ مسجد سے نکال دیا گیا انھیں زمین پر گرا دیا گیا جس سے ان کی پسلی ٹوٹ گئی یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کھڑے ہوئے اور حضرت عثمان کو اس حرکت پر ملامت کی ———— پھر حضرت علیؑ نے حضرت ابن مسعود کو اٹھوا کر ان کے گھر بھجوا دیا حضرت عثمان نے اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ انھوں نے حضرت ابن مسعود کا وظیفہ

بھی بند کر دیا اور انھیں مدینہ شریف میں نظر بند
کر دیا ۔۔ بدیں صورت ابن مسعود حضرت عثمان
کی مخالفت کے لئے کوفے سے مدینہ منتقل ہو گئے
وہاں کوئی دو تین برس مقیم رہے اور اس مخالفت
کو پھیلاتے رہے اسی اثنا میں ان کی موت واقع
ہو گئی ۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۳۲۶ تا ۳۴۵

حضرت عائشہ :۔ حضرت ام سلمہ یا حضرت عائشہ نے سرورِ
کونین کے کچھ موئے مبارک کپڑے اور پاپوش نکال کر
دکھائی اور کہا یہ رسولِ خدا کا کپڑا بال اور پاپوش ہیں
جو بالکل تازہ ہیں ان میں کچھ کہنگی کے آثار نہیں ہوئے
اور ابھی تم لوگ ان کی سنّت معطل کرنے لگے ہو اس
پر لوگوں نے شور مچا دیا حضرت عثمان کی حالت دگرگوں
ہو گئی اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہیں ۔ الفتنۃ الکبریٰ ص [illegible]

دو واقعے بہت مشہور ہیں جن سے حضرت عثمان کے لئے حضرت
عائشہ کے احساسات کھل کر سامنے آجاتے ہیں ۔ پہلا واقعہ یہ تھا جب
آپ نے ۔۔ رسول اللہ کی ایک چادر اور کرتہ مسجد میں بھیج کر مسلمانوں
سے کہا یہ رسول ص کی چادر ہے جو ابھی ثابت و سالم ہے مگر عثمان نے
سنّت رسول ص کو بدل ڈالا ہے ۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ ناخوشی اور تنفّر کا اظہار کرتا
ہے جب آپ نے حضرت عثمان کو نعثل کہہ کر پکارا ۔ نعثل ایک یہودی
تھا جس کی ڈاڑھی بہت طویل تھی ۔ حضرت عثمان کی ڈاڑھی بہت

طویل تھی۔
خلافت و حکومت صفحہ ۱۳ ظفر فاروقی

اصحاب رسولؐ کا شوریٰ اصحاب رسولؐ نے محسوس کیا کہ کہنے سننے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ حالات پر غور کرنے کے لئے اکھٹا ہوئے اور طے کیا کہ سنت رسولؐ کے خلاف ان کے تمام افعال لکھے جائیں اور ان کی اصلاح نیز بیت المال کے نقصان کو پورا کرنے کی خواہش کی جائے اگر وہ اسے منظور نہ کریں تو خلافت سے برطرف کر دیا جائے۔ عمار یاسر یہ نوشتہ لے کے جائیں اور ہم سب کی نمائندگی کریں۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کا بیان ہے کہ:۔

حضرت عمار یہ خط لے کے حضرت عثمان کے پاس آئے اور اس کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا حضرت عثمان نے انھیں گالیاں دیں اور لاتیں ماریں ان کے پیروں میں چرمی موزے تھے حتیٰ کہ ایک لات لگنے سے حضرت عمار کے پیٹ کا پردہ پھٹ جانے کی وجہ سے فتق کی بیماری ہو گئی حضرت عمار بوڑھے اور ضعیف تھے۔

الفتنۃ الکبریٰ ص ۳۶۴

یہ تھے وہ لوگ جو مدینہ میں مخالفین کے سرخیل تھے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ وہ سب صحابہ کبار اور عظمائے مہاجرین میں سے تھے ــــ انصار کی اکثریت حضرت عثمان کے خلاف تھی ــــ حضرت عثمان کے دور میں مدینہ میں مخالفت و اعتراضات کی

ایک عمومی رد عمل پڑی تھی ——— عوام میں اس کا
چرچا ہوتا جاتا تھا مثلاً جب حضرت عثمان نے مسجد
نبوی کی توسیع کی تو لوگ کہہ رہے تھے کہ رسولؐ اکرم
کی مسجد کو تو وسعت دے رہے ہیں لیکن آپ کی سنت
کی فکر نہیں کرتے ——— یا مثلاً جب مدینہ میں کبوتروں
کی کثرت ہو گئی اور نوجوانوں نے ان کو نشانہ بنانا
شروع کیا تو حضرت عثمان نے بغیر ذبح کئے کبوتر مارنے
سے باز رہنے کی ہدایت کی ——— اس موقع پر یہ کلمات
زبان زد عام تھے کبوتر کو ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں
لیکن رسولؐ نے جسے نکال دیا تھا اسے پناہ دے
رہے ہیں یہ اشارہ تھا حضرت عثمان کے حکم بن
عاص اور ان کے بیٹوں کو پناہ بخشنے کی طرف۔

(انساب الاشراف [illegible] ۲۴۵)

اب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ حضرت عثمان کی عملی مخالفت شروع
ہو کر راستہ گلی میں اور منبر پر خطبہ کی حالت میں لوگ ان کو ٹوکنے لگے۔
جبلہ بن عمر ساعدی نے راستہ میں حضرت عثمان کو روک کے کہا اگر
آپ نے مروان اور عبداللہ بن عامر کو معزول نہ کیا تو یہ زنجیر آپ کی
گردن میں ڈال کے قید کر دوں گا۔

جھجاہ نے مجمع میں جست کر کے عصائے پیغمبرؐ ان کے ہاتھ سے چھین
لیا جبکہ وہ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے اور مجمع نے اس کے اس فعل پر
تحسین آفرین کی صدا بلند کی حضرت عثمان منبر سے اتر کے گھر چلے گئے۔
مرکز اسلام کی حالت آپ دیکھ چکے آئیے اب ذرا صوبوں کا

جائزہ لیں۔

شام اور اس کے آس پاس کے علاقے پر امیر معاویہ گورنر تھے۔ نہایت مدبر اور ہوشیار آدمی تھے انھوں نے اہلِ شام کو اپنے حسنِ انتظام سے راضی کر رکھا تھا پیار اور نرمی سے [illegible] تھا خود اہلِ شام اسلامی زندگی سے بے خبر تھے اور ان کے گورنر نے انھیں اس سے آگاہ کرنا مناسب بھی نہیں سمجھا۔

بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری تھے یہ ایک اچھے منتظم اور مردِ میدان عرصہ سے بصرہ کے گورنر تھے کبرسن اور بیت المال سے کچھ تصرف پر ان کی مقبولیت کم ہو گئی تھی اور بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے ان کی شکایت بھی کی انھوں نے ان کو معزول کر کے عبداللہؓ عامر کو والی بنا دیا جو حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی تھے اس وقت ان کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی یہ بہت ہی ہوشیار اور مدبر آدمی تھا مگر اس کی نوعمری اور خلیفہ کی قرابت داری لوگوں کو ناگوار ہوئی اقرباپروری اور بیت المال پر بیجا تصرف سے مدینہ میں اصحاب رسولؐ کی ناراضی اور بے چینی سے صوبے بے خبر نہ تھے وہ ہر اس اقدام کو جو اقرباپروری پر مبنی ہو نفرت سے دیکھتے تھے اس پر طرہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن عامر نے کچھ لوگوں کو بے گناہ جلاوطن کر دیا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بیان ہے کہ :-

> وہ علانیہ جور و ستم اور محض بدگمانی کی بنا پر پکڑے گئے تھے اور ان کی مظلومیت امیر معاویہ پر بالعموم واضح ہو گئی تھی۔ اس طرح بصرہ بھی انقلابی ابھار کی لپیٹ میں آ گیا۔ الفتنۃ الکبریٰ صفحہ ۲۰

کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ تھے ان سے والی بیت المال سے جھگڑا

ہو گیا حضرت عثمان نے ان کو معزول کر کے سعد بن ابی وقاص کو عامل بنا دیا مگر جلد ہی ان کو بھی معزول کر دیا۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بیان ہے کہ:-

حضرت سعد کی معزولی کا اصل سبب یہ ہے کہ بنو امیہ اور آل ابی معیط نے ولایت حاصل کرنے کے لئے جلد بازی، تقاضے اور مختلف حیلے اختیار کرنا شروع کئے انہوں نے حضرت عثمان پر دباؤ ڈال رکھا تھا کہ ان کے لئے حکومت تک پہنچنے کی راہ صاف کریں اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عثمان نے حضرت سعد کو معزول کیا تو ان کی جگہ صحابہ کبار یا مہاجرین و انصار میں سے کسی کو متعین نہیں کیا ـــــــ انھوں نے بھیجا تو ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو حالانکہ مسلمانوں کو ولید پر کوئی اعتماد نہ تھا کیونکہ اس نے نبی اکرمؐ کو دھوکا دیا تھا ان کے بارے میں دروغ گوئی سے کام لیا تھا۔ وہ اسلام قبول کر کے کافر ہو گیا تھا۔ قرآن میں اس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا الخ ـــــ اسے حضرت سعد بن ابی وقاص کا جانشین بنایا گیا ـــــ

دوسری چیز جو حضرت سعد کو معزول کرنے اور ولید کو
والی بنانے کی بانی (بیت المال سے قرض)، کو مشکوک
بناتی ہے۔ یہ ہے کہ خود حضرت عثمان نے مدینہ میں
بیت المال سے متعلق ایسا ہی رویہ اختیار کر رکھا
تھا جو حضرت سعد کی جانب منسوب کردہ روش سے
کہیں بڑھ کر ہولناک تھا۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۰۳ تا ۱۰۴

ولید شراب پیتا تھا اس نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی اس کی بیت کو نکال
لوگ پہنچے تو حضرت عثمان کے پاس آئے تو انھوں نے ڈانٹ کے بھگا دیا
مگر جب ان کا دباؤ بڑھا تو انھوں نے شہادت طلب کی اور پھر حد جاری کی
اور اسے کوفہ کی ولایت سے معزول کر دیا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بیان ہے کہ:

حضرت عثمان کا اقدام نہایت نامناسب تھا کہ انھوں
نے ولید کو بحال رکھنے پر اصرار کیا اور ان کی رعایت
کے بغیر شرعی سزا دی جس کا وہ مستحق تھا اس کے بعد انھیں
چاہیئے تھا کہ کوفہ کی حکومت کسی صحابی اور قابل شخص
کے سپرد کرتے اگر وہ ایسا کرتے تو صوبہ کی حالت سدھر
جاتی لیکن انھوں نے اہلِ کوفہ کی گردنوں سے آلِ ابی
معیط کے ایک شخص کو اتار کے بنی امیہ کے ایک شخص
کو حاکم بنا کے ان کی طرف بھیج دیا۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۲۱۹

سعید ولید سے ہر حیثیت سے بہتر تھا مگر ہم قافیہ تھا اس نے اہلِ کوفہ کو
تھوڑے ہی دنوں میں ناراض کر دیا لوگوں نے ایک باڈی گارڈ کے دستہ کے سالار کو

انھوں نے امیر کے حفاظتی دستہ کے سردار کو مارا تھا

تو اس کی سزا دی جا سکتی تھی لیکن اکرم سے جلا وطن

کر دینا تو بہت بڑا ظلم تھا حضرت عثمان کے ہمعصر

صحابہ و تابعین نے اس جلا وطنی کو ہر حال ناپسند

کیا اور اسے ناجائز جلا وطنی قرار دیا کہنے والے

کچھ ہی کہیں بہر صورت امام کو سزا دینے کا حق ہے

لیکن اسے مروجہ اور معروف حدود سے تجاوز کا

کوئی حق نہیں۔ الفتنۃ الکبریٰ ص ۲۳۹

مصر کے گورنر عمرو بن عاص تھے انھیں معزول کر کے عبد اللہ بن سعد بن

ابی سرح کو والی بنا دیا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں :۔

وہ ان آدمیوں میں سے تھے جنھوں نے رسولؐ خدا

کو سخت اذیت پہنچائی تھی اور آپ کا تمسخر اڑایا

تھا خود قرآن نے ان کے کفر کی شہادت دی ہے

اور انکی مذمت کی ہے عبد اللہ قرآن کا بھی مذاق اڑاتا تھا ۔ کہتا تھا کہ

میں بھی عنقریب خدا کے قرآن کا سا ایک قرآن نازل

کرنے والا ہوں رسولؐ اللہ نے فتح مکہ کے دن

اس کا خون مباح کر دیا تھا لیکن حضرت عثمان اس

کو مسلمان بنا کے آنحضرت کی خدمت میں لے آئے

تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ مصر میں عبد اللہ

کا طرزِ عمل اہل مصر کے لئے خوش کن نہ تھا۔

وہ لوگ ان سے برہم اور دل برداشتہ تھے۔
شکایت کرنے والوں کو سزا دی یہاں تک کہ
ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ الفتنۃ الکبریٰ

صفحہ ۲۶۹ تا ۲۸۰

محمد بن ابی بکر اور محمد بن مسلمہ نے مصر جا کے وہاں لوگوں کو عبداللہ بن ابی سرح کے قرآن میں فاسق ہونے اور پیغمبر اسلام کو اذیتیں پہنچانے کا پرچار کیا اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اسلام کا اقتصادی نظام کیا ہے اور کس طرح ان میں مساوات ہے اور بیت المال کا کیا مصرف ہے اور حضرت عثمان کا اس سلسلے میں کیا رویہ ہے محمد بن ابی بکر وہاں لوگوں میں بہت مقبول ہوگئے اور حقیقتہً وہ بڑے عابد و زاہد تھے۔

ہر طرف سے عمال کی شکایتوں اور ان کی معزولی کے مطالبہ میں لوگ آنے لگے اصحاب رسولؐ نے بھی ان لوگوں کی تائید کی حضرت عثمان نے معزولی کا وعدہ کر کے لوگوں کو واپس کیا اور عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا مگر ان سے کچھ نہیں کہا عمال نے محسوس کیا کہ معزول کرنے کو ان کا جی نہیں چاہتا مروان کے ذریعہ انھوں نے دوبارہ صوبوں پر واپسی کی اجازت حاصل کی اس طرح ان کی طلبی بے نتیجہ ہوگئی۔ اور لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے وعدہ پر اعتماد اٹھ گیا۔ ادھر مالک اشتر جو شام میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے معاویہ کی غیر حاضری میں فرار ہو کے کوفہ پہنچ گئے جہاں ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال ہوا حاکم کوفہ سعید ابھی مکہ ہی میں تھا یہاں لوگوں نے طے کیا کہ اگر سعید دوبارہ آیا تو ہم اسے کوفہ میں داخل نہ ہونے دیں گے

اور ایسا ہی ہوا کہ سعید داخل کوفہ نہ ہوسکا مجبور ہو کر مدینہ واپس ہوا۔
حضرت عثمان نے اہلِ کوفہ کو نصیحت و ہدایت کا ایک خط بھیجا اور ان کی مرضی معلوم کرنا چاہی جس کا جواب اشتر نے یہ دیا۔
منجانب مالک بن حارث از مائش میں پڑے ہوئے خطا کار سنتِ رسولؐ سے گریزاں اور حکم قرآنی کو پسِ پشت ڈال دینے والے خلیفۃ المسلمین۔

اما بعد ہم نے آپ کا خط پڑھا آپ اپنے کو اور اپنے حکام کو ظلم و زیادتی سے باز رکھیں اور نیک سیرت افراد کی جلاوطنی سے رک جائیں تو ہم آپ کے تابع فرمان بن جائیں گے آپ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے نفوس پر زیادتی کی ہے یہ آپ کی وہ خوش خیالی ہے جس نے آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑا اس کی وجہ سے آپ کو جور عدل اور باطل حق دکھاتا ہے آپ اگر ہماری محبت چاہتے ہیں، تو وہ اسی شکل میں ممکن ہے کہ آپ اپنے طرزِ عمل سے باز آجائیں تائب ہوں، اور آپ نے ہمارے جن نیک چلن افراد پر ظلم و زیادتی کی ہے اور ہمارے جن نیک اشخاص کو بے گھر کر کے جلاوطن کیا ہے اس پر خدا کے سامنے معافی کے طلبگار ہوں ہم پر کل کے لونڈوں (ترجمہ میں یہی ہے اس لئے مجبوراً لکھنا پڑا) کو حاکم نہ بنائیں ہمارے علاقہ کا انصرام حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو حذیفہ کے سپرد کریں کہ ہم ان دونوں سے راضی ہیں ہمیں اپنے ولید و سعید اور اپنے خاندان کے دیگر محبوبِ نظر افراد سے بچائیے آگے جو خدا کی مرضی۔ والسلام۔
اس خط پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا تبصرہ سنئیے۔
اشتر نے حضرت عثمان کی اطاعت سے روگردانی

اس نے جور و ستم سنت سے انحراف نہیں کی
احکام قرآنی سے اعراض حکومت پر نو خیزوں
کی تقرری اور مسلمانوں کی جلاوطنی کا الزام لگا کے ان سے
مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس طرزِ عمل سے باز آجائیں ــــ
اس نے حقیقت کی تصویر کشی کی ہے۔ الفتنۃ الکبریٰ صـ ۱۲۸

حضرت عثمانؓ نے اشتر کا مطالبہ مان لیا ابو موسیٰ اور ابو حذیفہ کو بھیج دیا۔
ڈاکٹر طٰہٰ کا خیال ہے کہ "اہلِ کوفہ کی بغاوت میں کامیابی سے اور صوبوں
میں بھی بغاوت ہی کامیابی کا ذریعہ سمجھی گئی" بصرہ اور مصر سے بھی لوگ
مدینہ پہنچ گئے تعجب یہ ہے کہ اہل کوفہ بھی ٹھیک اسی وقت پہنچے جبکہ ان کا
مطالبہ پورا ہو چکا تھا شاید انھوں نے سابقہ وعدوں کی طرح اس کو بھی سمجھا۔
ان سب کا ایک ساتھ پہنچنا آپس میں سازباز اور ایک طے شدہ
منصوبے کی نشاندھی کرتا ہے۔ مدینہ اور صوبوں کے مطالبات ایک ہی
تھے یہی وجہ تھی کہ جب یہ سب مدینہ پہنچے تو اصحاب رسولؐ کو انھوں نے
اپنا ہم نوا پایا۔

حضرت عثمانؓ کو اہلِ مدینہ سے کوئی توقع نہ تھی انھوں نے بنی اُمیہ
کو جمع کیا سب کی رائے ہوئی کہ معاویہ اور عبداللہ بن عامر سے کمک مانگی جائے
دونوں کو خط لکھا گیا کہ تیز رفتار سواریوں پر تجربہ کار ... بہادروں کو بھیجو۔
عبداللہ نے خط ملتے ہی لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے مدینہ کی شورش
بہت موثر انداز میں بیان کی اور مدد کو چلنے کی اپیل کی مگر کسی نے توجہ نہ
کی اس نے دوبارہ اپیل کی اس پر بھی کسی کے کان پر جوں نہ رینگی کیونکہ بصرہ سے
بھی لوگ مطالبات لے کے گئے ہوئے تھے اب اسی بصرہ سے کچھ لوگ ان مطالبات

کے خلاف جنگ کرنے کے لئے جاتے یہ کس طرح ممکن تھا۔

مسور بن مخرمہ خط لے کے معاویہ کے پاس گیا انھوں نے پہلے حالات دریافت کئے پھر کہا وہ قتل ہو چکے ہوں گے اب میرے جانے سے کوئی فائدہ نہیں اگر انھوں نے شروع ہی سے انصاف کیا ہوتا تو یہ نوبت کیوں آتی مسور ہنسا اور کہا یہ سب باتیں تم لوگوں کی محبت اور جانبداری سے ہوئیں اور تم ہی انھیں بطور عیب و شماتت کہہ رہے ہو۔

معاویہ کچھ دیر سوچتے رہے اس کے بعد کہا اگر میں فوج لے کے مدینہ جاؤں اور وہ قتل ہو گئے ہوں تو سوا علیؑ کے اور کوئی خلیفہ نہ ہوگا اور وہ مجھے شام واپس نہ ہونے دیں گے اور یہ ملک میرے ہاتھ سے نکل جائیگا مسور مایوس ہو کے مدینہ واپس ہو گیا۔ اِدھر معاویہ اور عبداللہ بن عامر سے مدد طلب کرنے کی خبر عام ہو گئی لوگوں نے یورش میں شدت کر دی حضرت عثمان نے جب حالات اس طرح بگڑتے ہوئے دیکھے تو حضرت علیؑ کو سفیر بنا کے بلوائیوں کے پاس بھیجا اور مصالحت کی پیشکش کی اہل مصر نے کہا ہم عبداللہ بن ابی سرح کے عزل اور محمد بن ابی بکر کے نصب سوا کسی بات پر راضی نہ ہوں گے حضرت علیؑ نے بھی اس کے ماننے پر زور دیا حضرت عثمان نے منظور کر لیا مصریوں نے اس کے پورے ہونے کی حضرت علیؑ سے ضمانت چاہی انھوں نے ضمانت کر لی اور حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے محمد کو مصر کی حکومت کا پروانہ لکھ کر آدمی بھیجنے کی مہلت مانگی تین دن کی مہلت بھی طے ہو گئی تیسرے دن محمد کو پروانہ دے کے روانہ کر دیا۔

مروان نے اس تبدیلی کو ناپسند کیا کیونکہ بصرہ کے لوگ بھی

شکایت لے کے آئے ہوئے تھے اس نے حضرت عثمان کو ایک بیان دینے پر آمادہ کر لیا انھوں نے مسجد میں منبر پر فرمایا کہ "اہل مصر کو اپنے خلیفہ کے متعلق کچھ خبریں ملی تھیں جب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ سب غلط اور بے سر و پا ہیں، تو وہ اپنے شہر کو واپس ہو گئے"، یہ سنتے ہی مسجد میں شور مچ گیا ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ توبہ کرو اور خدا سے ڈرو حضرت عثمان گھبرا گئے قبلہ رو ہو کے توبہ کی اور گھر چلے آئے حضرت علیؑ نے جب یہ ماجرا سنا تو وہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور انھیں سمجھایا کہ مسجد میں اپنی غلطیوں کا اعتراف اور مظلوموں کی دادرسی کریں اور آئندہ محتاط رہیں حضرت عثمان نے یہ مشورہ مان لیا اور منبر پر اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور رونے لگے لوگوں کے دل بھی گداز ہو گئے اور اس فعل کو قدر کی نگاہ سے دیکھا حضرت عثمان نے یہ بھی کہا کہ جب میں گھر جاؤں تو تم لوگ میرے پاس آنا میں سب کی شکایتوں کا ازالہ کر دوں گا جب وہ گھر گئے اور لوگ ان کے پاس پہنچے تو مروان نے کہا اپنے وعدے کا نتیجہ دیکھئے دروازے پر ہجوم ہے اب ان کے مطالبات پورے کیجئے انھوں نے کہا کسی تدبیر سے ان کو ٹال دو۔ مروان نے باہر آ کے کہا تم لوگ کیوں جمع ہو گیا دھاوا بولنے کا ارادہ ہے یاد رکھو تم آسانی سے ہمارے ہاتھوں سے اقتدار نہیں چھین سکتے۔ نہ ہمیں دبا سکتے ہو اپنا منہ کالا کرو اور یہاں سے دفان ہو خدا تمھیں ذلیل و رسوا کرے یہ سننا تھا کہ مجمع مشتعل ہو گیا سب حضرت علیؑ کے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا حضرت علیؑ فوراً حضرت عثمان کے پاس آئے اور انھیں بہت سرزنش کی اور کہا تمھیں مروان نے کھلونا بنا رکھا ہے اور جدھر چاہتا ہے

اُٹھائے پھرتا ہے اب میں تمہارے معاملہ میں دخل نہیں دوں گا یہ کہہ کے وہ چلے گئے۔

نائلہ نے حضرت عثمان سے کہا میں آپ کو سمجھاتی تھی کہ مروان کی باتوں میں نہ آیئے علیؑ جو کہتے ہیں اس پر عمل کیجئے مگر آپ نے نہ مانا اب بھی غنیمت ہے علیؑ کو راضی کیجئے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کے پیچھے آدمی دوڑائے مگر وہ واپس نہیں آئے۔

حضرت عثمان شب کے رات کو حضرت علیؑ کے پاس گئے معذرت کر کے آئندہ وعدے کی پابندی کا عہد کیا مگر انھوں نے کہا یہ کئی دفعہ ہو چکا ہے اب میں بیچ میں نہیں پڑوں گا حضرت عثمان ناکام پلٹ آئے اور افہام و تفہیم کے راستے بند ہو گئے۔

اسی دوران میں ایک دن حضرت عثمان منبر پر تھے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ کی جوتیاں اور قمیص پردے سے نکال کے دکھائیں اور کہا یہ ابھی پرانی نہیں ہوئیں کہ تم نے دین بدل دیا دونوں میں سخت کلامی ہونے لگی حضرت عائشہ نے کہا اقتلو نعثلاً فقد کفر اس نعثل کو قتل کر دو یہ کافر ہو گیا۔

ان باتوں سے آگ لگی ہوئی تھی اور مدینہ دیگ کی طرح پک رہا تھا ادھر یہ ہنگامے ہو رہے تھے اُدھر اہل مصر محمد بن ابی بکر کو لئے مصر جا رہے تھے انھیں دریائے قلزم کے کنارے ایلہ کے مقام پر ایک سانڈنی سوار تیزی سے جاتا ہوا نظر آیا لوگوں کو شبہ ہوا اسے بڑھ کے پکڑا اس نے کہا میں حضرت عثمان کا غلام ہوں والی مصر کے پاس جا رہا ہوں، لوگوں نے کہا والی مصر ہمارے ساتھ ہیں جو کہنا ہو ان سے کہہ دو

اس نے کہا میں عبداللہ بن ابی سرح کے پاس جارہا ہوں لوگوں نے پوچھا کیوں اس نے کوئی بات نہیں بتائی پوچھا کوئی خط ہے کہا نہیں تلاشی لی تو کوئی چیز نہیں ملی کنانہ بن بشیر نے کہا اس کا مشکیزہ دیکھو وہ کھولا گیا تو سیسے کی نلکی میں خط ملا جس میں لکھا تھا کہ محمد بن ابی بکر کو قتل اور فلاں فلاں کو قید کر دینا اور اپنے عہدہ پر بحال رہنا۔ یہ دیکھ کے لوگ سناٹے میں آگئے غلام کو لے کے مدینہ پلٹے صحابہ کے مجمع میں خط پیش کیا جس نے دیکھا حیران ہو گیا چند صحابہ ان لوگوں کو لے کے حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور خط ان کے سامنے رکھ دیا حضرت عثمان نے لاعلمی کا اظہار کیا لوگوں نے پوچھا یہ غلام کس کا ہے؟ میرا۔ یہ اونٹنی کس کی ہے؟ میری۔ مہر کس کی ہے میری۔ خط کس نے لکھا؟ نہیں معلوم۔ اب صورت حال بدل گئی لوگوں نے عثمان و مروان میں علیحدگی ضروری سمجھی۔ بیت المال پر تصرف اور عمال کے عزل کا مطالبہ ترک کر کے اس کی جگہ ایک یہ نیا مطالبہ پیش کیا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جایئے یا مروان کو ہمارے حوالہ کیجئے حضرت عثمان نے کہا جو قمیص خدا نے مجھے پہنائی ہے اسے نہیں اتاروں گا نہ مروان کو حوالہ کروں گا۔ طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے اس مطالبہ کے عوض یہ کہا کہ مجھ سے توبہ کا مطالبہ کرو لوگوں نے کہا ہم آپ کی توبہ بہت دیکھ چکے ہیں جب یہ ہے تو پھر خط بھی آپ ہی کا ہے۔ طلحہ اور زبیر نے بلوائیوں کو ابھارا اور قصر خلافت کا محاصرہ ہو گیا بلوائیوں کا مقصد قتل نہ تھا وہ دباؤ ڈال کے اپنے مطالبات منوانا چاہتے تھے اسی وجہ سے محاصرہ کے بعد حضرت عثمان کے نکلنے مجمع سے ملنے اور مسجد میں جانے پر کوئی پابندی نہ تھی صرف گھیرا ڈالنے پر اکتفا کی اسی درمیان میں جمعہ پڑا حضرت عثمان نے خطبہ میں

بلوائیوں کو ملعون اور کافر کہا جس پر لوگوں نے اتنی خشت باری کی کہ وہ بے ہوش ہو کے گر پڑے لوگ انھیں اٹھا کے گھر لے گئے اور محاصرہ سخت ہو گیا بنی امیہ حضرت عثمان کی حفاظت کے لئے ان کے گھر میں آگئے تھے وہ بھی محصور ہو گئے اور اب باہر نکلنے کی اجازت بھی بلوائیوں نے نہیں دی طلحہ بلوائیوں کو ٹال مٹول پر ملامت کر رہے تھے۔

حضرت عثمان نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں قتل کر دیا جاؤں تو خود آکے قتل کر دو ان اوباشوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بہتر ہے۔ ورنہ تعجیل کرو حضرت علیؓ نے آنے کا وعدہ کیا اور ہاشمی جوانوں کو بلوایا یہ خبر پھیل گئی طلحہ سمجھے کہ علیؓ ان کی حمایت پر آمادہ ہو گئے ہیں اب معاملہ کی صورت بدل جائیگی انھوں نے چاہا کہ عثمان کے پاس جا کے معذرت کرلیں اس خیال سے وہ حضرت عثمان کے پاس آئے انھوں نے دیکھ کے کہا او خضرمیہ کے بچے تو نے میرے اوپر یورش کی اور لوگوں کو میرے قتل پر آمادہ کیا اب جو دیکھا کہ میرا بھائی علیؓ میری مدد کے لئے کھڑا ہو گیا تو معذرت کو آیا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی مکر آمیز باتوں سے فریب دے دُور ہو خدا تجھے دُور رکھے تیری نیت صاف اور عقیدت مندی کبھی خالص نہیں ہوئی طلحہ شرمندہ ہو کے چلے آئے اس کے بعد حضرت علیؓ پہنچے حضرت عثمان یہ چاہتے تھے کہ علیؓ سب کو مار کے بھگا دیں اور اسی خیال سے انھوں نے حضرت علیؓ کو لکھا تھا مگر یہ اسی وقت ممکن تھا جب حضرت علیؓ بلوائیوں کے مطالبہ کو غلط سمجھتے یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ حق ان کی طرف سمجھتے ہوئے انھیں مار کے بھگا دیتے۔

علیؓ نے عثمان سے کہا کہ آپ مجھے اپنی طرف سے بلوائیوں سے گفتگو کرنے کا

اختیار دیں اور جو طے ہو جائے اس پر عمل کریں حضرت عثمانؓ ان کے خیالات سے واقف تھے وہ سمجھے کہ یہ وہی طے کریں گے جو وہ خود بارہا کہتے رہے ہیں اس لئے انھیں علیؓ کی یہ بات پسند نہیں آئی بنی امیہ بھی مخالفت کی انھیں خیال تھا کہ بلوائی حضرت عثمان کو قتل نہ کریں گے معاویہ اور عبداللہ بن عامر فوجیں لے کے آتے ہوں گے اس وقت ان کو مار کے بھگا دیا جائے گا یہ باتیں توقع کے خلاف نہ تھیں حقیقت ہے کہ بلوائی حضرت عثمان کو قتل نہیں کرنا چاہتے تھے معاویہ و عبداللہ کا فوجیں لے کے آنا بھی توقع کے خلاف نہ تھا۔

حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا کہ آپ اپنے گھر میں قیام کیجئے اور مجھ کو ان لوگوں پر چھوڑ دیجئے حضرت علیؑ چلے آئے۔

بلوائیوں کو ان کی علیحدگی کا حال معلوم ہو گیا اب جرأتیں اور بڑھ گئیں اور انھوں نے پانی بند کر دیا حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کو اطلاع دی انھوں نے امام حسینؑ کو حکم دیا وہ پانی کی کچھ مشکیں لے گئے اور محاصرہ توڑ کے پہنچا دیا۔

قتل عثمان کا سبب

حضرت نیار بن عیاض اصحاب رسولؐ میں تھے انھوں نے ان ہنگاموں سے عاجز آ کے حضرت عثمان کو پکارا وہ بالاخانہ پر آئے تو انھوں نے کہا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو کے ہنگامہ فرو کر دیجئے انھوں نے کہا میں اس قمیص کو نہیں اتاروں گا جو خدا نے مجھے پہنائی ہے اتنے میں کسی نے نشانہ باندھ کے نیار کو ایسا تیر مارا کہ بوڑھا صحابی رسولؐ وہیں تڑپ کے مر گیا اب کیا تھا لوگوں کی آنکھوں میں خون اتر

آیا آوازیں بلند ہوئیں کہ نیار کا قاتل ہمارے حوالے کرو حضرت عثمان نے اس سے انکار کر دیا نیار کی شہادت سے اصحابِ رسولؐ بیتاب ہو گئے ابوذر کی جلاوطنی ابن مسعود کی زدو کوب عمار یاسر کے پیٹ پر لاتیں مارنا اور محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم سب تازہ ہو گیا بنی غفار بنی مخزوم بنی ہذیل اپنے حلیف قبائل کو لے کے پہنچ گئے ادھر محمد ابی بکر بنی تیم کو لے کے پہنچے طلحہ نے اتنا لحاظ کیا کہ منہ پر نقاب ڈال کے تیر باری شروع کر دی زبیر کھلم کھلا للکارتے تھے قصرِ خلافت میں آگ لگا دی گئی۔

ادھر مروان سعید بن عاص مغیرہ بن اخنس اپنے اپنے آدمیوں کو لے کے بلوائیوں پر ٹوٹ پڑے اور کشت و خون شروع ہو گیا لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں۔

اصحابِ رسولؐ میں حضرت عمرو بن حزام انصاری بڑے جلیل القدر شخص تھے ان کو نیار کی شہادت کا بہت صدمہ ہوا بعض تاریخوں میں ہے کہ وہ بلوائیوں کے کیمپ میں گئے وہاں جو لوگ رہ گئے تھے انھیں بھی بلا لائے اور اپنے مکان کا دروازہ کھول دیا بلوائی ان کے مکان کی چھت سے حضرت عثمان کے گھر میں اتر گئے مغیرہ بن اخنس نے رفاعہ بن رافع انصاری پر حملہ کیا رفاعہ کو زخم کاری لگا مگر انھوں نے اسی حالت میں مغیرہ کا کام تمام کر دیا۔

مروان نے حجاج پر حملہ کیا مگر خود ایک گہرا زخم گردن پر کھا کے زنانخانے میں بھاگا اور وہاں جا کے گر گیا۔

عبدالرحمٰن ابن عوام نے مالک اشتر پر حملہ کیا مالک نے ایک تلوار ایسی ماری کہ جس نے سر کو سینے تک کاٹ دیا حضرت عثمان کے

غلاموں اور بنی امیہ نے مالک کو گھیر لیا مگر وہ سب کو منتشر کر کے حضرت عثمان کے پاس پہنچ گئے مگر انھیں قرآن پڑھتا دیکھ کے پلٹ آئے مسلم بن کثیر کوفی نے پوچھا کہاں چلے، کہا اگر میں انھیں تلوار لئے آمادۂ دفاع دیکھتا تو کبھی نہ چھوڑتا اس حالت میں تلوار اٹھانا میری حمیت کے خلاف ہے یہ کہتے ہوئے وہ گھر سے باہر نکل گئے لوگوں نے حضرت عثمان کو گھیر لیا محمد بن ابی بکر نے بڑھ کے ڈاڑھی پکڑ لی۔ اور کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اقربا پروری کا نتیجہ دیکھا۔

حضرت عثمان نے کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عثمان بن عفان ہوں خدا اور اس کی شریعت پر ایمان رکھتا ہوں میرے بھتیجے میری ڈاڑھی چھوڑ دو اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو کبھی اس کو پسند نہ کرتے۔

محمد نے کہا اگر میرے باپ ہوتے تو لوگوں کی جان و مال پر بنی امیہ کو مسلط کرنے کی سزا سے درگذر نہ کرتے یہ کہہ کے انھوں نے اپنے خنجر کی نوک ان کی گردن میں چبھوئی انھوں نے ایک چیخ ماری محمد کا دل ہل گیا اور ہٹ گئے مگر حلقوم سے خون کے قطرے قرآن پر جہاں گرے وہاں فسیکفیکھم اللہ لکھا تھا۔

حضرت عثمان کا قتل

محمد کو ہٹتے دیکھ کے کسی نے ایک عمود سر پر مارا ایک شخص نے تلوار کا وار کیا حضرت عثمان گرے ہجوم نے لاتوں سے سینہ و پہلو کو شکستہ کر دیا اور تمام سامان لوٹ لیا اس میں بیت المال کے دو مٹکے درہم و دینار سے بھرے ہوئے ہاتھ آئے۔ لاش کو بے حرمتی سے کھینچتے ہوئے لے گئے اور مزبلہ پر ڈال دیا تین دن تک لاش پڑی رہی اور کسی نے دفن نہیں کیا تیسرے دن

کچھ لوگوں نے چپکے سے حش کوکب میں دفن کر دیا فاعتبروا یا اولی الابصار

اسلام میں یہ ایسا واقعہ ہوا جسے کسی صورت سے پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا اس نے ایک نہایت بری رسم کا دروازہ کھولدیا لیکن جو کچھ ہوا بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پہ ہوا آپ اس کے اسباب سن چکے اور دیکھ چکے کہ اس میں اصحاب رسولؐ بلوائیوں سے زیادہ پیش پیش تھے حضرت نیار کے قتل کے بعد ان کے قبیلہ کے لوگ اور خاص طور پر حضرت عمرو بن حزام انصاری کا اقدام قتل کا سبب ہوا آپ نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہونے والوں میں حضرت ابوبکر کے بیٹے محمد اور رفاعہ بن رافع انصاری بھی تھے اس لئے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کہ باہر والوں نے قتل کر دیا اس میں اہل مدینہ اور اصحاب رسولؐ رضوان اللہ علیہم شریک غالب تھے اور یہ ان کی سخت خطائے اجتہادی تھی۔

حضرت عثمان نے اپنے بعد کثیر دولت چھوڑی تاریخوں میں اس کی تفصیل یہ ہے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار اشرفی دس لاکھ درہم جاگیروں کا کوئی شمار نہ تھا صرف حنین اور وادی القریٰ کی جائیداد کی قیمت ایک لاکھ اشرفی تھی۔ بہت سے گھوڑے اور بے شمار اونٹ۔

اولیات

نماز میں تکبیرۃ الاحرام کو پست آواز میں کہنا شروع کیا۔

رفع یدین ترک کیا۔

جمعہ میں اذان اوّل کا حکم دیا۔

نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا۔

حج میں قصر کو اتمام سے بدل دیا۔

حضرت علی دورِ ثلاثہ میں

خلفائے ثلاثہ کے عہد میں حضرت علی ان سے کنارہ کش ہو کے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی فلاح میں مشغول رہے۔

اسلام میں زمین اللہ کی ہے افتادہ زمین کو جو شخص جس حد تک اپنے مصرف میں لے آئے وہ اس کی ہے اس میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ینبع میں حضرت علی زمین کو کاشت کے لئے تیار کرتے تھے۔ چشمے نکالتے تھے باغ لگاتے تھے جب فصل تیار ہو جاتی تھی تو عامہ مسلمین کے لئے وقف کر کے امام حسن کو اس کا متولی بنا دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ جائیداد اتنی بڑی ہو گئی کہ ساٹھ ہزار دینار سالانہ اس کی زکوٰۃ نکالی جاتی تھی مگر خود اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے کیونکہ وہ عامہ مسلمین کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ اپنے لئے مزدوری الگ سے کرتے تھے۔

سترہ میل لمبی سڑک بنائی اور ہر میل پر پتھر نصب کیا یہ بھی مسلمانوں کی دنیوی خدمت۔

میثم تمار ان کے اصحاب میں بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی کھجور کی دکان تھی۔ باقی وقت میں ان کی دکان پر تفسیر قرآن بیان فرماتے تھے میثم تمار کو تفسیر میں یہ تبحر ہو گیا کہ انہوں نے حضرت علی کے بعد ابن عباس ایسے مفسر قرآن و شاگرد امیر المومنین سے کہا کہ تفسیر قرآن میں مجھ سے معلومات حاصل کر لو اور اس کو لکھ لو چنانچہ ابن عباس نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور لکھا۔

جمع قرآن کے بعد آپ نے صحیفہ علویہ لکھنا شروع کیا اور بہت بڑا ذخیرہ احادیث واحکام کا جمع کیا اور یہ دردمندانہ اپیل کرتے رہے کہ پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہو۔ قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ اس سے اسی تڑپ جذبے کا اظہار ہوتا ہے جو دین کی اشاعت کے لئے ان کے دل میں تھی مگر چند آدمیوں کے سوا خود ان کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا یہ تھی مسلمانوں کی دینی خدمت اس طرح انہوں نے اپنی زندگی کے پچیس سال دورِ ثلثہ میں گذارے دہلی کے مشہور عالم مولانا علی بہادر حنفی ایڈیٹر دورِ جدید لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں حضرت علی کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ مسئلہ خلافت اور بنی ہاشم کی سیاست نے ایسا رخ اختیار کر لیا تھا کہ حضرت علی ایک خاص حد تک اشتراک عمل کرتے تھے

(معاویہ یزید ص ۱۶۷)

مولانا نے دو باتیں کہی ہیں۔ ایک یہ کہ عہد رسول میں علی کی جو سرگرمیاں تھیں۔ وہ دورِ ثلثہ میں نہیں رہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ عہد رسول میں ان کی سرگرمیاں رسول کی سرگرمیوں کی حمایت میں تھیں جن کو وہ اپنے اوپر واجب سمجھتے تھے مگر حضرت ابوبکر و عمر کی سرگرمیاں رسول کی سرگرمیوں سے مختلف تھیں۔ ان میں حضرت علی کس طرح شریک ہو سکتے تھے۔

دوسرے یہ کہ وہ ایک خاص حد تک اشتراک عمل کرتے تھے وہ حد تھی کہ جب انہیں مشورہ کے لئے بلایا جاتا تھا تو وہ نہایت فراخدلی سے مشورہ دیتے تھے۔ معرکہ ایران میں حضرت عمر کو میدان جنگ نہ جانے کا مشورہ خلیفہ کے گذارے سنہ ہجری کی تجویز مشکل مسائل کا حل تاریخوں میں

موجود ہے۔ انتظام ملکی قواعد سلطنت دوسرے ملکوں پر حملے فوجی حکمت عملی ایسے معاملات میں روم وایران کے مدبروں سے مشورہ لیا مگر حضرت علی سے مشورہ نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا مشورہ ہماری سرگرمیوں کے خلاف ہوگا۔

مسئلہ بیعت

اس دور میں حضرت علی سے متعلق ایک بڑا اختلافی مسئلہ بیعت کا ہے اس سلسلہ میں دو حدیثیں بھی موضوع سے خاص تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹا وہ مسلمان نہیں۔

(۲) جس نے اولوالامر کی بیعت نہ کی اور اسی حالت میں مرگیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

علی دین کے معاملات میں جتنے سخت تھے وہ سب کو معلوم ہے ان حدیثوں کے پیش نظر علی نے ابوبکر کی بیعت کرنے میں جس عجلت سے کام لیا وہ اس روایت سے ظاہر ہوتی ہے۔

کسی نے آپ کو اطلاع دی کہ حضرت ابوبکر مسجد نبوی میں بیعت کے لئے بیٹھ چکے ہیں اور لوگ ان سے بیعت ہو رہے ہیں تو باوجود اس کے کہ حضرت علی اس وقت برہنہ جسم تھے آپ مسجد کی جانب اسی حالت میں تیزی سے بڑھے اور جب آپ بیعت ابوبکر سے فارغ ہو چکے تو آپ کو دفعتاً خیال ہوا کہ کمال عجلت میں چادر اور ازار بھی۔ ڈال کر نہیں آئے تھے

چنانچہ یہ چیزیں آپ نے گھر سے منگوا بھیجیں۔ ترجمہ الشجان ص۱۴
سمجھ میں نہیں آتا کہ برہنہ رہنا حرام اور ستر عورتیں واجب ہے علی
گھر میں برہنہ کیوں بیٹھے تھے اگر فرض کیجئے کہ کسی ضرورت سے دوچار منٹ کیلئے
پیجامہ اُتار دیا تھا اور اتفاق سے ٹھیک اسی وقت حضرت ابوبکر کی بیعت
کی خبر ملی تو پیجامہ پہننے میں کتنی دیر لگتی زیادہ سے زیادہ دو منٹ مگر حضرت
علی نے ایک امر واجب کی ادائی میں دو منٹ کی دیر بھی گوارا نہیں کی اور
ستر عورتیں کے وجوب کو نظر انداز کر کے گھر سے مسجد تک برہنہ چلے
گئے۔ جب وہ اس حالت میں گھر سے باہر نکلے ہوں گے تو کتے بھونکتے
ہوئے لڑکے تالیاں بجاتے ہوئے ان کے پیچھے لگ گئے ہوں گے اور
مدینہ میں شور مچ گیا ہوگا کہ علی بازار میں ننگے گھوم رہے ہیں۔

علی کا بیعت ابوبکر کے بعد گھر سے چادر اور پیجامہ منگوانے کے
معنی یہ ہیں کہ انہوں نے سوچا کہ گھر سے مسجد تک برہنہ آنے کی تو وجہ
تھی مگر مسجد سے گھر تک برہنہ جانے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے پیجامہ
اور چادر منگوالی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کا گھر مسجد سے کافی
دور تھا۔ راوی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت علی کے گھر کا دروازہ مسجد
میں کھلتا تھا اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر مسجد میں بیعت کیلئے
تیسرے دن بیٹھے دو دن تک علی نے بیعت کی ضرورت نہیں سمجھی تیسرے
دن یہ ضرورت اس شدت سے محسوس کی کہ پے جامہ تک پہننے کی تاخیر گوارا
نہ ہوئی۔ اس خلاف عقل اور مضحکہ خیز روایت میں راوی یہ بتانا چاہتا ہے
کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اتنی برحق تھی کہ علی نے پے جامہ پہننے کی دو منٹ
کی تاخیر بھی اسلام کے خلاف اور امر واجب میں تاخیر سمجھی۔

بہر حال اس روایت کی بنا پر کچھ علما کہتے ہیں کہ علی نے حضرت ابو بکر کی بیعت بے تامل فوراً کر لی۔

کچھ علما یہ کہتے ہیں۔

بنی ہاشم نے حضرت ابو بکر کی بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور عام مسلمانوں کے مسلک کی مخالفت کی تھی یہ مخالفت چھ مہینے تک قائم رہی۔ پھر جب چھ ماہ کے بعد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا انتقال ہو گیا تو ان حضرات نے بیعت کر لی۔ (ترجمہ السنجیان ص ۴۳)

تیسری روایت یہ ہے۔

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے حضرت ابو بکر کے پاس کہلوایا کہ آپ اکیلے آئیں عمر کو ساتھ نہ لائیں چنانچہ وہ گئے اور حضرت علی نے تنہائی میں ان سے بیعت کر لی۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب بیعت لینے میں تشدد کیا جا رہا تھا اس وقت تو بیعت کی نہیں جب معاملہ ٹھنڈا ہو گیا اور بیعت کا مطالبہ دب گیا تو بیعت کر لی اس کی ضرورت کیا تھی اگر ایک امر واجب کی بجا آوری سمجھے تو چھ مہینے تک جان بوجھ کر صرف اس وجہ سے ترک واجب کرتے رہے کہ بیوی کو رنج ہوگا۔

خاتون جنت نے خود بھی ترک واجب کیا اور علی مع القرآن ایسے شوہر سے بھی ترک واجب کی خواہش کی اور انہوں نے مان لیا خاتون جنت تو اسی حالت میں مر گئیں یعنی زمانہ جاہلیت کی موت مریں اور علی نے چھ مہینے زمانہ جاہلیت میں گذارے اب نہ وہ خاتون جنت رہیں نہ علی مع القرآن

رہے اور یہ ماننے کے لئے کوئی مسلمان تیار نہیں ہو سکتا۔ علمائے اہل سنت ایک بات کہتے ہیں جو علی و فاطمہ کو بچا لیتی ہے اور وہ یہ کہ اس خلافت کا دین سے کوئی تعلق نہیں اس کا ماننے والا بھی مسلمان اور نہ ماننے والا بھی مسلمان اسی وجہ سے وہ شیعوں کو کافر نہیں کہتے۔

مگر ایک طرف تو یہ حدیث کہ بیعت نہ کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اگر اس حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ دوسری طرف یہ کہ اس کا ماننا نہ ماننا برابر ہے۔ یہ اجتماع نقیضین گاڑی چل بھی رہی ہے اور رکی بھی ہوئی ہے کس طرح ممکن ہے۔

اس موقع پر ہمیں تین باتیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں جنہیں تمام علمائے اہل سنت نے لکھا ہے اور کسی نے اس کی رد نہیں کی۔

(۱) حضرت ابوبکر کے زمانہ میں معرکہ ایران میں فوج کی قیادت کے لئے حضرت علی کی طرف نگاہیں گئیں مگر اُن سے کہنے کی جراءت نہ ہوئی اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر کو اپنی خلافت سے حضرت علی کی شدید ناراضی کا علم تھا۔

(۲) معرکہ نہاوند میں حضرت عمر نے حضرت علی سے فوج کی قیادت کے لئے کہا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔

(۳) حضرت عثمان نے جب حضرت ابوذر کو جلاوطن کیا تو حکم دیا کہ کوئی ان پہنچانے نہ جائے لیکن حضرت علیؑ امام حسنؑ امام حسینؑ، عبداللہ بن عباس اور عمار یاسر کو لیکے بیرون شہر تک پہنچانے گئے اور گلے سے لگا کے نہایت درد انگیز الفاظ میں ان کو الوداع کہا۔ خلیفہ وقت کی اطاعت سے انکار اسلام کی اطاعت سے انکار ہے اور جہاد سے انکار تو کفر ہے

اور علی ان دونوں کے مرتکب نظر آتے ہیں۔

اب یا حضرت ابوبکر کی خلافت کو برحق مانا جائے یا علی کو کافر یا حضرت ابوبکر کی خلافت کو باطل اور علی کو مسلم مانا جائے۔ یہی دو صورتیں ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ حضرات اہلسنت کیا کہیں گے شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے نہ کسی کی بیعت کی نہ اطاعت وہ اس خلافت کو باطل سمجھتے تھے کیونکہ وہ منجانب اللہ نہ تھی نہ اس کی کوئی جڑ بنیاد تھی اس بارے میں حضرت عمر کی رائے سے زیادہ کس کی رائے مستند ہو سکتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت بے سوچے سمجھے اچانک وقوع میں آگئی خدا نے اس کے شر سے بچالیا۔ اب جو اس طریقہ کو دہرائے گا اپنے کو قتل کے لئے پیش کرے۔

(بخاری، و مسلم و ترمذی وغیرہ)

جب حضرت عمر ہی اس خلافت کو غلط اور شر انگیز سمجھتے تھے تو حضرت علی کیسے اس کو برحق سمجھ کے بیعت کر کے مان لیتے مگر اس کو بے سمجھے بوجھے اور شر انگیز سمجھتے ہوئے لوگوں کو حضرت عمر نے بیعت کرنے پر مجبور کیا۔

شبلی نعمانی کہتے ہیں۔

حضرت عمر نے نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم اور حضرت علی سے بزور منوانا چاہا۔ الفاروق ص ۱۱۳

بات یہ تھی کہ حضرت عمر یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ خلافت جیسی بھی ہے اور جس طرح کی بھی ہے علی کے مقابلہ میں قائم ہو گئی ہے تو اس کو مستحکم ہو جانا چاہیئے اس صورت میں کیسے ممکن تھا کہ حضرت علی یہ سمجھتے ہوئے کہ حضرت عمر کی ساری کاوشیں ہماری مخالفت میں ہیں ان کی تائید کر کے اپنی مخالفت

آپ کر لیتے کہ آپ نے بنی ہاشم کو کچلنے کے لئے ہم کو خلافت سے محروم رکھا۔ ہم بیعت کر کے اپنی رضامندی کی مہر اس پر لگاتے ہیں عقل اسے ماننے سے انکار کرتی ہے۔

شبلی کہتے ہیں کہ:۔

جب خلافت کا ملال دل سے جاتا رہا تو حضرت علی نے بیعت کر لی۔ یہ وہی نظریہ ہے کہ اس خلافت کا دین سے کوئی تعلق نہیں اس لئے حضرت علی نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی۔ مگر سوال یہ ہے کہ چھ مہینے کے بعد کیوں ضرورت محسوس ہوئی۔

اگر دل سے ملال نکل جانے سے بیعت کر لی تو کچھ دنوں کے بعد ملال کا دور ہو جانا فطری بات ہے۔ کسی بات کا زندگی بھر غم کہاں رہتا ہے مگر غم دور ہو جانے کے بعد اس پر راضی ہو جانا غیر فطری ہے۔ اگر ہم سے کوئی چیز چھین لی جائے تو کچھ دن میں غم دور ہو جائے گا۔ مگر چھیننے والے سے ہمیشہ نفرت رہے گی یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ غم دور ہو جانے کے بعد ہم اس سے کہیں کہ آپ کا قبضہ ہماری چیز پر صحیح و جائز تھا اب ہم اس پر اپنی رضامندی کی مہر لگاتے ہیں۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علی خلیفۃ اللہ تھے وہ خدا اور رسول کے سوا کسی کی اطاعت نہیں کر سکتے تھے۔ نہ اپنے منصب سے دستبرداری کا ان کو حق تھا نہ وہ اپنا منصب لینے والے سے خوشنودی کا اظہار کر سکتے تھے کیونکہ یہ اس پر رضامندی کا مترادف ہے۔ نہ وہ عدم تمکن میں تلوار اُٹھا سکتے تھے بس ناراضی کا اظہار اعلان حق کے لئے وہ کافی سمجھتے تھے اور یہ ان کیلئے واجب تھا۔

طہٰ حسین کہتے ہیں کہ:۔

(علی و فرزندان علی صـ ۳۸)

علی ابوبکر سے اتنا ہی عضبناک رہتے جتنی فاطمہ عضبناک رہتی تھیں۔

(۱) حضرت عمر نے ابن عباس سے شکایت کی کہ میں تمہارے ابن عم کو اپنے سے ہمیشہ عضبناک ہی دیکھتا ہوں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۲ صـ ۹۷)

(۲) حضرت عمر نے ابن عباس کی موجودگی میں حضرت علی سے کہا۔

تم دونوں خیال کرتے رہے کہ ابوبکر جھوٹے، گناہ گار، غدار اور خائن تھے پھر جب ابوبکر نے وفات پائی اور میں رسول اللہ اور ابوبکر کا ولی قرار پایا تو تم دونوں نے مجھے بھی جھوٹا گناہ گار، غدار اور خائن سمجھا۔

(صحیح مسلم باب حکم فی صـ ۱۲۳ طبع مصر)

دار قطنی نے امام حسن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

امام حسن ابوبکر کے پاس آئے جب کہ وہ منبر رسول پر بیٹھے تھے بس انہوں نے کہا اتر آ میرے باپ کی جگہ سے حضرت ابوبکر نے کہا خدا کی قسم یہ میرے باپ کی جگہ نہیں تمہارے باپ ہی کی جگہ ہے پھر انہیں اٹھا کے اپنی گود میں بٹھا لیا اور رونے لگے اور اسی طرح کا واقعہ امام حسین کا حضرت عمر سے پیش آیا حضرت عمر منبر پر بیٹھے تھے کہ امام حسین نے کہا یہ تمہارے باپ کی جگہ نہیں ہے میرے باپ کی جگہ ہے حضرت عمر نے ان کو اٹھا کے اپنے پہلو میں بٹھا لیا حضرت علی نے کہا میں نے ان کو یہ حکم نہیں دیا تھا حضرت عمر نے کہا میں آپ پر الزام نہیں لگاتا۔ یہ حضرت علی کے خیالات کی ترجمانی ہے چھ، سات برس کے بچے اپنے گھر والوں سے ہٹ کے کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ جو وہ گھر میں سنتے ہیں وہی سمجھتے ہیں۔

یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر سے معذرت کی ہے ان کو میں نے نہیں سکھایا تھا جو واقعہ تھا مگر امام حسین کو تنبیہ نہیں کی کیونکہ حق بات کہنے پر امام زجر نہیں کر سکتا۔ یہ ہیں وہ تاریخی واقعات جو دور ثلاثہ میں حضرت علی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں

---

[۱] صواعق محرقہ ابن حجر مکی بلفظ آیۃ مودۃ صـ ۱۰۵

حضرت علی کا دورِ حکومت

حضرت علی کے دور کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کو کن حالات میں کس طرح کی حکومت ملی۔

حضرت علی کی خلافت کا پس منظر:۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ عہد نبوی کی دینی اسپرٹ دور ابوبکر میں کم ہو گئی اور زمانہ عمر میں اور کم ہوئی عصر عثمانی میں اس سے بھی کم ہو گئی اس کا سبب یہ ہوا کہ ان بزرگوں نے قرآن و سنت کے علاوہ بھی کچھ اقدام کئے حضرت عثمان نے جو کچھ کیا اسے تو پسند نہیں کیا گیا لیکن حضرت ابوبکر و عمر کے اقدام سیرت شیخین کے نام سے ایک ترقی بخش اور مقدس عمل کی حیثیت سے اسلام میں داخل ہوئے۔ جن کی تفصیل ان کے حالات میں گذر چکی ہے۔ یہاں دو تین باتوں کا اعادہ مطلب کی وضاحت کے لئے ضروری ہے۔

مصر کے جلیل القدر عالم عبدالمتعال الصعیدی فرماتے ہیں۔

آپ نے (رسول خدا) حصول مقصد کی خاطر قوت و تشدد سے کام نہیں لیا۔ (عہد نبوی کی سیاست ص۹)

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

رسول خدا نے کبھی کسی قوم پر حملہ نہیں کیا۔ ان کی ہر جنگ دفاعی تھی۔ (سیرۃ النبی)

وہ بھی اس احتیاط سے کہ دشمن کی سرزمین پر جنگ سے غیر متعلق لوگوں

کے گھروں میں داخل ہونے ان کو لوٹنے ان کی کھیتیاں برباد کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بخلاف اس کے حضرت ابو بکر و عمر کی کوئی جنگ دفاعی نہ تھی۔

استاد جامعہ ازہر علامہ عبدالرزاق لکھتے ہیں۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ابو بکر کی خلافت کے اولین دور میں وہ جنگیں جنہیں حروب ردہ کہا جاتا ہے ہرگز دینی نہ تھیں بلکہ محض سیاسی تھیں۔
اسلام اور اصول حکومت ص ۱۶۰

محمد حسین ہیکل کہتے ہیں:

عراق کی جنگ نہ دینی تھی نہ اسلامی اور اسے بھڑکانے میں کسی مذہبی جذبے کو دخل نہ تھا۔
میرے نزدیک تو یہ اتنی واضح بات ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر جو محرک عراق کی جنگ کا تھا وہی شام کی جنگ کا تھا۔ عمر فاروق اعظم ص ۱۵۳

یہ جنگیں حضرت ابو بکر نے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے کی تھیں اس وجہ سے ان کا تعلق دین سے کچھ نہ تھا۔ وہ مانعین زکوٰۃ جو مسلمان تھے اور زکوٰۃ نکالنے کو کہتے تھے ان کا قتل عام اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے حضرت ابو بکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا جو ان کی اطاعت سے انکار تھا۔ جسے کوئی حکمران برداشت نہیں کر سکتا۔

دوسرے ملکوں پر حملے کئے ارکان حکومت کی خونریزی، غارت گری، اور ظلم و ستم سے چشم پوشی کی کیونکہ وہی حکومت کے بازوئے شمشیر زن تھے

جنکی اس وقت ان کو ضرورت تھی۔

خالد بن ولید کے واقعہ میں حضرت ابوبکر نے اپنی یہ پالیسی حضرت عمر پر ظاہر کر دی تھی۔ جس کی تفصیل ان کے حالات میں بیان کی جا چکی ہے

جب حضرت عمر نے خلافت کا بار اٹھایا تو حضرت ابوبکر کی اسی پالیسی پر عمل کیا۔ ان کی فوجوں نے جہاں پڑاؤ ڈالا وہاں آس پاس کے دیہاتوں کو لوٹ کے رسد بہم پہنچائی بھرے بازار کو لوٹا کسی کے مویشی لوٹ لائے برات لوٹ لی دلہن کو مع دیگر بیگمات کے اٹھا لائے اور آپس میں بانٹ لیا اور حضرت عمر نے خاموشی اختیار کی۔

حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی دو باتوں میں مخالفت بھی کی ایک یہ کہ حضرت ابوبکر نے وظائف کی تقسیم میں مساوات کا لحاظ رکھا تھا لیکن حضرت عمر نے معزز لوگوں کے وظائف زیادہ کر دیے۔ اس سے اسلامی معاشرہ میں ایک دولتمند طبقہ پیدا ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ مسائل شرعیہ تو حضرت ابوبکر بھی لوگوں سے پوچھتے تھے مگر حکومت کے معاملات تنہا اپنی رائے سے انجام دیتے تھے۔ کسی کا مشورہ قبول نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر لوگوں کے مشورے سے کار خلافت انجام دیتے تھے اور لا خلافۃ الا عن الشوریٰ کہتے تھے روم و ایران کے مدبروں کی رائے لی اور قیصر و کسریٰ کے آئین اسلام میں داخل کیے۔

اب وہ اسلام جو امن و سلامتی صدق و راستی عدل و انصاف اخوت و مساوات رحم و کرم اور انسان دوستی کا علمبردار بن کے ادیان عالم پر کمند بن ڈالنے آیا تھا وہ خونریزی و غارت گری کے ذریعہ ممالک فتح کرنے لگا اور اسے اسلام کی ترقی اور سیرت شیخین کیا گیا صرف یہ بات

پیش نظر رہی کہ ممالک فتح ہوئے۔ لہٰذا سیرت شیخین جاری رہنا چاہیے۔

حضرت علی کو خلافت کی پیش کش: یہ خلافت انقلابیوں[1] نے حضرت علی کے سامنے پیش کی جن کا قول تھا کہ جو عمل بد کے ذریعہ غالب آیا وہ مغلوب ہے

فرماتے تھے کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت مجھے اس شرط پر دی جائے کہ ایک چیونٹی سے جو کا وہ چھلکا چھین لوں جو اس کے منھ میں دبا ہوا ہے تو ہرگز کبھی اس کو قبول نہیں کروں گا۔

حضرت علی کا خلافت سے انکار | انقلابیوں سے انہوں نے کہا مجھے چھوڑ دو کسی اور کو اختیار کر لو۔ مجھے تمہاری خلافت کی ضرورت نہیں جب زیادہ اصرار ہوا تو فرمایا اہلِ مدینہ ہی خلیفہ بناتے رہے ہیں انہیں پر اس کو چھوڑ دو تم لوگ اس میں دخل نہ دو۔ اس کے بعد اہلِ مدینہ کے دروازے پر ٹھٹھ لگ گئے۔ ہجوم سے راستہ چلنا دشوار ہو گیا آپ برابر انکار کرتے رہے۔

ایک روز ہجوم میں عباس کا دامن پھٹ گیا۔ آپ کا انکار اور لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اصحابِ رسول آپ کے دروازے پر آئے ہیں اور آپ سے بیعت کی تمنا رکھتے ہیں۔ طالب ہدایت ہیں اور آپ گریز کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے معاملہ کے کئی رُخ ہیں جو لوگوں کی برداشت اور معلومات سے باہر ہیں تم لوگ میری خلافت برداشت نہ کر سکو گے۔ پیغمبر کی سنت منقلب اور مساوات ختم ہو چکی ہے عدل وانصاف

---

[1] ڈاکٹر طٰہٰ حسین کہتے ہیں کہ وہ لوگ حالات میں اصلاح چاہتے تھے اور انقلابی تحریک کے علمبردار بن کے آئے تھے۔

نا امید ہو چکا ہے۔ عصبیت کا عروج ہے۔ عیش ونشاط کا دور ہے اگر تم خلافت میرے سپرد کر دو گے تو میں پیغمبر کی روش پر چلوں گا تمہارے خواص اور عوام کو برابر کر دوں گا اور یہ تمہیں اچھا نہیں معلوم ہو گا پھر تم بغاوت و سرکشی کرو گے عوام بھی خواص کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اگرچہ خواص کی مخالفت عوام کی وجہ سے ہو گی نتیجہ میں بے شمار بندگان خدا مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

سب نے ہم آواز ہو کے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس میں ہمارا نفع ہے اور پھر آپ کی نافرمانی کریں ہم بخوشی و رغبت رسول خدا کی طرح آپ کی اطاعت کریں گے آپ نے فرمایا جو تم کہہ رہے ہو یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا میرا حق سمجھتے ہو۔ سب نے کہا ہم آپ کے حکم کو پیغمبر کے احکام کی بنا پر اپنے اوپر واجب جانتے ہیں اب حجت اتمام ہو گئی اور حضرت پر واجب ہو گیا کہ ان کی درخواست قبول کر لیں۔ آپ نے مجمع سے فرمایا اس میں جلدی نہ کرو۔ آج کا کام کل پر ملتوی کرو کل اس پر پھر غور ہو گا۔

دوسرے دن اہل مدینہ اور سب انقلابی مسجد میں جمع ہوئے اور علی کا انتظار ہونے لگا کچھ دیر کے بعد آپ تشریف لائے اور سیدھے منبر پر گئے اور فرمایا۔

گروہ مہاجر وانصار امر خلافت وبیعت میں جلدی نہ کرو آج تمہیں اس پر اچھی طرح غور کرنے کا موقع حاصل ہے اگر بے غور و فکر اس کام کو انجام دو گے اور اختیار تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا تو بعد میں ندامت و پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ ہو گا لہذا عجلت نہ کرو اور بات کو حقیقت

کی ترازو اور عقل کے کانٹے میں تول لو تاکہ تم جس کو منتخب کرو وہ ہر حیثیت سے تمہارے مقصد کے مطابق ہو۔

سب نے یک زبان ہو کے کہا کہ کل جو ہم طے کر چکے ہیں اس سے آج کسی کو اختلاف نہیں اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ ہم بیعت کی سعادت حاصل کریں۔

حضرت علی کا اتمام حجت آپ نے فرمایا۔ میں تم پر اتمام حجت کرتا ہوں اور تمہارے اوپر واضح کئے دیتا ہوں کہ اگر تم مجھ کو خلیفہ اس لئے بناتے ہو کہ مجھے تم کو شہروں کی فرمانروائی حاصل ہو گی تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دو میں تمہاری خواہش کے پیچھے نہیں چلوں گا۔ تمام معاملات میں اپنی رائے پر عمل کروں گا جس میں تمہیں کوئی دخل نہیں ہو گا۔ تم زمانہ جاہلیت کی طرف پلٹ چکے ہو اور وہی وقت آگیا ہے جس سے پیغمبر کو ابتدائے کار رسالت میں مقابلہ کرنا پڑا تھا میں تمہیں اُلٹ پلٹ دوں گا تمہاری دولت تم سے چھین لوں گا۔ تمہاری بڑائی کا تاج تمہارے سر سے کھینچ لوں گا۔ تمہارے چھوٹوں کو تمہارے برابر کر دوں گا۔ تم اس طرح جلائے جاؤ گے جس طرح ہانڈی جلائی جاتی ہے اس طرح چھانے جاؤ گے جس طرح چھلنی چھانی جاتی ہے۔ یہ باتیں تم پر واضح کئے دیتا ہوں کہ تم کل یہ نہ کہو کہ میں نے اطاعت اس لئے کی تھی کہ فلاں شہر اور فلاں ملک چاہتا تھا۔ اگر کوئی شخص مجھ سے فرمانروائی کی خواہش رکھتا ہے مال و دولت کا آرزومند ہے تو مجھ سے ہاتھ اُٹھالے اور جس کو اپنے کام کے لئے موزوں سمجھے اسے اختیار کر لے۔ خدا کی قسم میں کوئی بات کبھی کسی سے چھپاتی نہیں۔ سب نے ہم آواز ہو کے کہا ہم آپ کی خلافت سے کوئی طمع نہیں رکھتے۔ جو آپ چاہیں اور پسند کریں اس کا حکم دیں کوئی چھوٹی سے چھوٹی بحث بھی کسی

معاملہ بھی ہماری طرف سے نہ ہو گی۔ یہ سب اقرار لینے کے بعد۔

حضرت علی کی بیعت: فرمایا کوئی شخص بیعت پر مجبور نہیں ہے جس کا جی چاہے وہ بیعت کرے سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی۔ قبیصہ بن مالک اسدی نے کہا خدا کی قسم پہلی بیعت دست شل نے کی ہے یہ پائیدار نہ ہو گی اس کے بعد لوگ بیعت کے لیئے ٹوٹ پڑے۔ حضرت فرماتے ہیں میری بیعت سے لوگوں کو اتنی خوشی ہوئی کہ چھوٹے چھوٹے بچے خوشیاں منانے لگے بوڑھے لڑکھڑاتے قدموں سے بیعت کے لیئے بڑھے بیمار بھی اُٹھتے بیٹھتے پہنچ گئے اور نوجوان لڑکیاں پردوں سے باہر نکل کر دوڑ پڑیں۔

یہ پہلی اور آخری بیعت تھی جو کھلم کھلا رضائے عام سے ہوئی۔

عبداللہ بن عمر سعد بن وقاص اور محمد بن مسلمہ بیعت کے لیئے نہیں آئے آپ نے ان کو بلوا کے بیعت طلب کی تینوں نے انکار کر دیا مالک اشتر نے بہت سخت سست کہا اور عبداللہ بن عمر کو توہین کے رکھ دیا جس کو لکھنا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔

حضرت علی کے اصلاحات: حضرت علی بیعت سے فارغ ہو کے بیت المال میں تشریف لائے اور حکم دیا کہ عثمان کا مال اموال مسلمین سے علیحدہ کر کے ان کی اولاد کو دے دیا جائے اور بیت المال کا سارا مال مسلمانوں پر مساوی تقسیم کر دیا جائے خواہ عربی ہوں یا ایرانی یا حبشی اس وقت سارا مال تقسیم ہو گیا۔

قبائلی عزت سے جو وظائف میں فرق تھا اسے ختم کر دیا۔

مسائل میں اختلاف کو روک دیا اجتہاد قیاس کا دروازہ بند کر دیا امور خلافت میں مشورہ کا طریقہ ختم کر دیا۔

حضرت عثمان کی عطائی ہوئی جاگیر بن ضبط کر کے مسلمانوں کو پلٹا

لوں گا۔

عثمانی اعمال کو معزول کر کے متقی و پرہیزگار عمال کا تقرر کیا۔ غارت مال و متاع سے روک دیا رضاکار فوج بھرتی کی حاجت مندوں کا ان کی ضرورت کے مطابق وظیفہ معین کیا بیت المال کا صحیح مصرف شروع ہوا۔

حضرت عائشہ مکہ میں: مصر کی مشہور خاتون عائشہ بنت الشاطی نے حضرت عائشہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

مدائنی لکھتا ہے کہ جب حضرت عثمان قتل ہوئے تو حضرت عائشہ مکہ میں تھیں اور مکہ سے باہر نکلتے وقت عثمان کے قتل پر مطلع ہوئیں اور چونکہ ان کو یقین تھا کہ طلحہ خلیفہ ہوں گے فرمایا نعثل ہلاک ہوا مرحبا اے ابو الشبل (بہادر) مرحبا اے میرے چچا کے فرزند گویا میں دیکھ رہی ہوں کہ اس کی انگلی سے لوگ بیعت کے لئے خوشی خوشی جا رہے ہیں اور تیزی سے روانہ ہوئیں کہ عبداللہ بن ابی سلمہ سے علی کی خلافت کی خبر سنی دفعۃً سے ہوگئیں اور درد بھری آواز سے کہا اگر تمہارے ساتھی کی بیعت ہوگئی تو کاش یہ آسمان پھٹ پڑتا اور میں یہ دن نہ دیکھتی۔ میرے لئے عثمان کی زندگی کا ایک دن علی ساری زندگی سے بہتر ہے۔ جب تک علی کی خلافت کو تباہ نہ کر لوں گی چین سے نہ بیٹھوں گی خدا کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے ہیں ان کے خونِ ناحق کا انتقام لوں گی۔ عبداللہ بن ابی سلمہ یہ رنگ دیکھ کے دنگ ہو گئے اور کہا آپ یہ کیا فرماتی ہیں آپ ہی تو کہتی تھیں اقتلوا النعثلا فقد کفر کہا اب جو میں کہتی ہوں اسے سنو پہلے تو ان سے توبہ کو کہا گیا پھر موقع دیئے بغیر قتل کر دیا گیا اور اس نے دوبارہ کہا کہ واپس چلو وہاں حضرت عائشہ لوگوں کو فساد

کرنے کیلئے جمع کرتی تھیں اور کہتی تھیں عثمان کے خون ناحق کا بدلا لینا چاہیئے۔ حالانکہ نہ حضرت علی عثمان کے قاتل ہیں نہ لوگوں کو ان کے قتل کیلئے بھڑکایا نہ ان کے قتل سے خوش ہوئے نہ حضرت عائشہ عثمان سے رضامند تھیں۔ نہ ان کے خون کا بدلا لینے کی وارث تھیں بلکہ ان کے افعال پر اشتعال انگیز نکتہ چینی کرتی تھیں۔ کوئی مورخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت علی خلیفہ نہ ہوتے جب بھی حضرت عائشہ ہنگامہ برپا کرنے کے لئے اٹھتیں وہ لوگوں کو فساد پر اُبھارتیں اور کہتیں کہ عفان کے بیٹے کو مظلوم قتل کر دیا ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہو تاکہ لوگوں کو عبرت ہو ادھر حضرت علی نے معاویہ کو لکھا کہ سب نے میری بیعت کر لی ہے تم فوراً مدینہ آؤ

معاویہ معاملہ کی نزاکت کو سمجھے ہوئے تھے طلحہ اور زبیر پر ان کی نظر تھی ان کو وہ اپنے مقصد کیلئے استعمال کرنا چاہتے تھے کہ علی کا حکم پہنچا۔

انہوں نے زبیر کو لکھا۔

یہ خط ہے امیر المومنین زبیر بن العوام کی جانب معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے اہلِ شام سے آپ کے لئے بیعت لے لی ہے اور عہد و میثاق سے ان کو مضبوط کر لیا ہے کوفہ اور بصرہ آپ سے قریب ہے۔ ان دونوں پر آپ قبضہ کر لیں تاکہ پھر کوئی چیز باقی نہ رہے میں نے آپ کے بعد طلحہ کے لئے بیعت لے لی ہے۔

آپ کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے یہ آپ کا کام ہے کہ آپ عہد کریں اور خون عثمان کے قصاص کے لئے آگے بڑھیں۔

زبیر نے طلحہ کو خط دکھایا دونوں کو یقین ہو گیا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے اور اہلِ شام زبیر کے لئے بیعت کر چکے ہیں ان لوگوں نے ابو محمد

بن طلحہ انصاری کو حضرت علی کے پاس بھیجا اور خواہش کی کہ بصرہ اور کوفہ کی گورنری طلحہ وزبیر کو دے دی جائے۔ حضرت علی نے فرمایا ان سالخوردہ آدمیوں سے کہو خدا اور رسول سے ڈریں اور امت کو فساد میں مبتلا نہ کریں اس جواب سے انھیں اندازہ ہو گیا کہ علی کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا اور خاموش ہو کر حالات کے منتظر رہے۔

حضرت علی کے مساوات کے عمل سے وہ اکابر عرب جو اپنے کو دوسروں پر فضیلت دیتے تھے انہیں مہاجرین اولین اور انصار اور ایرانیوں کو جو مدینہ میں رہتے اور ان جیسے غلاموں کو جنہوں نے اسلام اختیار کر لیا تھا یکساں کر دینے پر ناگواری ہوئی خاص طور پر طلحہ زبیر اور مروان اور دوسرے بنی امیہ جو دوسروں پر اپنے حق کو فائق سمجھتے اور مصریوں ایرانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بیت المال سے ان کے مقابلے میں زیادہ مال لینا اپنا حق سمجھتے تھے انہوں نے جان لیا کہ اب بیت المال سے وہ مقدار ان کو نہیں مل سکتی جواب تک ملتی رہی تھی۔

حضرت علی کے اصلاحات سے مخالفت شدید تر ہوتی گئی اور لوگوں نے تدبیریں سوچنا شروع کیں۔

بنی اُمیہ حضرت علی خدمت میں | بنی اُمیہ مروان کی قیادت میں حضرت علی کے پاس آئے۔

مروان: ہم اپنے کو بہت آمادہ کرتے ہیں کہ آپ کی طرف سے دل صاف کر لیں مگر یہ کسی طرح ہم سے نہیں ہوتا۔ آپ نے جو ہمارے خون بہائے ہیں اور جو گھوڑے ہمارے لاشوں پر دوڑائے ہیں اسے ہمارا دل فراموش نہیں کرتا شیبہ کا

بڑھاپا اور ولید کی جوانی آپ نے خاک میں ملائی۔ سعید بن عاص جو شجاعت اور حسن تدبیر میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔ آپ کے ہاتھوں قتل ہوا حنظلہ بن ابی سفیان کو آپ نے خاک و خون میں غلطان کیا کتنا خون ہمارا آپ کی تلوار سے ٹپکا ہے اور کیا کیا اذیتیں ہم نے آپ کے ہاتھوں برداشت کی ہیں اب جب کہ خلافت آپ تک پہنچی ہے ہم نے مجبوراً آپ کی بیعت کر لی ہمیں اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو اب تک ہمارے ساتھ ہوتا رہا ہے اتنی ہی مراعات آپ سے بھی حاصل ہوتی رہیں گی اس سے جو خون ہمارے دل سے بہہ رہا ہے وہ شاید کچھ رک جائے اور ہماری زبان سے اگر کوئی بات آپ کے خلاف نکل جائے تو آپ ہمیں معذور سمجھیں اور اگر ہم چاہیں کہ اپنے بھائی معاویہ کے پاس چلے جائیں تو آپ ہمیں نہ روکیں اور آپ حکم دے دیں کہ قاتلان عثمان ہمارے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ ہم ان سے قصاص لے سکیں اور وہ قرضہ جو عثمان کی سخاوت کی وجہ سے ہمارے اوپر واجب الادا ہے اس کا کوئی ہم سے مطالبہ نہ کرے۔

فرمایا جو خون تمہارا میرے ہاتھوں بہا وہ خدا اور اس کے پیغمبر کے حکم سے بہایا گیا اور حق پر بہایا گیا ہے جو اس خون کا قصاص چاہتا ہے وہ مسلمان نہیں۔

مسلمانوں کے دین سے تمہیں آزاد کر دوں یہ کیونکر ممکن ہے تمہاری رضا جوئی کے لئے میں راہ حق کو چھوڑ دوں۔

قاتلان عثمان کے متعلق اگر میں واجب سمجھوں گا تو اسے کل پر نہیں چھوڑوں گا بے شک میری اوپر یہ لازم ہے کہ اگر تمہیں مدینہ کی اقامت کیلئے خائف دیکھوں تو باہر جانے کی اجازت دے دوں۔ بنی اُمیہ علی کا جواب سن

کے چلے گئے۔

طلحہ زبیر عبداللہ بن عمر اور مروان نے مخالفت کے طریقے سوچنا شروع کیئے۔ حضرت علی چند روز تک ان کے حالات خاموشی سے دیکھتے رہے یہاں تک کہ مخالفت کھلم کھلا شروع ہو گئی۔ امیر المومنین نے مسجد میں مخالفت کی وجہ یہ بیان کی۔

مسجد میں حضرت علی کی تقریر | کچھ لوگوں نے پیغمبر کی سنت جو عدل وانصاف اور اخوت و مساوات پر مبنی تھی اس کو پس پشت ڈال کر بیت المال کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا اب میری برابر کی تقسیم پر وہ غضبناک ہیں اور تمہارے لئے یہ بات پوشیدہ نہیں۔ وہ لوگ غور نہیں کرتے کہ وہ مال جو بیت المال میں آتا ہے وہ مسلمانوں کی مشترکہ تلوار اور کوششوں کا نتیجہ ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس میں کسی کو برتری اور کسی کو کمی حاصل ہو اور جاہلیت کا طریقہ زندہ کر دیا جائے پیغمبر نے کسی کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔ ہمارے مذہب کا اہم اصول مساوات ہے حبشی غلام جب اسلام لے آئے تو وہ بزرگ ترین اہل مدینہ کے برابر ہے میں قیاصرہ اکاسرہ کے طریقہ پر نہیں چلوں گا اور جاہلیت کے قاعدوں کو زندہ نہیں کروں گا چاہے وہ مجھ سے کتنا ہی خفا ہوں۔ خدا ان کے شر سے مجھے محفوظ رکھے گا اور ان کے شیرازہ منتشر کر دے گا۔

طلحہ و زبیر علی کی خدمت میں | طلحہ و زبیر نے حضرت علی سے شکایت کی کہ آپ نے ہمارے وظائف کم کر دیئے اور کسی بات میں ہم سے مشورہ نہیں کرتے۔

آپ نے فرمایا:

الا تخبرانی ای شیء لکما فیه
حق دفعتکما عنه وای قسم
استاثرت علیکما به ام ای
حق رفعه الی احد من المسلمین
ضعفت عنه ام جهلته ام
اخطات بابه والله ما کانت
لی فی الخلافة رغبة ولا
فی الولایة اربة ولکنکم
دعوتمونی الیها وحملتمونی
علیها فلما افضت الی
نظرت الی کتاب الله وما
وضع لنا وامرنا بالحکم
به فاتبعه ما سنته النبی ﷺ
فاقتدیته فلم احتج فی
ذالک الی رایکما ولا رای
غیرکما ولا وقع حکم جهلته
فاستشرکما واخوانی المسلمین
ولو کان ذالک لم ارغب
عنکما ولا من غیرکما واما
ما ذکرتما من امر الاسوة فان
ذالک امر لم احکم انا فیه

کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ کسی چیز
میں تمہارا حق تھا اور میں نے نہیں دیا
یا تمہارے حصہ میں کوئی چیز آئی اور
میں نے دریغ کیا یا کسی مسلمان نے میرے
سامنے کوئی دعویٰ پیش کیا اور میں
اس کا فیصلہ کرنے میں عاجز رہا
یا اس کے حکم سے جاہل رہا یا صحیح
طریقہ کار سے خطا کی خدا کی قسم مجھے
تو کبھی خلافت کی تمنا نہ تھی۔ تم ہی
لوگوں نے مجھے اس کی طرف دعوت
دی اور اس پر آمادہ کیا جب وہ
مجھ تک پہنچ گئی تو میں نے اللہ کی
کتاب کو نظر میں رکھا اور جو لائحہ عمل
اس نے ہمارے سامنے پیش کیا اور
جس طرح کرنے کا اس نے حکم دیا
میں اسی کے مطابق چلا سنت پیغمبر
کی پیروی کی اس میں نہ تو تم سے
کبھی رائے لینے کی حاجت ہوئی
نہ تمہارے علاوہ کسی اور سے اور
جو تم نے برابر کی تقسیم کا ذکر کیا تو یہ
میری رائے کا حکم اور میری خواہش

براي ولا وليه هوا يٰ مني
بلا وجدت انا وانتما
ماجاء به رسول الله قد
فرغ منه فلم احتج اليكما
فيما فرغ الله من قسمه
وامضي فيه حكمه فليس
لكما والله عندي ولا
في هذا عتبيٰ اخذ الله
بقلوبنا وقلوبكم
الى الحق والهمنا واياكم
الصبر ثم قال رحم الله
امرءًا رأى حقا فاعان
عليه او رأى جورا فرده
وكان عونا بالحق۔

نفس کا فیصلہ نہیں بلکہ یہ اپنی طے شدہ
چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم لے کر آئے مجھے جو میرے بھی
سامنے ہے اور تمہارے بھی پیش نظر ہے
جس چیز کی اللہ نے حد بندی کر دی
ہے اور اس کا قطعی حکم دے دیا ہے
اس میں تم سے رائے لینے کی مجھے کیا
ضرورت خدا کی قسم تمہیں اور تمہارے
علاوہ کسی کو بھی اس معاملہ میں شکایت
کرنے کا حق نہیں خدا ہمارے اور تمہارے
دلوں کو حق پر ٹھہرائے اور ہمیں اور تمہیں
صبر عطا فرمائے خدا اس شخص پر رحم کرے
جو حق کو دیکھے تو اس کی مدد کرے اور
باطل کو دیکھے تو اس کو ٹھکرا دے اور
صاحب حق کے ساتھ معین ہو۔

جب اور مخالفت بڑھی تو ایک دن آپ نے مجمع عام میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

لم تكن بيعتكم اياي فلتة
وليس امري وامركم واحداً اني
اريدكم لله وانتم تريدونني
لانفسكم ايها الناس اعينوني

تم نے میری بیعت اچانک بے سوچے
سمجھے نہیں کی تھی اور نہ میرا تمہارا
معاملہ یکساں ہے میں تمہیں اللہ کے
لئے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنی شخصی فوائد

علی انفسکم واللّٰہ لانصفن المظلوم من ظالمہ ولاخذن الظالم بخزامتہ حتیٰ اوردہ منہل الحق وان کان کارھا۔

کیلئے چاہتے ہو۔ اپنی نفسیاتی خواہشوں کے مقابلہ میں میری اعانت کرو خدا کی قسم میں مظلوموں کا ظالم سے بدلہ لونگا اور اس کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے چشمہ حق تک کھینچ کر لے جاؤں گا چاہے اسے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔

یہ لوگ خاموش چلے گئے۔

طلحہ وزبیر دوبارہ خدمت علی میں

وہ وقت آگیا کہ طلحہ وزبیر نے مکہ جانے کا ارادہ کر لیا کیونکہ وہاں حضرت عائشہ علی کی مخالفت کا محاذ کھولے ہوئے تھیں انہوں نے حضرت علی سے عمرہ کی غرض بتا کے مکہ جانے کی اجازت چاہی انہوں نے کہا عمرہ کے علاوہ اور جو تمہیں کرنا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے۔

میں نے پہلے تم سے کہا تھا کہ مجھے خلافت کی خواہش نہیں تم نے مجبور کیا اور عہد وپیمان کے بعد میری بیعت اور اطاعت کا وعدہ کیا اب تمہارے دل برگشتہ ہو گئے اور بنی امیہ جنہوں نے ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچایا ان سے مل گئے اور چاہتے ہو کہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ اور بے شمار مسلمانوں کو فتنہ وفساد میں مبتلا کردو طلحہ نے کہا مجھ کو ان باتوں سے دور کی بھی نسبت نہیں اور سوائے عمرہ کے اور کوئی مقصد نہیں۔

حضرت علی نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ لوگ اٹھ کے چلے گئے تو احباب سے فرمایا اب تم ان دونوں کو میدان جنگ میں دیکھو گے جو ان کا قتل ہوگا۔

طلحہ و زبیر مکہ میں ۔ یہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے ان کے پہنچتے ہی مروان اور تمام بنی اُمیہ بھی پہنچ گئے۔ عبداللہ بن عامر نے ایک ہزار شمشیر زن کے ساتھ محاذ میں شرکت کا وعدہ کیا۔

یعلیٰ بن منبہ جو یمن کے بیت المال کا سارا مال لے کے بھاگا تھا وہ بھی پہنچ گیا۔ اس طرح اُن لوگوں کو ایک کثیر رقم ہاتھ آگئی۔ مالی مشکلات پر قابو پا کے انہوں نے اپنی کامیابی نزدیک دیکھی اور کوچ کی تیاریاں میں شروع ہونے لگیں اپنے اقدام کو ایک اصلاحی تحریک قرار دیا کہ یہ تحریک کہاں سے شروع ہو پہلے شام جائیں وہاں معاویہ کو لے کے عراق پر حملہ کریں یا مدینہ پر حملہ ہو آخر طے پایا کہ بصرہ پر قبضہ کر لیا جائے۔

حضرت عائشہ کیلئے ایک بہت اونچا اونٹ فراہم کیا گیا اور لوہے کی عماری بنوائی گئی اس پر حضرت عائشہ کو بیٹھا کے بصرہ کی طرف لشکر روانہ ہوا اور وہاں عثمان بن حنیف سے جنگ ہوئی۔

جنگ جمل حضرت علی شام روانہ ہو رہے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ طلحہ و زبیر حضرت عائشہ کو لے کے بصرہ پہنچ چکے ہیں حضرت شام جانا ملتوی کر کے بصرہ پہنچے جنگ جمل واقع ہوئی۔ طلحہ و زبیر کام آئے حضرت عائشہ افسردہ و غمگین روتی ہوئی مدینہ واپس آئیں۔ اس درمیان میں معاویہ کو موقع ملا۔ انہوں نے طاقت مجتمع کی اور ایک کثیر لشکر لے کے صفین پہنچ گئے۔ حضرت علی بھی فوج لے روانہ ہوئے۔

اشعث بن قیس کندی اشعث بن قیس کندی بھی اپنی جماعت کے ساتھ حضرت کے ہمراہ تھا۔ رسول اللہ کے زمانہ میں اسلام لایا تھا اس کے بعد مرتد ہو گیا پھر حضرت عمر کے زمانہ میں دوبارہ اسلام لایا اور انہوں نے

اس کو آذربائجان کا گورنر بنا دیا۔ حضرت علی کے زمانہ تک وہ وہاں گورنر رہا۔ حضرت علی نے اور عمال عثمانی کے ساتھ اس کو بھی معزول کر دیا۔ مدینہ آگیا۔ معاویہ کے پاس نہیں گیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ علی کے مقابلہ میں معاویہ کو کامیابی نہیں ہوگی وہ انتقامی جذبات لئے حضرت علی سے ملا رہا۔ صفین میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تھا معاویہ سے جنگ شروع ہوئی ایک طویل اور سخت جنگ کے بعد معاویہ کو شکست ہوئی انہوں نے بھاگنا چاہا۔ عمرو بن عاص نے روکا اور قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے کہ ہم قرآن سے فیصلہ چاہتے ہیں حضرت علی نے کہا اگر قرآن ہی سے فیصلہ منظور تھا تو جنگ سے پہلے کہتے اشعث بن قیس کندی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت علی کو گھیر لیا اور کہا اگر آپ لڑائی بند نہ کریں گے تو ہم آپ سے جنگ شروع کر دیں گے اب حضرت علی کے سامنے دو صورتیں آئیں ایک یہ کہ ان سے جنگ چھیڑ کے معاویہ کو کامیاب کر دیں یا جنگ روک کے معاویہ کو کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے دیں۔ مالک اشتر کے پاس آدمی بھیجا کہ جنگ موقوف کر کے میرے پاس آؤ۔ انہوں نے کہا یہ جنگ بند کرنے کا کون سا موقع ہے ہم معاویہ کے خیمے تک پہنچ چکے۔ فتح ہمارے سامنے ہے حضرت نے کہلوایا کہ ہماری جان کی خیر چاہتے ہو تو واپس آؤ۔ مالک اشتر واپس آگئے لڑائی رک گئی۔ تحکیم کا مسئلہ پیش ہوا اشعث بن قیس کندی اور اس کی جماعت نے ابو موسیٰ اشعری کو تجویز کیا حضرت نے اسے نامنظور کیا اور کہا ابن عباس کو ہماری طرف سے حکم بناؤ مگر وہ سب اس پر راضی نہ ہوئے اب پھر وہی صورت سامنے آگئی کہ ان سے جنگ کریں تو معاویہ کو کامیاب کریں اور مجبور ہو کر حضرت کو ابو موسیٰ اشعری کو حکم بنانے پر سکوت اختیار کرنا پڑا۔

خوارج کا ظہور: حکم بنانے پر خوارج کا گروہ پیدا ہو گیا انہوں نے کہا لاحکم الا اللہ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں ہو سکتا۔ علی نے آدمی کو حکم بنا کے کفر اختیار کیا یہ واجب القتل ہیں وہ حامیان علی کو قتل کرنے لگے حکمین نے فیصلہ غلط دی اس کو سب نے محسوس کیا۔ حضرت علی شام جانے کی تیاری کی لوگوں نے کہا کہ خوارج آپ کے حامیوں کو قتل کر رہے ہیں ہم لوگ شام جائیں گے تو وہ ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے اور ہمارے پسماندگان کو قتل کر دیں گے واقعہ یہی تھا حضرت نے خوارج

جنگ نہروان: کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ ہمارے دس آدمی شہید ہوں گے اور ان کے دس آدمی بچیں گے تاریخ بتاتی ہے کہ یہی ہوا نہروان سے حضرت علی نے شام جانا چاہا اشعث بن قیس کندی نے کہا کہ ہمارے نیزے ٹوٹ چکے ہیں تلواریں کند ہو چکی ہیں بازو تھک چکے ہیں ہمیں تیاری کے لئے کچھ مہلت دیجئے اس کے ساتھیوں نے بھی اصرار کیا حضرت نے نخیلہ میں پڑاو ڈالا۔ یہ اپنی جماعت کے ساتھ وہاں سے کھسک گیا اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی کھسک گئے۔ میدان خالی ہو گیا۔ حضرت کوفہ آئے اور لوگوں کو جہاد کی تلقین کی چالیس ہزار آدمیوں نے بیعت کی سامان تیار ہو گیا۔ حضرت معاویہ کو خط لکھا کہ میں اصحاب بدر و احد کے ساتھ اٹھتا ہوا تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ اگر خدا نے مجھ کو اور تم کو ایک صحن میں جمع کر دیا تو قدرت خدا کا تماشا دیکھو گے۔ حضرت روانہ ہونے والے ہی تھے کہ اشعث بن قیس کندی خوارج سے ملا ہوا تھا اس نے اس کو

آمادہ کیا کہ جلدی کرے اور اس پر مسلط رہا اور روز ضربت اس کو حجر بن عدی نے اس کو ابن ملجم سے یہ کہتے سنا کہ جلدی کرو ورنہ صبح ہو جائیگی تو رسوا ہو جاؤ گے حجر بن عدی نے کہا تو امیر المومنین سے قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ وہ دوڑے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے وہ اسلام کی سہ رگ کاٹ چکا تھا۔ اس طرح خلافت علویہ کا خاتمہ ہو گیا۔

علی ناکام خلیفہ

مورخین کہتے ہیں کہ علی ناکام خلیفہ تھے یہ بہت بڑا تاریخی مغالطہ ہے ان کی ساری زندگی میں کسی ایک موقع پر بھی تاریخ نے انہیں ناکام نہیں دیکھا۔ عہد رسول میں کتنے سخت معرکے پیش آئے ہر معرکہ انھوں نے سر کیا۔ اپنے دور خلافت میں جمل و صفین و نہروان میں کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ بے شک ان کا مشن ناکام ہو گیا یعنی اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد اخوت و مساوات عدل و انصاف ایثار و قربانی امن و سلامتی تھی جسے وہ قائم کرنا چاہتے تھے وہ نہ ہو سکا اسلام کی نشاۃ الثالثہ نہ ہو سکی عہد نبوی واپس نہ آسکا۔

اگر حضرت عائشہ انہیں جنگ جمل میں الجھا نہ دیتیں تو وہ شام جا کے معاویہ کی صبح کر دیتے پھر کوئی مخالف طاقت باقی نہ رہتی اسلامی معاشرہ قائم کر دیتے۔

جنگ جمل نے معاویہ کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع دیا۔ اور انہوں نے صفین میں میدان کارزار گرم کیا۔ وہاں ان کے سر تک تلوار پہنچ

چکی تھی کہ اشعث بن قیس کندی کی منافقانہ چال سے وہ بال بال بچ گئے۔ اگر وہ یہ چال نہ چلتا تو مخالفت کا بادل چھٹ جاتا اور وہ باطمینان اسلامی معاشرہ قائم کر دیتے۔

نہروان سے جب حضرت علی نے شام جانا چاہا تو پھر اس نے در اندازی کی اور شام جانا ملتوی ہوا۔

حضرت نے کوفہ میں پھر شام جانے کی تیاری کی وہ روانہ ہونے والے ہی تھے کہ اشعث بن قیس کندی نے ابن ملجم کو ابھارا اس کو یہ کہتے ہوئے لوگوں نے سنا کہ جلد کر دا اگر صبح ہو گئی تو رسوا ہو جائیں گے۔ اس اس نے حضرت کو شہید کر دیا اگر وہ شہید نہ کرتا تو حضرت شام جا کے معاویہ کا چراغ زندگی بجھا دیتے اور پھر باطمینان اسلامی معاشرہ قائم کر دیتے۔ اور جیسی حکومت وہ چاہتے تھے وہ قائم ہو جاتی ان کا مشن کامیاب ہو جاتا ان کی ناکامی ان کی کسی کوتاہی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کی ذمہ داری حضرت عائشہ، اشعث بن قیس کندی اور ابن ملجم پر ہے ان کو ناکام خلیفہ کہنا بہت بڑی تاریخی غلطی ہے۔ جو واقعات کا صحیح تجزیہ نہ کر سکنے کا نتیجہ ہے۔

اگر وہ زندہ رہتے اور حالات پر قابو نہ پا سکتے جب ناکام خلیفہ کہے جا سکتے تھے۔ ان حالات میں ان کو ناکام کہنا ہرگز درست نہیں ہے ان کی ناکامی کس بات میں ہے جبکہ ہر حالت میں وہ قابو حاصل کرتے چلے جا رہے تھے۔

علیؑ کو خلافت نہ ملنے کے نقصانات

مصر کے مشہور محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی رائے ہے کہ:-

آنحضرتؐ سے ان کی قرابت اسلام میں سبقت مسلمانوں میں عزت و منزلت راہِ خدا میں مردانہ وار مقابلہ اور آزمائشوں میں پورا اترنا صاف اور سیدھا طرزِ عمل معاملات دین میں شدت کتاب و سنت کا تفقہ پیش آمدہ مشکلات میں استقامت رائے غرض ہر اعتبار سے حضرت علیؑ خلافت کے مستحق تھے.....

لہذا اگر وہ لوگوں میں افتراق پیدا ہونے سے پہلے خلیفہ بن جاتے تو وہ یقیناً اہل تھے کہ مختلف اور متباعد عصبیتوں کو باہم قریب کر دیتے اور لوگ ان کی اطاعت میں ایک مرکز پر جمع ہو جاتے اور بقول حضرت عمرؓ وہ امت کو راہِ راست سے بھٹکنے نہ دیتے

(الفتنۃ الکبریٰ ص ۳۲)

اس صورت میں حضرت علیؑ کو خلافت نہ ملنے سے حسبِ ذیل نقصانات ہوئے:-

۱- مختلف اور متباعد عصبیتیں سر اٹھا کے کھڑی ہو گئیں یہاں تک کہ رسولؐ کی وفات کی بنیاد اسی عصبیت پر رکھی گئی کہ اگر علیؑ خلیفہ ہو گئے تو بنی ہاشم کا اقتدار ہمیشہ کے لئے قبائل عرب پر قائم ہو جائیگا۔

۲- امت راہِ راست سے بھٹک گئی۔ اور اسلامی نظام کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔

۳- رسولؐ کے بعد علیؑ کو خلافت نہ ملنے سے مسلمانوں کا رخ مادیت کی طرف مڑ گیا۔ اور دنیا اسی راستے پر آگے بڑھتی چلی گئی کیونکہ مسلمان اس وقت دنیا کی انقلابی قوم تھے اور اقوام عالم نے انہیں سے سب کچھ سیکھا۔

اگر علیؑ کو خلافت ملتی تو دنیا کا رخ روحانیت کی طرف ہوتا۔

ایک غیر مسلم مورخ اوکلسر نے لکھا ہے۔

اگر علیؑ کو امن سے حکومت کرنے دی جاتی تو وہ ایک ایسے اسلامی معاشرہ کو استحکام بخشتے جس میں راستبازی انصاف۔ نیکی خلوص۔ سادگی اور انسان دوستی کی حکومت ہوتی۔

۴۔ اگر علیؑ کی عمر طبعی ستر اسی سال بھی فرض کرلی جائے تو تقریباً پچاس سال تک نظام نبوی قائم رہتا جو اتنی مدت تھی جس میں اسلامی معاشرہ اتنا مستحکم ہوجاتا کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوسکتا اور اسلامی نظام کی افادیت دیکھ کے ہر جگہ اپنے نظام کے خلاف بغاوت ہوجاتی اور ساری دنیا بغیر ضرب شمشیر کے مسلمان ہوجاتی۔

۵۔ شیعہ سنی سب مانتے ہیں کہ قرآن کے سب سے بڑے عالم حضرت علیؑ تھے۔ قرآن ان کے گھر میں نازل ہوا اور اس کی تعلیم انھوں نے اس سے حاصل کی جس پہ وہ نازل ہوا انھیں معلوم تھا کہ کون آیت کب اور کہاں اتری اس کا ظاہر کیا ہے اور باطن کیا ہے۔ انھوں نے قرآن کو ترتیب نزولی کے مطابق جمع کیا تھا اور ہر آیت کے آخر میں تاویلی لفظ لکھی تھی جس نے تفسیر سے بے نیاز کردیا تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ :۔

علیؑ نے قرآن شریف اسی ترتیب سے جمع کیا تھا جس طرح نازل ہوا۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ اگر وہ قرآن ہمارے پاس ہوتا تو علم کا بہت بڑا ذخیرہ ہوتا۔ تاریخ الخلفا صفہ ۱۲

شارح بخاری لکھتے ہیں :۔

حضرت علیؑ کا قرآن ترتیب نزولی کے مطابق تھا جسکا پہلا اقرا پھر مدثر پھر ن و القلم پھر مزمل پھر تبت پھر تکویر پھر سبح اور اسی طرح آخر تک مکی پھر مدنی ۔ شرح بخاری صـ۳۰

حافظ ابو نعیم جو پانچویں صدی کے اوائل میں گذرے ہیں۔ لکھتے ہیں ۔

قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا اس کا کچھ ظاہر ہے اور کچھ باطن ہے اور علیؑ ابن ابی طالب کے پاس اس کا ظاہر بھی تھا اور باطن بھی۔ حلیۃ الاولیاء ج ا صـ۶۵

ینابیع المودۃ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ :-

کلام مجید سات حرفوں میں نازل ہوا اور کوئی حرف ایسا نہیں جس کے لئے ظاہر و باطن نہ ہو اور اس کا ظاہر و باطن[۱] در حقیقت علیؑ کے پاس تھا صـ۷

علی القاری لکھتے ہیں :-

حضرت علی نے قرآن کو اسی ترتیب سے لکھا تھا جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔ محمد کہتے ہیں کہ اگر یہ کتاب ملتی تو اس سے علم ملتا ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے عکرمہ سے اس کتاب کا پتہ پوچھا مگر ان کو بھی معلوم نہ تھا۔ کنز العمال ج ا صـ۲۸۲

ملا محمد مبین فرنگی محلی لکھتے ہیں :-

لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ سب خشک و تر اس کتاب میں ہے۔

---

[۱] مفسرین اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن سات حرفوں پر مشتمل ہے اور حرف سے مراد موضوع ہے اور وہ یہ ہیں۔ زجر۔[۱] امر۔[۲] حلال۔[۳] حرام۔[۴] محکم۔[۵] متشابہ۔[۶] امثال[۷]

حضرت علی کو بسبب بطن جو قرآن کا علم تھا اور ہر رطب و یابس جو قرآن میں نازل ہوا وہ امام العلمین کے حیطہ علم میں تھا۔ وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۱۴۰

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:—

ان کے نصیب میں علوم دین کو زندہ کرنے میں یہ بھی تھا کہ انھوں نے قرآن کو آنحضرت کے حضور میں ترتیب دیا تھا مگر اس کی اشاعت قسمت میں نہ تھی شاہ صاحب نے اس کی اشاعت نہ ہو سکنے کی وجہ نہیں بتائی اس لئے یہ بات تشنہ تحقیق رہ گئی۔ [illegible]

اگر علی کو خلافت ملتی تو وہ اس قرآن کی ترویج کرتے اور آج ہمارے پاس تمام علم قرآن بلحاظ ظاہر بھی اور باطن بھی جس کے بعد تفسیر کے سمندر میں غوطے لگانے کی ضرورت نہ ہوتی نہ آیتوں کی اتنی تاویلیں ہوتیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت کو اپنے دور خلافت میں اس کو شائع کر دینا چاہیے تھا مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ قرآن ہی ہماری بنیادی چیز ہے حضرت اپنا قرآن پیش کر کے ابھی سے اختلاف پیدا کر دیتے۔ شیعیان عثمان کہتے کہ ہمارے لئے حضرت عثمان کا قرآن کافی ہے اور امیر معاویہ اس کی ترویج میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے۔ شیعیان علی حضرت علیؑ کا قرآن اختیار کرتے اور دو قرآن ہو جاتے حضرت علیؑ یہ صورت حال کیسے پیدا کر دیتے۔

پیغمبر اسلام احکام الٰہی معلوم کرنے کے ذریعہ تھے باتفاق امت علیؑ علم رسولؐ کے سب سے بڑے حامل تھے اگر رسولؐ کے بعد لوگ علیؑ کو خلیفہ مان لیتے تو امت میں کوئی اختلاف نہ ہوتا ایک مرجع ایک مرکز اور ایک حکم ہوتا بخلاف اس کے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور امیر معاویہ تک کے فتوے مروج ہوئے جو آج تک رواج پذیر ہیں۔

نماز میں اختلاف | حضرت عثمان نے تکبیرۃ الاحرام بالجہر و رفع یدین نماز میں ترک کیا۔ مگر ہاتھ کھول کے نماز پڑھنا رسول خدا سے لے کے تبع تابعین تک باقی رہا سو برس کے بعد فقہائے اربعہ نے اپنے اجتہاد سے فقہ مدون کی علماء نے

کہا کہ جو ان چار میں سے کسی ایک کی تقلید نہ کرے گا اس کے اعمال حبط و باطل ہو جائیں گے
ہر مسلمان ان میں سے کسی ایک کا مقلد ہو گیا۔
ان چار فقہا میں سے تین نے ہاتھ باندھ کے نماز پڑھنے کا حکم دیا مگر کوئی
دلیل نہیں بتائی۔
ایک مشہور روایت ہے کہ مسلمان آستینوں میں بت رکھ کے نماز پڑھتے
تھے جب رسول خدا کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عین نماز میں ہاتھ کھول دینے کا
حکم دیا تو آستینوں سے بت گر گئے اس وقت سے ہاتھ کھول کے نماز پڑھی
جانے لگی۔ جو سو برس تک جاری رہی۔ مگر اس روایت سے کسی نے استدلال
نہیں کیا۔ کیونکہ اس کا جعلی اور خلاف عقل ہونا واضح ہے لوگ گھر سے ہاتھ
باندھ کے تو آتے نہ ہوں گے۔ جیب میں بت رکھ کے لاتے ہوں گے اگر وہ بت
رکھ کے نماز پڑھنا بہتر سمجھتے تھے تو جیب میں رکھنا کافی تھا۔ جیب سے نکال
کے آستین میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ صرف حالت قیام میں ہاتھ
باندھے جاتے ہیں اور ہر حالت میں کھلے رہتے ہیں تو آستین میں بت کیسے رہ
سکتے ہیں۔
اصل میں راوی یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہاتھ کھول کے نماز پڑھنے کا حکم ایک
مجبوری سے ہوا اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ آستین میں بت بتائے لیے یہ خیال
نہیں آیا کہ آستین میں بت نہیں رکھے جا سکتے اس کا مقصد تو صرف اتنا بتانا
تھا کہ ہاتھ کھول کے نماز پڑھنے کا حکم مجبوری سے ہوا۔
جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرات اہل سنت کی کسی کتاب میں ہاتھ باندھ
کے نماز پڑھنے کی کوئی دلیل قرآن حدیث یا عمل صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے
نہیں ہے کیونکہ یہ سب ہاتھ کھول کے نماز پڑھتے تھے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے اس پر گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

نماز میں داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنے میں آئمہ اہل سنت کا اجماع ہے مگر امام مالک کی روایت ہے اور وہی مشہور ہے کہ وہ ہاتھوں کو کھول کر نماز پڑھتے تھے اور اوزاعی تخییر کے قائل ہیں یعنی مصلی کو اختیار ہے چاہے ہاتھ کھول کے نماز پڑھے یا باندھ کے۔ (میزان کبریٰ حاشیہ ص۲۹ طبع مصر)

اسی کتاب کی جلد اول صفحہ ۱۲۵ ار پر لکھتے ہیں

ہاتھ باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ عبد کی صورت اپنے آقا کے سامنے یہی ہونا چاہیے۔ مگر یہ خاص ہے اکابر علماء و اولیاء کے ساتھ اصاغر کیلئے یہی اولیٰ ہے کہ وہ ہاتھ کھول کے نماز پڑھیں جیسا کہ مذہب مالک ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا اس کا محتاج ہے کہ ذہن بٹا رہے جس خضوع میں کمی آجائے گی حالانکہ یہی روح نماز ہے بخلاف جس سے ہاتھ کھولنے میں خضوع میں کمی نہیں ہوگی کیونکہ ہاتھ خود ثقیل ہے اور فطرتاً نیچے لٹکنا چاہتا ہے اکابر علماء و اولیا جو قادر ہیں دونوں امر کی مراعات کے لیئے یعنی خضوع کا بھی خیال رکھیں اور ہاتھ کو بھی سنبھالیں تو ان کے لیئے ہاتھ باندھنا بہتر ہے۔ اصاغر کے لیئے یہ حکم نہیں ہے کیونکہ اس سے حضور قلب پورا حاصل نہیں ہوتا اور اسی کی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب اُم میں کہ اگر ہاتھ کو کھول دے دونوں بغل کی طرف تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اور جو شخص اپنے نفس سے جانے کہ وہ حضور قلب اور ہاتھ باندھنا دونوں کو سنبھال سکتا ہے تو اس کے لیئے ہاتھ باندھنا بہتر ہے۔

اس پوری بحث میں کوئی دلیل قرآن حدیث یا عمل صحابہ سے نہیں ہے

ایک دلیل اجماع ہے سو برس سے زیادہ تک ہاتھ کھول کے نماز پڑھنے پر اجماع رہا جو کاشف ہے عمل رسول کا یہ اجماع محصل ہے وجہ یہ ہے سو برس کے بعد ہاتھ باندھ کے نماز پڑھنے پر اجماع منقولی ہے جو اجماع محصل کی موجودگی میں باطل ہے اور وہ بھی امام مالک و امام اوزاعی کے اختلاف سے باقی نہیں رہا۔

یہ تھا نماز میں اختلاف جو دین کا ستون اور اول ستون ہے۔

اختلاف روزہ کا لطیفہ :- ہمارے ایک بے تکلفی سنی دوست جن کا ذکر متعہ کے مسئلہ میں آچکا ہے ایک دن ماہ صیام میں انھوں نے مجھے کہا کہ کل میرا روزہ تمہارے یہاں کھلے گا میں نے کہا بسر و چشم دوسرے دن وہ تشریف لائے ان کے وقت پر میں نے افطاری حاضر کی اور کہا کہ روزہ توڑ ڈالو انھوں نے کہا توڑ ڈالو یا کھول ڈالو۔ میں نے کہا وقت پر کچھ کھانے کو روزہ کھولنا اور وقت سے پہلے کچھ کھانے کو روزہ توڑنا کہتے ہیں اتنی سی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے کہا وقت ابھی نہیں ہوا میں نے کہا مشرق میں سُرخی موجود ہے جو اس ہی دلیل ہے کہ آفتاب ابھی اُفق پر موجود ہے کہا دکھائی تو نہیں دے رہا ہے میں نے کہا صبح کو جب خیط ابیض نمایاں ہوتا ہے تو آفتاب دکھائی نہیں دیتا مگر سفیدی اس کی دلیل سمجھی جاتی ہے کہ آفتاب افق پر آگیا روزہ اور نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اسی طرح شام کو مشرق کی سرخی اس کی دلیل ہے کہ آفتاب ابھی افق پر موجود ہے روزہ اور نماز کا وقت نہیں ہوا۔

کہا قیاس کے تم کب سے قائل ہو گئے میں نے کہا اس قیاس کہاں ہے صبح کو مشرق کی سفیدی دلیل وجود آفتاب ہے اور شام کو مشرق کی سرخی دلیل وجود آفتاب ہے اس میں قیاس کہاں ہے۔ کہا تم مجھے باتوں میں لگا کے میرا روزہ مکروہ کرنا چاہتے ہو میں نے کہا تم روزہ مکروہ نہ کرو

مگر یہ دیکھو کہ تم ہمیشہ ہر معقول بات کے جواب سے راہ فرار اختیار کرتے ہو
کہا عقل تو سب تمہارے حصہ میں آگئی۔ ہمیں کہاں ملی۔ میں نے کہا بس یہی
اڑن گھائیاں بتانا تمہیں آتی ہیں اور اپنے کو بڑا ذہین سمجھتے ہو کہا میں نے
کب کہا کہ میں تم سے زیادہ ذہین ہوں جتنی ذہانت تھی وہ سب محمد باقر
شمس کے وجود ذیجود میں سما گئی ان ایسا دوسرا کہاں ہے میں نے کہا
تم ایسے ایسے ہزار ملیں گے کہا گالی دیا تو تمہارے مذہب میں ثواب ہے
میں نے کہا کون سی گالی تمہیں دی ہے کہا ۔

ایک ڈھونڈو تو ہزار ملتے ہیں

اس کے اوپر کا مصرع پڑھو۔ میں نے کہا میں کیوں پڑھوں اگر تم
پہلا مصرع اپنے اوپر چسپاں کرنا چاہتے ہو تو خود پڑھو میرا کام تو دوسرے
مصرع سے نکل گیا کہا تم تقیہ کر رہے دوسرا مصرع پڑھ کے پہلے مصرع سے
کام نکالا ہے میں نے کہا تمہاری سخن فہمی اور نکتہ سنجی تک میں کہاں پہنچ سکتا ہوں
کہا اچھا خدا حافظ مجھے محراب پڑھنے جانا ہے میں نے کہا جاؤ
مزے کرو کیا ملے گا کہا تم بھی قرآن حفظ کر لو کسی مسجد میں لگا دوں گا تقیہ
کر کے سنی بن جانا جتنا مجھے ملے گا اتنا ہی تمہیں بھی دلوا دوں گا مگر تمہیں
قرآن حفظ کرنا ہوگا میں نے کہا مجھے قرآن حفظ کرنے کی ضرورت کیا ہے
حروف قرآن پر نظر کرنا بھی ثواب ہے حفظ میں نظر کرنے کا ثواب چلا جاتا
ہے کہا اچھا دونوں طرح ثواب حاصل کرو اپنی کمزوری کو خوب چھپایا
خدا حافظ۔

یہ تو ایک لطیفہ تھا جو ناظرین کی تفریح طبع کے لئے میں نے بیان کر دیا
کہنا یہ تھا کہ نماز روزہ تک میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

حلال وحرام میں اختلاف | مسائل حلال وحرام میں اتنا اختلاف پیدا ہوا
کہ خدا کی پناہ۔

فقہ حنفی میں۔ مور، طوطا، مگرمچھ، اُلو اور بند حلال ہے
فقہ حنبلی میں۔ سمور، گوہ، لومڑی اور چوہا حلال ہے
فقہ شافعی میں۔ بنولا، کچھوا اور کیکڑا حلال ہے۔
فقہ مالکی میں۔ ساہی زرافہ، ہاتھی، کوا، گیدڑ، ریچھ، بلی حلال ہے
جھوٹی چیل، باز شکرا گدھ شیر، بھیڑیا، چیتا، تندوا مکروہ ہے [1]
اسی طرح سینکڑوں اختلاف فقہ اربعہ میں

میں پیدا ہو گئے ہیں جن کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ملی

راہ شیعہ اس اختلاف سے بچ گئے انھوں نے حضرت علیؑ کو اپنا مرجع بنا لیا انھوں نے ایسا کیوں کیا اسکی وجہ مولانا شبلی سے سنئے۔

حضرت علی بچپن سے رسولؐ کی آغوش تربیت میں پلے تھے جس قدر۔ ان کو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا کسی کو نہیں ملا ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرت سے دریافت کرتا تھا تو فرماتے تھے اور جب چپ رہتا تھا تو خود سے ابتدا کرتے تھے اس کے ساتھ ذہانت اور قوت استنباط اور ملکہ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً تمام صحابہ اعتراف کرتے تھے حضرت عمر کا قول تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؑ موجود نہ ہوں۔ عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علیؑ کا کوئی قول مل جائے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سیرۃ النعمان صفحہ ۲۲

اور علی نے جو کہا وہی تمام آئمہ اہلبیت نے کہا فقہائے اربعہ کی طرح ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ اگر رسولؐ خدا کے بعد لوگ حضرت علیؑ کو خلیفہ مان لیتے تو امت میں کوئی اختلاف و افتراق پیدا نہ ہوتا ایک مرکز اور ایک مرجع ہوتا اگر آج بھی مسلمان احکام اسلام حضرت علیؑ سے لیں ان کو چوتھا خلیفہ ہی مانتے ہوئے تو بہت سے اختلاف ختم ہو جائیں جب کہ سب اس کے قائل ہیں کہ علیؑ سے زیادہ عالم قرآن و سنت کوئی نہ تھا اور حضرت عمر مشکل معاملات میں انہیں سے رجوع کرتے تھے تو یہ نہ صواب ہوگا۔ امت کی بھلائی کے لئے ضروری ہے۔

۷۔ علیؓ نے اپنے چار سالہ دور میں جو بغاوتوں، سرکشیوں اور فتنہ سامانیوں کا دور تھا نہج البلاغہ ایسی کتاب دی جس کے متعلق ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ قرآن کے بعد اس کا درجہ ہے اگر زندگی بھر انہیں کام کرنے کا موقع دیا جاتا تو نہ معلوم کتنی نہج البلاغہ وجود میں آتیں جن کی زبان اور اسلوب بیان کا درجہ قرآن کے بعد ہوتا ایسے ثانوی درجے کے قرآن نہ معلوم کتنے ہمارے پاس ہوتے۔

۸۔ انھوں نے مالک اشتر کو ایک ایسا آئین لکھ کے دیا جس سے بہتر آج تک کوئی نہ پیش کر سکا۔ اگر انہیں زندگی بھر خلافت کرنے دی جاتی تو انہیں معلوم حکومت کے متعلق ایسے کتنے ہدایت نامے وہ لکھتے جو آج دنیا کے لیے سبق آموز ہوتے۔

۹۔ انھوں نے ایک کتاب احکام زکوٰۃ میں لکھ کے اپنے بیٹے محمد حنفیہ کے ہاتھ حضرت عثمان کو بھیجی انھوں نے اسے دیکھ کے کہا انہیں اس سے معاف رکھو۔

۱۰۔ انھوں نے حدیث کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا تھا جس میں رسولؐ کی زبان کا نکلا ہوا ہر فقرہ موجود تھا۔ اس کو اگر قبول کر لیا جاتا تو آج حدیثوں کی قسمیں صحیح، حسن، جاریہ، مضمر وغیرہ نہ ہوتیں ضعیف وجعلی روایات کا دروازہ بند ہو جاتا اور آج جو کچھ ہوتا اس کا ایک ایک فقرہ مستند اور ناقابلِ انکار ہوتا اور اسلام کسی بیرونی آمیزش کے بغیر دنیا بھر میں پھیلا ہوتا۔

نقاد السلام
ذرہ ناچیز
شمس
۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء

مصنفات مصنف

۱۔ درِ منظوم: لکھنؤ کے جلیل القدر عالم مولانا وجاہت حسین صاحب ناظم کے حالات زندگی، ان کے قصائد اور اس پر تبصرہ۔

۲۔ انتخاب دیوان جاوید: لکھنؤ کے عظیم شاعر بندہ کاظم جاوید کی غزلوں کا انتخاب اور ان کے حالات اور کلام پر نیاز فتحپوری کا فیصلہ

۳۔ فلسفۂ خیام: خیام کا فلسفہ اور اس کی منتخب رباعیاں۔

۴۔ شکستِ آئینہ: لفظ و معنی کے تعلق پر نازک بحث

۵۔ شعور و شاعری: مشہور شعراء کے کلام کی فنی غلطیاں اور ان کی اصلاحیں

۶۔ لکھنؤ کی زبان: زبان کی ساخت و ساز اور اس کا نشو و ارتقا

۷۔ لکھنؤ کی تہذیب: لکھنؤ کی تہذیب کا دلکش مرقع

۸۔ لکھنؤ کی شاعری: اس کا اسلوب اس کے اصناف اور منتخب کلام

۹۔ تاریخ لکھنؤ: لکھنؤ کی سیاسی، علمی و ادبی اور تمدنی تاریخ

۱۰۔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ: شیعیت کے پھیلنے کے اسباب اور ان کے عقائد۔

۱۱۔ امام ابوحنیفہ شیعہ تھے: امام ابوحنیفہ کی زندگی اور ان کا مذہب اور فقہ حنفی کی حقیقت

۱۲۔ اسلام کا نظام جہانبانی: قرآن سے

۱۳۔ اسلام پر کیا گذری: اسلام کیا ہے اور اس میں کیا کیا تغیرات ہوئے

۱۴۔ نگارشات رنگ رنگ: مختلف موضوع پر مقالات

۱۵۔ رِڈوَکْشن آف اسلام: حقیقی اسلام کا انگریزی ترجمہ

۱۶۔ شبلی اور الفاروق: شبلی کی کتاب الفاروق پر مفصل تبصرہ۔ غیر مطبوعہ

۱۷۔ حیات تاج العلما: لکھنؤ کے مجتہد اعظم مولانا علی محمد تاج العلما کی سوانح عمری۔ (غیر مطبوعہ)

۱۸۔ تاریخ اسلام: جلد اول۔ ضخیم غیر مطبوعہ

۱۹۔ تاریخ اسلام: جلد دوم۔ ضخیم غیر مطبوعہ